گولڈ میڈل یافتہ اور ایوارڈ یافتہ

پیغمبرِ رحمت

صلی اللہ علیہ وسلم

اور انسان کے بنیادی مسائل
خوف، بھوک، جہالت

سید واجد رضوی

مقبول اکیڈمی
۱۹۹۔ سرکلر روڈ۔ چوک انارکلی لاہور

2000ء

ملک مقبول احمد

مقبول اکیڈمی

۱۹۹۔ سرکلر روڈ۔ چوک انارکلی لاہور

Phones : 7233165 - 7324164

Email : zmaqbool@one.net.pk

قیمت : 150 روپے

مطبع :۔ خورشید مقبول پریس لاہور

عصر حاضر کے خوف زدہ

انسان کے نام..........!

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

(۱۰:۶۲۔۶۳)

"یاد رکھو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے اور زندگی ایسی بسر کی کہ برائیوں سے بچتے رہے"۔

تقریظ از مفکرِ اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب پی۔ایچ۔ڈی لندن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت النبی ﷺ ایسا جامع عنوان ہے کہ اس پر لاکھوں صفحات لکھے گئے اور آئندہ بھی لکھے جائیں گے لیکن یہ موضوع کہیں مکمل نہیں ہوتا۔زیادہ مصنفین اس باب میں مورخین کی راہ پر چلے ہیں بہت کم ایسے سیرت نگار ہوں گے جنہوں نے تاریخ سے ہٹ کر سیرت کو زندگی کے مسائل میں سامنے رکھا ہو۔

جناب سید واجد رضوی صاحب کی کتاب "پیغمبر رحمت ﷺ اور انسان کے بنیادی مسائل" دیکھنے کا موقع ملا۔کہیں کہیں سے مطالعہ کرنے کی بھی نوبت آئی۔ آپ نے وقت کے اہم ترین موضوعات خوف، بھوک اور جہالت کے گرد اپنے آثار وافکار کو ترتیب دیا ہے۔آپ کے پیرایہ استدلال سے تو کہیں اختلاف ہو سکتا ہے لیکن یہ بات بلاخوف وتردید کہی جاسکتی ہے کہ مؤلف نے تشنگانِ علومِ سیرت کو ایک نئی فکر مہیا کی ہے اور بہت ممکن ہے کہ آئندہ اور اہل قلم بھی اس راہ کو اپنائیں۔اس صورت میں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ مولف کی یہ تالیف واقعی ایک عہد ساز تالیف ہے۔احقر نے مؤلف کو کچھ مشورے بھی گزارش کیے جو آپ نے بڑی دلجمعی اور طمانیت سے قبول کیے۔فجزاہ اللہ عنا و عن سائر المسلمین احسن الجزاء

علامہ خالد محمود صاحب
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈیمی آف مانچسٹر
حال وارد پاکستان

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

جناح الحاج محمد یوسف صاحب

مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ جناب سید واجد رضوی نے جو نہ صرف دنیائے قانون کی جانی پہچانی شخصیت ہیں بلکہ کشور ادب میں بھی اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔ حضور سرور کائنات ﷺ کی سیرت طیبہ کے ان درخشاں گوشوں اور تعلیمات کو اجاگر کیا ہے جو اس زمانے کی ضروریات میں سے ہیں اور نئی نسل کیلئے وسیلہ ہدایت ورہنمائی۔

حضور سرور عالم ﷺ کی آمد سے پہلے اگر عرب کے مذہبی، معاشرتی اور معاشی حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات اظہر من الشمس ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان تینوں مقتضائے زندگی میں زبردست اصلاح کی ضرورت تھی۔ مذہبی لحاظ سے عرب شکوک و شبہات کے صید زبوں تھے۔ خدائے واحد کی بجائے ان کے اذہان و قلوب پر مختلف خود ساختہ خداؤں کا تسلط تھا اور وہ ان کو معین و مستعان اور کارساز مستغاث سمجھ کر خوف وہراس کے چنگل میں تھے۔ سید عالم ﷺ نے ان کے دلوں اور ذہنوں کو شرک کے زنگ سے صاف کیا۔ عقیدہ توحید کو راسخ کیا۔ اسرار زیست سمجھائے۔ مقاصد زندگی پیش کیے، حصول مقاصد کے لئے اپنا درخشاں اور تاباں اسوہ حسنہ پیش کیا اور صرف اور صرف اس خالق و مالک کے حضور سجدہ ریز ہونے کی تعلیم دی جو لاشریک ولا سہیم ولا یزال ہے۔ جس کی محبت لوح دل کو آئینہ صفت منور کرتی ہے، جس کی عبادت معبودان باطل کی غلامی سے مخلصی بخشتی ہے اور انسان میں اس عقیدے کو زیادہ سے زیادہ راسخ کرتی ہے۔

ہر کہ پیماں با ہوالموجود بست
گردنش از بند ہر معبود رست
ماسوئ اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

بلاشبہ عقیدہء توحید وہ کیمیا ہے جس کے استعمال سے انسان کے ریشے ریشے میں کفر و طغیان، غفلت و کسلاں، سر کشی و بغیان اور تمرد کی منجمد تہیں الٹ جاتی ہیں اور اس کی گردن کئی خداؤں کے جوئن سے آزاد ہو جاتی ہے۔ اس کی زندگی مرغ باد نما کی سی نہیں رہتی اور نہ ہی مادی حوادث کے تند و تیز جھونکے اس کی زندگی کا رخ کسی اور طرف موڑ سکتے ہیں۔ جب عقیدہء توحید واضح ہو جاتا ہے تو دل سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کا خوف محو ہو جاتا ہے اور انسانی زندگی کی غایت اولیٰ رضائے حق کے لئے سراپا عمل، سراپا نیاز اور مسلسل جدوجہد کا پیکر بن جاتا ہے اور انسان ایک پاکیزہ نظریہ حیات کا پابند ہو کر زندگی گزارتا ہے اور یہ نظریہء حیات اسے دنیا و عقبیٰ کی کامیابیوں اور کامرانیوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

عقیدہ توحید انسان کے دل سے خوف غیر اللہ کی تخریج کرتا ہے تو اس کے دل میں معاشرے کے ذمائم اور برائیوں کے استیصال کا شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ ایسی برائیوں کے استیصال کی طرف متوجہ ہوتا ہے جن کا نام "جوع و جہالت" ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "ہو سکتا ہے فقر کفر میں بدل جائے"۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد عالی میں حکمت یہ ہے کہ خوف غیر اللہ کے بعد جو چیز انسانی معاشرے کے لئے زہر قاتل ہے وہ فقر و غربت ہے۔ اس معاشی و معاشرتی روگ کا علاج بغحوائے قرآن کریم "انفاق فی سبیل اللہ" ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ اسلام کے انفرادی و اجتماعی نظام معیشت کی اصل اور روح ہے۔ قرآن کریم میں حکم ہے "تم نیکی کو ہرگز نہ پاسکو گے جب تک تم اپنی محبوب ترین چیز راہ حق میں خرچ نہ کرو"۔ اس آیہ کریمہ میں لفظ (بر) نیکی تمام صدقات واجبہ اور نفلیہ کے لئے مستعمل ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد حق ہے "اصل نیکی کی راہ ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ، آخرت، ملائکہ، اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور جنہوں نے مال کی محبت کے باوجود، مال کو قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور غلاموں کو آزادی دلانے پر خرچ کیا اور اقامت صلوٰۃ کے بعد ایتاء زکوٰۃ کا فرض بھی ادا کیا۔

اسلام کا نظام معیشت خواہ اجتماعی ہو خواہ انفرادی، دونوں صالح نظام معاشرہ اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور صلاح و خیر کے ضامن ہیں۔ اسلام دونوں نظاموں کے ذریعے

چاہتا ہے کہ آہستہ آہستہ قدم بہ قدم اور بتدریج معاشرے میں کوئی حاجت مند باقی نہ رہے اور کوئی استحصالی قوت باقی نہ رہے۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا

کس نہ گردد در جہاں محتاج کس   نکتہ شرع مبین این است و بس

اسلام میں وحدت بنی آدم کا تصور اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو نعمتیں عطا کی ہیں وہ چند افراد یا کسی خاص طبقے کی میراث بن کر نہ رہ جائیں بلکہ ان سے تمام افراد انسانی کو مستفید ہونے کا موقع ملے۔ اسلام نے ایک طرف مال و دولت جمع کرنے پر تجذیر کی ہے تو دوسری طرف خرچ کرنے کے لئے ترغیب و تشویش دی ہے اور معاشرے کے محتاج افراد کی ضروریات پوری کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری و تبشیر دی ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

"ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبے کیلئے سب سے زیادہ نفع رساں ہے"۔

قرآن کریم نے اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا:-

وفی اموالہم حق للسائل والمحروم اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے یہاں بھی ایک قسم کا انتباہ ہے کہ یہ خیرات کی بات نہیں ہے۔ صدقے کی بات نہیں ہے۔ تم جس کو دے رہے ہو اس پر کوئی احسان نہیں کر رہے۔ وہ شخص جو لے رہا ہے وہ اپنا حق لے رہا ہے تمہارے ان اموال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بطور امانت دیئے ہیں ان میں ہر سائل اور محروم کا حق ہے اور حق اگر کوئی شخص نہیں دیتا تو اس سے لیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سائل و محروم تمہارے محسنین ہیں جو تمہارے اموال سے کچھ لے کر تمہیں قریب حق اور جنت کا حقدار بنا رہے ہیں۔

خوف و جوع کے مداوئی کے بعد دین اسلام نے سب سے زیادہ زور جہالت کے خاتمے پر دیا ہے۔ جب تک انسان جہالت کے اندھیروں میں بھٹکتا رہتا ہے تب تک اسے عرفان خویش ہوتا ہے نہ عرفان حق۔ حصول علم کے لئے حضور ﷺ کے ارشادات عالیہ آب زر سے لکھنے کے لائق ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

"علم ایک نور ہے۔ مہد سے لحد تک علم حاصل کرو، علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

ان ارشادات کی روشنی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین اور مسلمانانِ عالم نے حصول علم اور اشاعت علم و فیض کے لئے ایسی مساعی کیں کہ دنیا میں ہر طرف ان کی عظمت و فضیلت کے پرچم لہرانے لگے۔ وہ علوم و فنون میں ساری دنیا کے امام ٹھہرے۔ مغرب و مشرق نے ان کے علمی منابع سے استفادہ کیا اور آج جن علوم و فنون پر یورپ اور امریکہ اترا رہے ہیں مسلمانوں کے افکار ہی کا فیض ہیں۔

میں جناب سید واجد رضوی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے نہایت شرح و بست سے اسوہ حسنہ کی روشنی میں خوف، بھوک اور جہالت کے مداوی کے لئے حاذقانہ انداز سے قلم اٹھایا ہے اور ان امور کی نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے مسلمانوں سے علم و فضل اور فنون کی دولت چھن گئی۔ ایسے موضوع پر قلم اٹھانا آج کے تقاضوں کے عین مطابق تھا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے اور یہ کتاب نئی نسل کے لئے نسخہ کیمیا ثابت ہو۔ آمین یارب العالمین

محمد یوسف

سیکرٹری وزارت مذہبی امور حکومت اسلام آباد

الحاج حکیم محمد سعید

پیش لفظ

جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کبیرہ وطیبہ کو پیش کرنے کے متعدد اور متنوع انداز ہیں اور دنیا کی شاید ہر زبان میں کتب سیرت اور ان کے تنوع کی مثالیں موجود ہیں۔ اس موضوع پر لکھی جانے والی ہر کتاب کی اپنی علیحدہ خصوصیت اور افادیت ہے، لیکن یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ سیرت نبوی ﷺ پر ان گنت تصانیف کے باوجود حیات طیبہ کے بے شمار پہلو ایسے ہیں جن پر فکر انگیز کتابیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

آج جو اہم موضوعات وسیع مطالعے اور عالمی مسائل کے تناظر میں اپنے تجزیے کے متقاضی ہیں ان میں دین کی ہمہ گیری، ہدایات قرآنی کی افادیت اور رسول کریم ﷺ کی رحمت للعالمینی سر فہرست ہیں۔ قرآن حکیم نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو سارے عالم کے حق میں رحمت قرار دیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: 107)

"اے نبی ہم نے تو آپ کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔

ابن عساکر نے بہ روایت ابو ہریرہؓ ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ

"میں اللہ کی طرف سے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

وصف رحمتہ للعالمین کیا ہے، اس کی وسعتیں کس طرح پوری دنیائے انسانیت پر محیط ہیں، اس حقیقت کا علمی وشعوری سطح پر ادراک اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہم عالم انسانی کے بنیادی مسائل کے حوالے سے سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں کا بغائر نظر مطالعہ کریں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا یہ مطالعہ مصائب میں گھری ہوئی انسانیت کو درپیش مشکلات کا شافی حل تلاش کرنے میں ہماری راہنمائی کرے گا۔

بلاشبہ آج دنیا میں انسان کے بنیادی مسائل خوف، بھوک اور جہالت ہیں۔ اسی بنیاد

پر نوع انسانی دائرہ وحدت سے نکل کر ملکوں، گروہوں اور قوموں میں منقسم ہو کر نفرت و خوں ریزی، باہمی رزم و پیکار اور ہمہ جہت فتنہ و انتشار میں مبتلا ہوئی ہے۔ اب قوموں کے اضمحلال اور قوت کا معیار اخلاق و کردار نہیں بلکہ ان کے دائرہ معیشت کی وسعت و تنگی ہے۔ ہر انسانی گروہ دوسرے انسانی گروہوں سے اپنے روابط و تعلقات کا تعین اپنے مفاد کے پس منظر میں کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ باہمی تعلقات و روابط کا تعین کرنے والے ہر ہر گروہ کے ذہن پر اور اس کے تحت الشعور میں خوف کار فرما رہتا ہے، سرمایہ، دانش و ہنر کو ایک دوسرے پر غلبہ و استیلا کا وسیلہ سمجھنے کا رجحان عام ہے۔

اسی فکری پس منظر کے ساتھ جناب محترم سید واجد رضوی نے ایک ضخیم جلد میں "پیغمبر رحمت ﷺ اور انسان کے بنیادی مسائل خوف، بھوک اور جہالت" کے نام سے ایک مبسوط کتاب لکھی ہے۔ اور قرآنی ہدایت و اسوہ نبوی ﷺ کے حوالے سے اس تاریخی انقلاب کا ذکر کیا ہے جو آپ ﷺ نے برپا کیا۔ ان تعلیمات کی وضاحت خوبی سے کی جن سے معاشرے کی تعمیر ہوئی۔ پھر نہ صرف خوف، بھوک اور جہالت کی تاریکی دور ہوئی بلکہ وہ تمام برائیاں دور ہو گئیں جن کی وجہ سے آج انسانیت تباہی و بربادی کے کنارے پہنچ چکی ہے۔

مصنف نے اسی اصلاح و انقلاب کی وہ تفصیلات بیان کی ہیں جو تاریخی حوالوں سے معمور و عصری مسائل میں بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ آخری حصہ خصوصیات نبویؐ اور عظمت رسالت کے موضوع پر ہے جس میں سیرت نبویؐ کی جامعیت اور شان رحمۃ للعلمین کی تشریح قرآنی حوالوں سے کی گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے جہاں اسلامی تعلیمات کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ ہوگا وہاں رسول اللہ ﷺ کی انقلاب آفرینی کی اس حقیقت کا بھی ادراک ہوگا کہ اس سے پوری دنیائے انسانیت کو فائدہ پہنچا اور دنیا میں پہلی بار سارے انسانوں کو زندگی کی دائمی اور ابدی قدریں نصیب ہوئیں۔ درحقیقت آپ ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین یہی ہے۔

جناب محترم سید واجد رضوی ذی علم اور پختہ کار اہل قلم ہیں۔ اسلامی تعلیمات اور

ان کی جامعیت پر گہری نظر رکھتے ہیں، مشغلے کے اعتبار سے وہ وکیل ہیں، طرز فکر اور حسن اخلاق کی بنا پر سنجیدہ حلقوں میں مقبولیت اور احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔ اپنی ایمانی جرات اور حق گوئی کی وجہ سے کسی زمانے میں چشم اقتدار میں معتوب بھی رہ چکے ہیں۔ اپنے مطالعے کے نتائج کو صاف ستھری زبان اور موثر طرز استدلال کے ساتھ پیش کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

ان اوصاف وخصائص اور موضوع کی انفرادیت کی وجہ سے مصنف کی یہ کتاب نہایت دل آویز ہو گئی ہے۔ امید ہے کہ علمی حلقوں میں مسرت کے ساتھ اس کی پذیرائی کی جائے گی۔

میں دست بہ دعا ہوں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائیں اور مصنف کو جزائے خیر مرحمت فرمائیں۔ آمین

حکیم محمد سعید

لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن جدون
صدر شعبہ اسلامیات پی ایم اے کاکول

تقریظ

برادر محترم جناب سید واجد رضوی کی عنایت سے ان کی تازہ تصنیف "پیغمبر رحمت ﷺ اور انسان کے بنیادی مسائل" کا مسودہ دیکھنے کی سعادت ملی۔ میں نے ساری کتاب کا تفصیلی مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس کی زبان بڑی شستہ اور انداز بڑا ہی دلنشیں ہے۔ کتاب کے حرف حرف سے خلوص و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ رسول رحمت ﷺ کے بارے میں انہوں نے جو چھوٹے چھوٹے فقرے لکھے ہیں وہ تو سہل ممتنع معلوم ہوتے ہیں۔

آج انسان کو خوف، بھوک اور جہالت جیسے بنیادی مسائل درپیش ہیں اور وہ ان کی وجہ سے سخت پریشان اور مضطرب ہے۔ رضوی صاحب نے سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ان مسائل کو بڑے اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے اور جابجا قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے جس سے کتاب کی قدر و قیمت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ بہتر ہوگا اس کے تراجم اہل مغرب تک پہنچا دیئے جائیں۔

مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ سے پوری امید ہے کہ رضوی صاحب کی یہ تصنیف بھی ان کی دیگر بلند پایہ تصانیف کی طرح قبول عام اور بقائے دوام حاصل کرے گی۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ

فیوض الرحمٰن جدون

پروفیسر شوکت واسطی

تقریظ

سید واجد رضوی، مجاہد دکن سید قاسم رضوی سے نسبی تو نہیں مگر منصبی قرابت رکھتے ہیں۔ حیدر آباد دکن کی رستگاری میں ان کے دوش بدوش سرگرم جہاد رہے اور پھر تاریخ کے گہرے گھاؤ کا تمغہ سجائے پاکستان آ گئے...... یہ گھاؤ اب تک تازہ ہے!

وہ ایبٹ آباد پہنچے۔ ایک شعلہ بیاں خطیب اور مقرر ہیں، وہاں بزم علم و فن نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور یہ جلد ہی اس کی روح رواں بن گئے۔ 1956ء سے اب تک اس کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس انجمن کے تمام تر ادبی ماحول کا رنگ چڑھا تو شعر بھی کہنے لگے۔ لیکن وہ کلاسیکی مفہوم کے ادیب نہ بنے۔ ان کے دل میں ملت اسلامیہ کا جذبہ تھا۔ پاکستان میں وہ ان اقدار کے فروغ کا دردمندی کے ساتھ احیا چاہتے تھے جو مرحوم حیدر آباد کا طرہ امتیاز تھا۔ پس انہوں نے علم کے میدان میں اپنی مساعی کا رخ اقبالیات اور دینی ادبیات کی طرف موڑ دیا۔ علامہ اقبال کے بارے میں تحقیقی کتب ترتیب و تصنیف کیں۔ لیکن ان کی معرکتہ الارا کتاب "رسول ﷺ میدان جنگ میں" اسلام، جہاد اور جنگی رموز و قواعد کے باب میں حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے، اس تصنیف کو ہماری عسکرانہ صفوں میں بھی بدرجہ اتم مقبولیت حاصل ہوئی۔

زیر نظر کتاب میں سید واجد رضوی نے انسان کے بنیادی نفسیاتی اور معاشرتی مسئلہ ......الخوف والجوع...... سے مبسوط اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس میں انہوں نے انسانی فکر کے بڑے بڑے داعین اور آسمانی وحی کے بزرگ ترین حاملین کے افہام و الہام سے پورا رابطہ قائم کرنے کے بعد، اپنی بحث کو آگے بڑھایا ہے اور ایک منطقی نتیجہ تک پہنچایا ہے۔ دنیا جب سے قائم ہوئی ہے۔ امن کی تلاش میں جنگ سے رجوع کرتی آئی ہے۔ مادی وسائل کے بل بوتے پر مٹھی بھر طاقتور جمعیت نے انسانی اکثریت کو سراسیمہ کئے رکھا ہے، ضروریات کی

اشیاء پر قبضہ جما کر بھوک پھیلائی اور انسانیت کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے پابہ زنجیر کر دیا۔ گویا کبھی لوہے کی تلوار سے کاٹا کبھی سونے کا خنجر گھونپ دیا۔ یہی آبادیاتی اور نوآبادیاتی نظام کا فتنہ بنی آدم کے امن اور سکون کو درہم برہم کر تا رہا ہے...... اور اگر اس کا خاطر خواہ انتظام نہ ہوا تو ہمیشہ درہم برہم کر تا رہے گا!

صاحب تصنیف نے بنیادی مسائل پر سیر حاصل تبصرہ کر کے، تاریخی شواہد سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس فتنہ جلب زر کا خاطر خواہ سد باب شارع اسلام ﷺ نے تجویز فرمایا اور اسے رائج کر دکھایا اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس کے اندر انسان ان دونوں موذی عوارض.......... خوف اور بھوک.......... سے محفوظ ہو کر زندگی گزارنے لگا۔ لیکن صد حیف کہ پھر ہم نے اپنے ہی ہاتھوں یہ نظام مصطفوی ﷺ معطل کر دیا اور انسان پہلے کی طرح ...... بلکہ ہمیشہ کی طرح...... گھور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مارنے لگا۔

سید واجد رضوی نے اس کتاب میں جس محنت اور دقت نظر سے کام لیا ہے، اس کے سبب یہ ایک دقیع دستاویز بن گئی ہے جو مفید مطالعے اور مستند حوالے کے لئے یکساں طور پر قابل قدر ہے۔

شوکت واسطی

ہیر وگیٹ (انگلستان)

گزارش احوال واقعی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ○

ایک عرصہ ہوا بزم علم و فن پاکستان نے ایک سیرت کانفرنس میں "رحمتہ للعالمین" کے موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے مجھے دعوت دی۔ اس عنوان پر بہت کتابیں موجود ہیں جن میں بالعموم حضور اکرم ﷺ کے سوانح حیات بیان کئے گئے ہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں بھی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور علماء کرام بھی اس موضوع پر اظہار خیال کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میں سوچتا رہا کہ انسانی زندگی کے تعلق سے تبارک تعالیٰ کا اس بارے میں اصلی منشاء کیا ہے۔ یہ ابر رحمت ﷺ مزرعہ انسانی کے کس بنجر حصے پر زیادہ کھل کر برس رہا ہے؟ انسان کے وہ کونسے مشکل مسائل ہیں جن کا موثر حل صرف رحمت عالم ﷺ ہی نے دنیا کو دیا ہے؟...... میں سوچتا چلا گیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ نوع انسانی کے مشکل ترین مسائل خوف، بھوک اور جہالت ہیں۔ انہی مسائل نے اولاد آدم کو ہمیشہ بے قرار رکھا ہے اور یہی بے شمار مصیبتوں کو جنم دیتے رہے ہیں...... یہ کتاب اسی طویل سوچ کا نتیجہ ہے۔

پھر کتاب کی تحریر کا مرحلہ پیش آیا۔ یہ سفر بھی بہت طویل تھا۔ کئی دشواریاں سامنے آئیں۔ منزل تک پہنچنے کے لئے کئی چٹانوں کو توڑنا اور کئی چوٹیوں کو سر کرنا پڑا۔ پھر ان مسائل پر رسول رحمت ﷺ کے اساسی نظریئے کی روح، منطق اور فلسفہ کا تجزیہ کیا گیا۔ اس نظریہ کے نفاذ کی سکیم اور طریقہ کار کا جائزہ لیا گیا۔ واقعات کی صف بندی کی گئی اور تمام امور میں ہم آہنگی، ترتیب اور تسلسل قائم کرنے کی سعی کی گئی...... تاہم مجھے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے۔ مجھے اقرار ہے کہ یہ کتاب اس سمت میں محض پہلا قدم ہے۔ موضوع بہت وسیع ہے، رسول اکرم ﷺ کی سیرت پاک کا ایک پہلو ہے جو فی الحقیقت ایک بحر بیکراں

ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ بے شمار موتی اس بحر ذخار سے نکالے جا سکتے ہیں۔

اس کتاب کی تکمیل میں محترم کرنل ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن صاحب نے بہت تعاون فرمایا ہے۔ ان کے وسیع قرآنی علم اور بصیرت سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کی تدوین میں پروفیسر شوکت واسطی صاحب سے بھی میں نے رہنمائی حاصل کی ہے۔ ان دونوں حضرات کا میں شکر گزار ہوں۔

محترم الحاج حکیم محمد سعید صاحب کا بھی بے حد شکر گزار ہوں۔ آپ نے اپنی بے انتہا علمی، معاشرتی، قومی اور طب کی مصروفیات کے باوجود اس کتاب کے لئے پیش لفظ تحریر فرمایا ہے جو آپ کے علمی تبحر اور دینی بصیرت کا آئینہ دار ہے اور جو میرے لئے باعث صد فخر و مباہات ہے۔

میں اپنے کرم فرما محترم جناب الحاج محمد یوسف صاحب سیکرٹری وزارت امور مذہبی کا بھی دلی ممنون و سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے کتاب کی اشاعت سے پہلے اس کے مافیہات پر عالمانہ انداز میں نظر ڈالی اور کتاب کے نفس مضمون پر اپنی گراں قدر آراء پر مبنی تقریظ سے نوازا۔ وزارت امور مذہبی کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر بشیر حسین ناظم کا بھی شکر گزار ہوں جن کی قیمتی تجاویز سے کتاب کی اہمیت میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ

اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے لئے نظر ثانی کی گئی ہے اور اس سلسلے میں حضرت علامہ خالد محمود مد ظلہ العالی اور جناب پروفیسر مبارک حسین شاہ گیلانی کے تبحر علمی سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ ان کی قیمتی تجاویز کے لئے سپاس گزار ہوں۔ کتاب کے اس تیسرے ایڈیشن کے پبلشر جناب ڈاکٹر ظفر مقبول کو رسول مقبول ﷺ کی ذات اقدس سے سچی محبت اور گہری عقیدت ہے۔ اسی سبب سے آپ نے بڑے خلوص سے اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام فرمایا ہے۔ اس کے انداز طباعت میں آپ کے ضمیر کے اسی جوہر کی چمک صاف دکھائی دیتی ہے۔

سید واجد رضوی

الرضا۔ ایبٹ آباد 4 جون 1991ء

۵۸۱۹۶

نگاہ اول

ابتدائے آفرینش سے آج تک اولاد آدم کی نفسیات، مشکلات اور کشمکش پر غور کیجئے تو اس کے مسائل کے تین نقاط، تین مراکز نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان میں ایک تو خوف و غم ہے، دوسرے بھوک اور تیسرے علم کی پیاس یا جہالت ہے۔ لیکن اکثر دانشوروں کے خیال میں خوف ہی انسانی مسائل میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ بھوک اور جہالت اس کی شاخیں ہیں۔ معرکہ حیات میں جتنے بھی تیر لگتے ہیں، زندگی کے صحرا میں جتنے بھی کانٹے چبھتے ہیں، خواہ جسم میں چبھتے ہوں خواہ دماغ میں، خواہ مادی زندگی میں تڑپ پیدا کرتے ہوں، خواہ آخرت کے تصور سے بے چین کرتے ہوں، آپ ذرا غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ یہ سب خوف کے تیر ہیں یا غم کے کانٹے ہیں۔ خوف اور غم سے کوئی باہر نہیں ہے۔

خوف بھی کئی قسم کا ہے۔[1] اس کی فہرست بہت طویل ہے۔ دیگر مخلوقات کا خوف، ظالم انسانوں، بادشاہوں، آمروں، طاقتور قوموں کا خوف، ذہنی تصورات اور توہمات کی ہیبت، موت کی دہشت، عاقبت کا غم، روٹی کی فکر، جہالت کی پریشانی، ناانصافی کا ڈر، جنگ کی وحشت ...... یہ سب انسانی زندگی کے ایک ہی مرکز، خوف اور غم کی مختلف کڑیاں ہیں۔

خوف انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ کاروان حیات کا رہزن ہے۔ انسانی کارکردگی اور مسرتوں کو تباہ کرتا ہے اور انسان کے جذبات میں بے راہروی پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے انسانی معاشرہ میں اس کی جڑیں بہت مضبوط ہیں۔ ماں کی گود میں، گھر اور مدرسے میں انسان کی تربیت خوف ہی کے سائے میں کی جاتی ہے۔ دفتروں، مدرسوں، محکموں، بازاروں، عبادت گاہوں اور ہسپتالوں میں خوف سے ہی واسطہ پڑتا ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر خوف و غم کا تسلط نہ ہو۔

بگرواگرد خود چندانکہ بینم
بلا انگشتری و من نگینم[2]

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانی فکر خوف و غم

1۔ دیکھئے صفحہ　　2۔ بال جبریل ص ۲۰۷

کے مسائل سے بالعموم مرعوب ہو کر شکست کھاتی رہی ہے اور اگر ان امور پر غلبہ حاصل کرنے کی سعی کی بھی ہے تو اپنے ہی ذہن کی بھول بھلیوں اور کوتاہبینی کے جال میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ ارسطو[1] غالباً پہلا مفکر تھا جس نے انسان کو انسانی خوف سے نجات دلانے کے مسئلہ پر غور کیا۔ اور اس کے بعد موجودہ مجلس اقوام متحدہ کے قیام تک انسانی فکر نے متعدد کوششیں اس بارے میں کیں۔ لیکن مسئلے کے حل کا دریافت ہونا تو کجا، اس کی شدت میں ہر نوبت پر اضافہ ہی ہوتا رہا۔ 1920ء میں لیگ آف نیشنز کی بنیاد رکھی گئی جو دور حاضر میں پہلا بین الاقوامی ادارہ تھا لیکن انفرادی اغراض بین الاقوامی مقاصد پر اس طرح چھا گئے کہ صرف پندرہ سال کی قلیل مدت میں یہ ادارہ بالکل بے اثر ہو گیا اور دوسری جنگ عظیم کو جنم دے کر خود فنا کے گھاٹ اتر گیا۔ اور آج مجلس اقوام متحدہ کے مجہول نظام نے نوع انسانی کو ایک وحشتناک جوہری اور خلائی جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ مادہ اندر ہی اندر پکتا جا رہا ہے اور اس مقام اور اس وقت کا تعین مشکل معلوم ہوتا ہے جب کہ یہ کوہ آتش فشاں پھوٹ پڑے گا اور اپنے جلتے ہوئے لاوے کے سیلاب میں انسانی تہذیب و تمدن کی ساری متاع کو بہا لے جائے گا۔

چنانچہ آج ساری دنیا پریشان ہے۔ مسائل کی الجھنیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ چین و سکون میسر نہیں ہے۔ لڑائیاں، جھگڑے اور فسادات ہیں، طبقے، جماعتیں، فرقے باہم دست و گریبان ہیں۔ فطرت کی طاقتوں پر انسان کی حکومت محض تخریب کا ذریعہ بن گئی ہے۔ نوع انسانی اندھیروں میں ڈوب گئی ہے۔ اس لئے آج الوہی روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

ان حالات میں وہی تعلیم، وہی تجویز اور وہی پروگرام انسان کے لئے باعث رحمت ہو سکتا ہے جو اس کے سب سے بڑے مسئلے "خوف و غم" کا صحیح اور قابل عمل حل پیش کر سکے۔ اس لحاظ سے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا سرور کائنات ﷺ نے نوع انسانی کے اس درد کی کوئی تشخیص کی ہے؟ اور کیا اس کے لئے کوئی دوا تجویز فرمائی ہے؟

---

[1] Encyclopaedia Americana Vol 20 (page 291)

حصہ اوّل
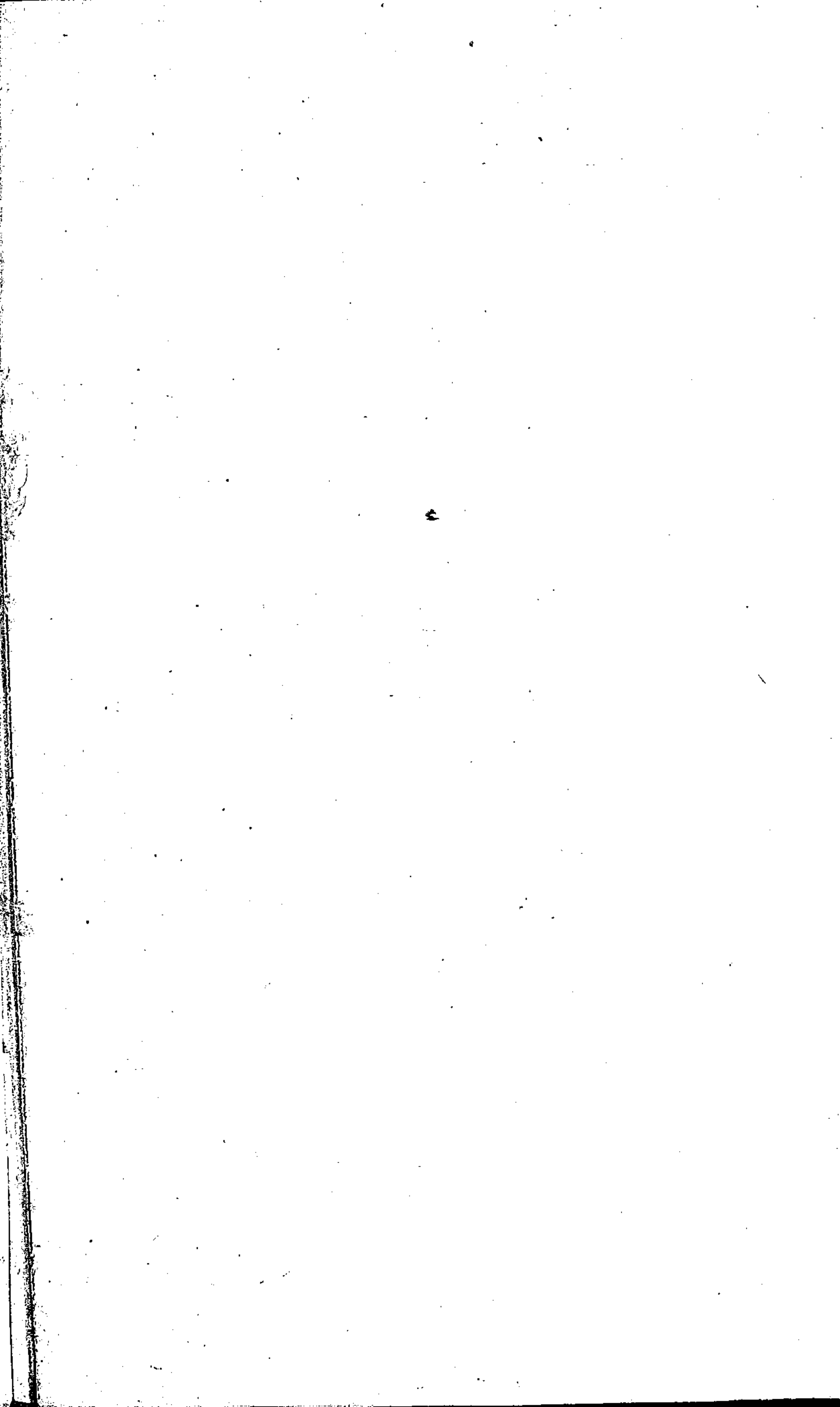
پس منظر

پس منظر

دنیا کی اخلاقی حالت

ہر اصلاحی تحریک کی اہمیت اور وقعت کا اندازہ اس عہد کی گمراہی اور بے راہروی کی شدت کے پس منظر میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ سخت اندھیری رات میں بجلی کی چمک کی تابناکی کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور جب شدید گرمی پڑے تو بارش کی خنکی کا احساس ہو سکتا ہے بالکل اسی طرح سرورِ دو عالم ﷺ کی تعلیم کی گہرائی اور افادیت کے تخمینے کے لئے آپ کی بعثت سے پہلے کے حالات پر نظر ڈالنا بھی ضروری ہے۔

استبداد

تاریخ [1] سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت سرورِ دو جہاں ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، سارا عالم ظلم و استبداد کے عذاب میں مبتلا تھا۔ وحشت و جہالت کا دور دورہ تھا۔ بہیمانہ طاقت کی حکومت تھی۔ میزانِ عدل ٹوٹ چکا تھا۔ انسانیت زخموں سے چور چور تھی۔ غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ بے رحم بادشاہت تھی، ظالم امارت تھی۔ ان کے خونی ہاتھوں نے اطاعت گزاروں کی گردنیں دبوچی ہوئی تھیں۔ حاکم بے ضمیر تھے ان کی زندگی کا مقصد نفس پرستی اور بوالہوسی کے سوا کچھ نہ تھا۔ نسلِ انسانی گرفتارِ بلا و عذاب تھی۔ عقل گرفتار تھی۔ جسم گرفتار تھا۔ غاصبانہ ذہنیت تھی، غلامانہ عقیدت تھی۔

بادشاہ اور رؤسا اپنی اپنی استحصالی اور استبدادی کارروائیوں میں جھوٹے خداؤں کا روپ دھار رہے تھے۔ **اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ** بنے بیٹھے تھے۔ ان کے وحشیانہ چنگل میں عوام بالکل بے بس اور بے حس تھے۔ اللہ کی اطاعت نابود تھی۔ ایمان و صداقت کا تصور مفقود تھا۔ واقعات اور مقدمات کا فیصلہ سلاطین اور امراء کے محض اشاروں پر ہوتا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے بادشاہ کی ذات ہر عیب سے پاک سمجھی جاتی تھی۔ وہ قانون اور اخلاق سے بالاتر ہوتا تھا۔ فراعنہ مصر کو تو دیوتا تصور کیا جاتا تھا۔ روم کے قیصر اور ایران کے کسریٰ بھی

---

1 Amir Ali. The Spirit of Islam Page 1 to xvii

مافوق البشر شمار کئے جاتے تھے۔

ایران و روم [1]

عرب سے متصل دو سوپر سلطنتیں ایران و روم کی تھیں۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت یہ دونوں اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے رو بہ زوال ہو چکی تھیں اُن کی باہمی مسلسل جنگوں اور رقابتوں نے انسانیت کو نڈھال کر دیا تھا۔ تہذیب و تمدن کو غارت کر دیا تھا۔ انسانی متاع کو پامال کر دیا تھا۔ انہوں نے دنیوی زندگی ہی کو مقصد حیات بنا لیا تھا۔ ان کے اہل ثروت اور اہل حکومت عیاشی اور تن پرستی میں محو تھے۔ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کاشت کاروں، صناعوں اور تاجروں پر نئے نئے ٹیکس لگائے جاتے تھے۔ اور ان کی وصولیابی کے لئے ظلم و ستم ڈھائے چلے جاتے تھے۔ اس اقتصادی بدحالی میں لوگ ٹیکس ادا کرنے اور اہل و عیال کا پیٹ پالنے کے سوا کسی اور مسئلے کی بابت سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ ان کے ذہن ماؤف ہو چکے تھے۔ [2]

روم و ایران میں ایک عرصے تک شہنشاہیت قائم رہی۔ چنانچہ لوگوں نے عروج کے زمانہ میں امراء اور روسا کے عادات و اطوار کو اپنایا۔ تعیّشات میں غلو کر گئے۔ آخرت کو پس پشت ڈال دیا۔ عیاشی نظریہ حیات بن گئی۔ اس کے باعث عام تمدن اور معاشرت میں ایک لاعلاج روگ پیدا ہوا۔ ہر طبقے میں یہ مرض پھیل گیا۔ اس کے نتیجے میں لوگ طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ تعیّشات کے لئے بادشاہوں نے رعایا اور تجار پر اور امراء نے اپنی اسامیوں پر بھاری ٹیکس لگائے۔ غریب، غریب تر ہوتے گئے۔ مفلوک الحال بغاوت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سرکاری عہدیدار بھی اسی راستے پر چل پڑے تھے۔ ان کے سامنے حکومت کو احسن طریقے پر چلانے کا کوئی آئیڈیل نہیں تھا۔ بلکہ پیسہ بٹورنا معیار زندگی کو بلند سے بلند تر کرنا ہی ان کی زندگی کا نصب العین تھا"۔ (حجتہ اللہ البالغہ)

ایران کے حالات پہلے ہی خراب تھے اور ان حالات میں جب مزدک [3] نے جنم لیا تو انسانی

---

1. Decline & Fall of the Roman Empire. Vol. 1. (Page 53 & 54)
2. Decline & fall of the Roman Empire, Vol. 7, Page 2950 to 2960
3. Encyclopaedia Britinica, Vol. 7 (Page 981)

اخلاق کا وہاں سے جنازہ نکل گیا۔ مزدک کی تعلیم نے دولت اور عورت کو تمام معاشرے کے لئے مشترک قرار دیا اور عیش پرستی اور بوالہوسی کو تمام اخلاقی قدروں پر غالب کر دیا۔ سارا ملک عیاشی، بے حیائی اور عریانی کی موجوں میں بہہ گیا۔

اس طرح بعثت رسول ﷺ سے قبل کا ایران خیر و شر، نیکی و بدی کے تصورات سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ وہاں یزداں کے ساتھ اہرمن کی بھی حکومت تھی جن کے درمیان مزدکیوں کے عقائد کے مطابق مسلسل تصادم جاری تھا۔ ان حالات میں روحانی امن و امان کی دنیا تباہ ہو چکی تھی۔ انسانیت چین و سکون سے محروم ہو گئی تھی۔

زرتشت [1] نے ایران میں ایک آگ جلائی تھی اور تاریکیوں کو رفع کرنے کی سعی کی تھی۔ لیکن وہ آگ بھی انسانی خون کی لہروں میں سرد پڑ چکی تھی۔ [2] زرتشت کی کتاب "اوستا" ناپید ہو چکی تھی۔ زرتشتیوں اور مزدکیوں کے درمیان شدید جنگوں میں ضائع ہو چکی تھی۔

عیسائی روم [3]

یہ سلطنت بھی روبہ زوال تھی۔ پال جو ایک یہودی تھا اور عیسائی بن گیا تھا، عیسائیت کو اپنی بدعات کے ڈھیر میں دفن کر چکا تھا۔ پال [4] ہی نے باپ، بیٹے اور روح القدس کا مشرکانہ عقیدہ اس میں داخل کر دیا تھا۔ اس نے تورات کو لعنت قرار دیا تھا جس کو خود حضرت عیسیٰؑ نے تحفظ دیا تھا۔ اس صورت حال نے متعدد فرقے پیدا کر دیئے تھے [5] جن کے درمیان مناظروں کے ساتھ ساتھ سخت خونریزی بھی شروع ہو گئی تھی۔

روم میں اس مذہبی جنون کے ساتھ ساتھ خانہ جنگیاں بھی ہو رہی تھیں۔ فرقوں اور جماعتوں نے فتنہ و فساد کا بازار گرم کر رکھا تھا اور عظیم سلطنت روما تقسیم ہو گئی تھی اور اپنے زوال کے آخری دور میں داخل ہو چکی تھی۔ یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی جہاں رومیوں کے زیر اثر عیسائیت پھیلی ہوئی تھی۔ [6]

---

1. Encyclopaedia Britinica. Vol.29(Pages 1078 to 1083)
2. The Spirit of Islam. Page 24
3. Ferrar. Early Days of Chrisinaity. (Pages 488&489)
4. The Spirit of Islam. Page 38.
5. Encylopaedia of Religions & Ethics. V.2 P.289
6. Decline & Fall of the Roman Empire. Vol.7 (Pages 295to299)

عیسائیت نے زندگی کو لعنت تو نہیں قرار دیا لیکن اس کے اس تصور نے کہ ہر انسان اپنے باپ آدمؑ کی گنہگاری کے باعث پیدائشی گنہگار ہے نوع انسانی کے حوصلوں کو پست کر دیا۔ اور تمدن کے ارتقا کو روک دیا۔ بدھ مت کی طرح اس نے بھی خانقاہی زندگی کو اپنایا، رہبانیت کو فروغ دیا۔ ازدواجی زندگی سے اجتناب کی دعوت دی جس کے سبب سے معاشرے میں بڑی خرابیاں پیدا ہوئیں۔

ہندوستان

نوع انسانی کو ہندوستان میں چار ذاتوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ برہمن، کھتری، ویش اور شودر۔ برہمن کا درجہ سب سے بلند ہے کیونکہ ہندو مت کی رو سے وہ شکم مادر ہی سے "پاک" پیدا ہوتا ہے۔ وہ قانون سے بالاتر ہوتا ہے۔ برہمن کے بعد کھتری کا درجہ ہے جو امور سلطنت کی انجام دہی اور دفاع کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ویش تیسرے درجے پر ہے۔ وہ تجارت اور صنعت کا انچارج ہوتا ہے۔ سب سے نیچے شودر یا اچھوت ہوتا ہے......[1] اچھوت اوپر والی تین ذاتوں کا غلام اور تختہ مشق ستم ہوتا ہے۔ ہندو مت کی رو سے وہ پیدائشی نجس اور سخت ناپاک ہوتا ہے۔ اس کا سایہ بھی اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کو ناپاک کر دیتا ہے۔ اس کی آبادی الگ ہوتی ہے پانی بھرنے کے کنوئیں بھی الگ اور عبادت کے لئے مندر بھی علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس کو علم حاصل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر وہ مذہبی کتاب سن پائے تو ہندو مت اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دینے کا حکم دیتا ہے۔[2]

اس ملک کی اخلاقیات کا ایک تاریک دور چھٹی صدی عیسوی سے شروع ہوا جب وید یا گوتم بدھ کی بجائے پرانوں کی ہدایات پر عمل ہونے لگا۔ ویدوں میں صرف بتیس دیوتاؤں کا ذکر ہے لیکن پرانوں نے تیئس کروڑ دیوتاؤں کے تصور کو انسان کے ذہن پر مسلط کیا ہے۔

برہمنیت ایک خدا کو مانتی ہے لیکن خدا کے مظاہر کی پوجا بھی جزو ایمان سمجھتی ہے۔ ان

۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ خطبات مدراس ص 157

Radha Krishnan- Indian Philosophy. (Pages 111 to 113 & 125 & 428)

۲۔ ہاشمی۔ تاریخ ہند ص ۶۹

مظاہر کی تعداد کروڑوں میں ہے۔ ان سب میں گائے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جس کو تمام دیوتاؤں کی سردار سمجھا جاتا ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے ناگ، بچھو، بندر، کوے اور دریاؤں کے سنگم کی بھی پوجا لازمی ہے۔ درختوں، پہاڑوں، پتھروں کو سجدہ کرنا بھی ضروری ہے اور سورج، چاند، ستاروں کے سامنے جبین نیاز رکھ دینا بھی عین عبادت ہے۔[۳]

ہندوؤں کے مندر بداخلاقی کے اڈے بنے ہوئے تھے۔ مندر کے پجاری اور محافظ دیوتاؤں کے نام پر لوگوں کو لوٹتے تھے۔ عورتوں کا استحصال کرتے تھے۔ عورتیں محکوم تھیں۔ وہ جوئے میں ہاری اور جیتی جاتی تھیں۔ ستی کی رسم عام تھی۔ راجاؤں کے لئے بیویوں کی کوئی حد نہیں تھی۔

شراب خواری عام تھی۔ عام انسان توہمات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور اخلاقی بے راہروی اپنی ہر شکل میں ہندو معاشرے کی رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔[۱]

بدھ مت

اس کا آغاز ہندو بت پرستی کے خلاف ایک زبردست چیلنج تھا۔[۲] دراصل یہ کوئی نیا مذہب نہیں تھا بلکہ بت شکنی کا ایک اصلاحی پروگرام تھا۔ گوتم بدھ خدا کے بارے میں خاموش ہے۔ البتہ نجات کے لئے ترک دنیا اور نفس کشی کی تلقین کرتا ہے۔[۳] اس نے بت شکنی کی تعلیم دی ہے۔ لیکن قسمت کی ستم ظریفی ہے کہ گوتم کے پیروؤں نے خود اس کے بت تراشنا شروع کر دیئے تھے۔ انہوں نے خدا کے تصور کی خالی مسند بہت جلد بھر دی۔ انہوں نے اس مسند کو خالی دیکھا تو خود گوتم بدھ کو وہاں لا کر بٹھا دیا۔ اور پھر اس نئے معبود کی پرستش اس جوش و خروش کے ساتھ شروع کی کہ آدھی سے زیادہ دنیا اس کے بتوں سے معمور ہو گئی۔ یہ مذہب ہندوستان اور چین کے بڑے حصے میں پھیل گیا اور ظہور اسلام تک دنیا کا ایک بڑا مذہب بن گیا۔

---

۳ خطبات مدارس ص ۱۵۲

۱ The Spirit of Islam. Pages 28 & 29

۲ انڈین فلاسفی ص ۳۵۴-۴۳۸

۳ Viana Texts. Vol. 1 Pages 94 to 97

بدھ مت نے رہبانیت کا بہت پرچار کیا اور ''نروان'' یعنی فنائے کامل کو مقصود حیات قرار دیا۔ اس نے ایک نہایت وسیع خانقاہی نظام رائج کیا جس کے باعث کثیر تعداد میں لوگ خانقاہوں، جنگلوں اور پہاڑوں میں گوشہ نشین ہو گئے اور نفس کشی کو ذریعہ نجات سمجھنے لگے۔ انہوں نے اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو جو نوع انسانی کی فلاح اور ترقی کے لئے استعمال ہو سکتی تھیں ضائع کر دیا اور صرف مراقبہ اور ترک دنیا ہی کو اپنا شعار بنا لیا۔

دراصل ہندو مت کے خود غرض اور نفس پرست پروہتوں کے خلاف اندر ہی اندر مادہ پکتا رہا۔ بدھ مت اور جین مت نے ان کے اقتدار کے خلاف احتجاج کیا۔ یہ دونوں مذاہب کائنات پر خدا کے اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق فرد کی زندگی بالآخر معدوم ہو جائیگی اور زندگی کا معدوم ہو جانا اچھے کاموں ہی کی بدولت ممکن ہے۔ اس کے باوجود جین مت، ہندو مت سے منسلک رہا اور بالآخر ہندو مت ہی میں جذب ہو گیا اور اس کا ایک فرقہ بن گیا۔ لیکن بدھ مت نے ایک نیا نظام تشکیل دیا اور رہبانیت کو نجات کا واحد ذریعہ قرار دیا اس نے موت کے بعد کی تقدیر کا ایک دھندلا سا خاکہ دنیا کے سامنے پیش کیا جس میں دنیا اور آخرت میں جزا اور سزا کا تصور نہایت مبہم اور ناقبل یقین ہے۔ چنانچہ عام ذہن نے اس تصور کو قبول نہیں کیا اور اسی سبب سے یہ مذہب ایک ولولہ انگیز نظام حیات کی حیثیت سے ابھر نہ سکا اور بالاخر برہمنی انتقام کا شکار ہو گیا۔ [1] بلاشبہ بدھ مت اپنے عروج کے زمانہ میں ہندو معاشرے پر بڑی حد تک غالب آ گیا تھا لیکن ہندو مت کی جڑیں برہمن کے دل میں موجود تھیں۔ اس کی چنگاریاں راکھ میں دبی ہوئی زندہ تھیں۔ چنانچہ بدھ مت کے زوال کے ساتھ ساتھ کشمکش تیز تر ہوتی گئی یہاں تک کہ برہمنیت ایک مرتبہ پھر غالب [2] آ گئی۔ ہندوستان میں بدھ مت کے آثار تو باقی رہ گئے۔ لیکن اس کے پیروؤں کی تعداد برائے نام رہ گئی۔

یہودیت [3]

سام کی اولاد میں سب سے پہلے یہودی کلام الٰہی کے امانت دار بنے۔ لیکن انہوں نے

۱۔ Great Religions of Modern World. Page 91.
۲۔ India & china. Page 48.
۳۔ Encyclopaedia of Religions and Ethics. Vol. 7 Pages 581 to 583

اس امانت میں بالآخر خیانت کی۔ اسی لئے قرآن پاک نے ان سے کہا کہ تم کیونکر پیغام الٰہی سے بغاوت کر رہے ہو؟

وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ ۖ (البقرہ :41)

"اور سب سے پہلے تم ہی پیغام الٰہی کے منکر نہ بنو"۔

یہودی ابتدا ہی سے بہت سنگدل واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا، اذیتیں دیں، قتل کیا۔ کئی پیغمبروں نے اسی وجہ سے ان کو بد دعائیں دیں اور قرآن نے ان کی سنگدلی کی تصدیق کی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِىَ كَٱلْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ

(البقرہ: 74)

"پھر تمہارے دل سخت ہو گئے۔ پتھر بن گئے بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت"۔

قتل و خونریزی ان کی عادت تھی۔ کمزوروں کا استحصال ان کا پیشہ تھا۔ اس کے باوجود وہ خود کو خدا کا رشتہ دار اور اہل خاندان سمجھتے تھے اور نبوت و رسالت کی اجارہ داری کو اپنا حق قرار دیتے تھے۔ ان کے علماء ضمیر فروش تھے، پیسوں کی خاطر دولت مندوں کے مفاد کے لئے احکام الٰہی کی غلط تعبیر کیا کرتے تھے۔ اور توریت کی آیات میں تحریف کر کے اپنے مطلب کی بات گھڑ لیتے تھے اور ان میں جو ان پڑھ تھے وہ سنے سنائے قصوں اور افسانوں پر یقین رکھتے تھے۔ اوہام اور خرافات پر، تعویذ اور گنڈوں پر یقین کرتے تھے۔

مال و دولت کی محبت میں وہ اندھے ہو گئے تھے۔ سودی لین دین ان کا پیشہ تھا۔ بھاری شرح سود سے لوگوں کو تباہ کر دیتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے غیض و غضب کے سزاوار قرار دیئے گئے تھے۔

انحطاط فکر

ان سارے حالات کا لازمی نتیجہ انحطاط فکر تھا۔ تمام مہذب دنیا کا سیاسی، معاشی، تمدنی نظام ابتر ہو چکا تھا۔ اونچے طبقات میں عیش و عشرت کو فن لطیف کا درجہ حاصل تھا اور روحانی فلاح کا ہر صحت مند تصور زنگ آلود ہو گیا تھا۔ دوسری طرف غریب اور مفلوک

الحال طبقات مصیبتوں اور محرومیوں میں گھرے ہوئے تھے۔ اور زندگی کو عذاب اور لعنت سمجھنے لگے تھے۔ وہ تہذیب و تمدن سے متنفر ہو گئے تھے زندگی کی کشمکش سے فرار چاہتے تھے اور اس غرض کے لئے ترک دنیا، ریاضت اور تپسیا میں پناہ حاصل کرتے جا رہے تھے یہ ساری خرابیاں اسی فکری انحطاط کا نتیجہ تھیں جو اس وقت انسانیت پر طاری تھا۔ اس انحطاط میں افلاطون کے فلسفے، ہندو مت کے نظریات اور بدھ مت کی تعلیمات کا بڑا حصہ تھا۔

نوافلاطونی نظام فکر [1]

یہ نظام فکر ان تمام محرکات کا ماحصل تھا۔ چنانچہ یہ نظام انسانی ذہن پر حاوی ہو گیا۔ عیسائیت پر اس کا رنگ چڑھ گیا اور بڑے بڑے مفکر اور دانشور بھی اس سے متاثر ہوتے چلے گئے۔ یہ فلسفہ دنیا اور انسان کی حقیقت کا منکر تھا۔ مراقبہ اور کشف کو ادراک حقیقت کا واحد ذریعہ سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک حقیقت کا علم عقل سے نہیں بلکہ صرف کشف سے ممکن تھا۔ اس نے "فنا فی اللہ" کا ایک مہمل نظریہ پیش کیا جس کے باعث لوگوں نے کشمکش اور انقلاب کی راہ ترک کی اور تزکیہ نفس کے مجہول طریقے کو زندگی کا ماحصل قرار دیا۔ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں متحرک اسلامی تہذیب و تمدن پر بھی اس کی زد پڑی اور مسلمانوں کی جہد مسلسل کی روح بھی متاثر ہوئی۔ اس فلسفے نے انسانی تجربہ کو مسترد کر دیا۔ جزئیات سے کلیات تک پہنچنے کے فطری اصول کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کشف کے ذریعے ایک ہی جست میں حقیقت کلی کے ادراک کا داعی بن گیا شریعت اور طریقت کے جھگڑے اسی فلسفے کا شاخسانہ ہیں......!

اس فلسفے کے مطابق حسن، نیکی، عدل اور دوسرے اخلاقی تصورات کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ اخلاق کا سارا تعلق ہماری مادی حس اور معاشرتی زندگی سے ہے۔ اسی کی بدولت معاشرے میں اصلاح کی جاتی ہے اور ناانصافیوں کا سد باب ہو جاتا ہے۔

---

1. Decline & Fall of the Roman Empire. Vol. 1 Page 392
The Spirit of Islam Page XIV

عرب[1]

ظہور اسلام کے وقت عرب جاہلیت کی انتہا پر تھے۔ وہ اپنی جاہلیت پر فخر کرتے تھے۔ اپنی نسل پر غرور کرتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر خونریزی پر اتر آتے تھے اور ہر خونریزی نسلاً بعد نسل جاری رہتی تھی۔ شراب خواری اور قمار بازی کا رواج عام تھا۔ اہل ثروت سودی کاروبار کرتے تھے۔ اکثر قبائل کا پیشہ ہی رہزنی تھا۔ عہد جاہلیت میں اس پیشہ کو بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ بدکاری اور فسق و فجور عام تھا۔ دشمن پر انتہائی ظلم روا رکھا جاتا تھا۔ لڑائی میں دشمن کی حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کئے جاتے تھے۔ مقتولین کی ناک اور کان کاٹ لئے جاتے تھے اور ان کے ہار بنا کر پہنے جاتے تھے۔ عورتوں پر زندگی تنگ تھی۔ عورت بدترین مخلوق سمجھی جاتی تھی اور ظلم و ستم کا تختہ مشق بنی ہوئی تھی۔ دختر کشی کی رسم بھی عام تھی[2]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم کی بدولت عرب ایک خدائے برتر کو ماننے لگے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ بتوں کی پرستش کرنے لگے تھے۔ ظہور اسلام سے بہت پہلے ہی شرک کا اعتقاد جڑیں پکڑ چکا تھا۔ جنوں اور فرشتوں کو بھی خدا کا رشتہ دار سمجھا جاتا تھا۔ بتوں پر جانوروں کے علاوہ انسان کی بھی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ توہم پرستی جزو زندگی تھی۔ ستاروں کی پرستش بھی بکثرت ہوتی تھی۔

عرب میں کوئی ریاست یا بادشاہت نہیں تھی۔ اس لئے وہاں کوئی قانون بھی نہیں تھا۔ افسری اور ماتحتی، بالادستی اور زیردستی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ طاقت صرف قبیلے کے سردار کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ اس کی سرداری میں قبیلے کا ہر خاندان اور ہر خاندان کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ آزاد ہوتا تھا۔

دنیا کے یہ حالات ظہور اسلام سے پہلے تھے۔ حرص و طمع کی گرم بازاری تھی۔ خون انسانی کی ارزانی تھی۔ عدل و راستی کی پامالی تھی۔ انسانی شیرازہ کی پراگندگی تھی۔ باجبروت سلطنتوں کی عظمت قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ کفر کی یورش تھی اور توحید نرغے میں تھی۔ دنیا کی خوشی مرجھا گئی تھی۔ زندگی کی حقیقت کملا گئی تھی۔ زمین کے بسنے والے خدا کی رحمت سے

---

[1] The Spirit of Islam Page Lxv [2] The Spirit of Islam XV to LXVII

دور نکل گئے تھے۔اس کے جمال سے ایک بار پھر محروم ہو گئے تھے۔اس کے ساتھ اپنا رشتہ توڑ چکے تھے۔ سطح ارض پر اس کے جمال کا کوئی شیدائی نہیں تھا۔اس کا ڈھونڈنے والا کوئی نہیں تھا...... حالانکہ وہ خود چاہنے والوں کی تلاش میں رہتا ہے......! کبھی مرغان چمن اس کا پیام الفت دیتے ہیں۔ کبھی برگ لالہ پر اس کا پیغام محبت لکھ دیا جاتا ہے۔ فطرت کے سارے مظاہر اسی تلاش میں رہتے ہیں۔

ما از خدائے گم شدہ ایم او بجستجو ست
چوں ما نیاز مند و گرفتار آرزو ست
گاہے بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش
گاہے درون سینۂ مرغاں بہ ہاؤ ہوست [1]

لیکن حقیقت ازلی کی تلاش سے انسان منہ موڑ چکا تھا۔ایسی تلاش عشق کے بغیر ممکن نہیں ہے اور عشق کے لئے دل بیتاب کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ خدا جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے جب دنیا میں آتا ہے تو اپنے بسنے کے لئے ایک گھر چاہتا ہے۔ محبت سے دھڑکتے ہوئے دل کا آرزومند ہوتا ہے۔ایسے ہی دل بیتاب کی دعوت پر وہ دنیا میں آتا ہے!

برتر ز ہزار پارسائی
قدمے بطریقِ آشنائی
در سینہء من دمے بآسائے
از محنت و کلفتِ خدائی [2]

بادشاہوں کے محل اس کو پسند نہیں آتے۔ شہنشاہوں کے تخت زمرد اس کا کاشانہ نہیں بن سکتے۔وہ تو فقط خاک نشینوں کے دل بے قرار ہی میں اپنے لئے محل تعمیر کر لیتا ہے.....!

ایک آواز

اس عالم حسرت ویاس میں ناگاہ سر زمین مکہ میں ایک دل بیتاب سے آواز بلند ہوتی ہے۔

---

[1] اقبال ۔ زبور عجم ص ۱۳۲ [2] اقبال ۔ زبور عجم ص ۵۰

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ

(ال عمران: 63)

”اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں“۔

یہ آواز کرۂ ارض پر بسنے والی مظلوم و بے چین نوع انسانی کے لئے پیامِ نجات اور نوید امن لے کر آتی ہے۔ اللہ کی روٹھی ہوئی رحمت پھر لوٹ آتی ہے۔ اس کا جمال پھر بے حجاب ہو جاتا ہے۔ خوف و غم کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ حقارت اور غلامی کی زنجیریں کٹ جاتی ہیں۔ توحید، عبدیت، حریت، احترام، مساوات اور انصاف کی روشنی ساری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ بادشاہ تختِ شاہی سے اتر جاتے ہیں۔ شہنشاہوں کا جلال پگھل جاتا ہے اور عام انسان غلامی و بے کسی سے بلند ہو کر قیصر و کسریٰ کے ہمسر ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں بگڑی ہوئی دنیا پھر سنورتی ہے۔ مردہ انسانیت پھر زندہ ہوتی ہے۔ خدا کے نور سے پھر جگمگانے لگتی ہے۔ اور اس طرح انسانی زندگی کا عظیم ترین انقلاب برپا ہو جاتا ہے!!

عظیم ترین انقلاب

یہ تاریخ کا سب سے اہم انقلاب تھا۔ اس کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ کرنا انسانی بس کی بات نہیں ہے۔ چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ عقل انسانی اس عظیم الشان انقلاب کے اثرات کا سراغ لگانے میں مصروف رہی ہے۔ مگر اس کا احاطہ ہنوز ناممکن ہے۔ اس غرض کے لئے سمندروں کو اگر ایک دوات میں اور دریاؤں کو ایک قطرے میں بند کیا جاسکے تو شاید اس کی وسعت اور عظمت کی کوئی تصویر کشی ہو سکے۔

رحمت للعالمین ﷺ

اس انقلاب کی ماہیت کو سمجھنے کے لئے بانی انقلاب سرور کائنات ﷺ کی شخصیت پر چند اہم زاویوں سے نظر ڈالنے اور چند مستند معیاروں سے آپ ﷺ کی رحمتوں اور برکتوں کو پرکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ زاویئے اور یہ معیار خود قرآن مجید سے اخذ کئے جاسکتے ہیں سورۂ انبیاء میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (الانبیا : 107)

"(اے پیغمبر!) ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لئے کہ تمام عالمین کے لئے رحمت کا ظہور ہو!"

یعنی رحمت للعالمینی بانیء انقلاب کا ایک معیار قرار دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا برپا کیا ہوا انقلاب سراسر رحمت بن گیا ہے۔ یہ انقلاب تمام نوع انسانی، تمام کائنات کے لئے رحمت ہے۔ مشرق و مغرب کے لئے رحمت ہے۔ تمام اقوام عالم کے لئے رحمت ہے۔ انسانی معاشرے کے تمام طبقات کے لئے رحمت ہے۔ انسان کے جسم، اس کی روح، اس کی سیاست و معیشت اس کے اخلاق و معاشرت کے لئے اللہ کی طرف سے رحمت کا اعلان حق ہے۔ تاریخ نے اپنے ہر باب میں اس اعلان پر مہر صداقت ثبت کی ہے!

پیام نجات

بانی انقلاب کو پرکھنے کا دوسرا معیار قرآن کے سورۂ اعراف میں درج ہے۔ فرمایا گیا کہ:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف : 157)

ترجمہ: ''اوران پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جوان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے''۔

''اغلال'' سے مراد وہ لوگ ہیں جو محنت ومشقت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ شدائد اور سختیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ خوف، غم، بھوک کی مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ جہالت کی تاریکیوں میں محصور ہوتے ہیں۔ ان کے پاؤں میں طرح طرح کی بیڑیاں ہوتی ہیں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور گلے میں طوق ہوتے ہیں۔ سخت الجھے ہوئے پھندوں میں وہ پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔

قبل از ظہور اسلام انسانوں کی یہی حالت تھی۔ نوع انسانی شدید اعصابی تناؤ میں مبتلا تھی۔ اس کی گردن میں پھندے تھے۔ کتنی ہی زنجیریں تھیں جن میں وہ جکڑی ہوئی تھی۔ اس کے سر پر پہاڑوں کے سے بوجھ تھے۔ خوف اور غم کے پہاڑوں سے اس کی کمر دوتہہ ہوئی جاتی تھی۔ بھوک اور جہالت کی شدت اس کی تقدیر بن چکی تھی۔

اس بے حسی اور لاچاری کے عالم میں فاران کی چوٹیوں سے ایک انقلاب کی روشنی نمودار ہوتی ہے جو کرہ ارض پر بسنے والی مظلوم نوع انسانی کے لئے پیام نجات ثابت ہوتی ہے!

''رحمت'' اور ''نجات'' یہ دو معیار ہیں جن کے پس منظر میں اس کتاب کے موضوع پر گفتگو کی جائے گی اور اس بارے میں دلائل اور تاریخ کے فیصلوں کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت کے وقت نسل انسانی کی بعینہ وہی حالت تھی جو قرآن مجید نے چند لفظوں میں بیان کی ہے۔ ہم نے پچھلے صفحات میں اس حالت کا سرسری جائزہ لیا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بادشاہوں کے بے لگام اقتدار اور امراء کے بے رحم اختیار نے انسان کے جسم اور روح، ذہن اور فکر کو بری طرح جکڑ رکھا تھا۔ انسانی سیاست، معیشت، معاشرت، مذہب عدالت اور ہر شعبہ حیات میں مکمل جابرانہ نظام نافذ تھا۔ ضمیر مردہ ہو چکا تھا۔ نیکی کا نام باقی نہیں تھا۔ عقل اور فہم پر جہالت، خوف، ظلم، جبر اور وہم کے پردے پڑے

ہوئے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے میں فطری آزادیاں مفقود تھیں۔ ذہنی ارتقااور عقلی نشوونما کا عمل جامد ہو گیا تھااور وحشت و بربریت اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ حیات انسانی پر مسلط ہو چکی تھی۔ خوف وہراس ناکامی اور نامرادی کے گھناؤنے سائے انسانی شعور کے طول اور عرض پر پھیل گئے تھے!

لیکن اس تاریکی میں قدرت کے چمکیلے ہاتھ درد و کرب میں ڈوبی ہوئی انسانیت کی مدد کے لئے ابھرتے ہیں۔ اللہ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ظہور ہوتا ہے۔ سب کو پیام رحمت ملتا ہے۔ انقلاب کی موجیں بلند ہوتی ہیں اور خوف و غم، ظلم و استبداد، شرک و کفر کو تنکوں کی طرح بہالے جاتی ہیں۔ اس سے پہلے ہر صبح سورج کی ہر کرن انسان کے لئے نت نئے ظلم کی خبر لاتی تھی۔ اب اس کی ہر شعاع دامن انسانیت کو امن و سکون، راحت و مسرت، آزادی اور حریت کی متاع بے بہا سے بھر دیتی ہے۔ غلامی کی زنجیریں کٹ جاتی ہیں۔ پیٹھ کا بوجھ گر جاتا ہے، ذہنی بندشیں اور فکری بندھنیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ نسلی غرور اور شخصی برتری کا تصور مٹ جاتا ہے۔ خوف اور غم کا ہر تصور تحلیل ہو جاتا ہے۔

بے مثال انقلاب

اسلام کا یہ انقلاب دنیا کے ہر انقلاب سے ممتاز تھا۔ یہ قومیت کا انقلاب نہیں تھا۔ حضور اکرم ﷺ اگر قومیت کا پرچم بلند کرتے تو آپ ﷺ کو بہت جلد کامیابی حاصل ہو سکتی تھی کیونکہ عرب کے زرخیز علاقے یعنی شام اور یمن علی الترتیب رومیوں اور ایرانیوں کے زیر اقتدار تھے اور باقی ملک تقریباً تمام کا تمام بنجر تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کی دعوت پر سارا ملک آپ ﷺ کے پرچم تلے متحد ہو جاتا اور آپکو کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ لیکن ایسی صورت میں عرب اگر رومی اور ایرانی شہنشاہیت سے آزاد ہو جاتے تو عربی قومیت کے طاغوت کے پنجے میں گرفتار ہو جاتے۔ اللہ کو یہ بات منظور نہیں تھی کیونکہ ہر ملک اللہ ہی کا ہے۔ ہر ملک پر اقتدار صرف اللہ ہی کا ہونا چاہئے۔

محض اقتصادی انقلاب کا نعرہ بھی آپ ﷺ نے نہیں لگایا۔ بلاشبہ ایسے انقلاب کے لئے حالات بہت سازگار تھے۔ غریب طبقہ دولت کی منصفانہ تقسیم سے بالکل ناآشنا تھا۔

طبقات میں بے حد تفاوت تھا۔ ایک نہایت مختصر سا طبقہ دولت کے بیشتر وسائل پر قابض تھا اور اکثریت مفلسوں اور ناداروں کی تھی۔اگر آپ ﷺ صرف طبقاتی کشمکش شروع کرتے تو غالب اکثریت بغیر کاوش کے آپ ﷺ کے ساتھ ہو جاتی لیکن دعوت اسلامی کے لئے یہ طریقہ بھی مضر ہوتا کیونکہ اجتماعی انصاف کا احساس صرف ایک ایسے نظریئے کی تخلیق سے ممکن ہے جو اللہ تعالیٰ کے اقتدار کامل کا علمبردار ہو اور صرف وحی کی روشنی میں تمام انسانی معاملات کے حل کرنے کا دعویدار ہو اور جس کا اثر معاشرے نے قبول کر لیا ہو۔اگر یہ بات نہ ہوتی تو طبقاتی تصادم شروع ہو جاتا جس کو اسلام کسی طرح پسند نہیں کرتا۔

آپ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز صرف اصلاح اخلاق کی مہم سے بھی نہیں کیا۔اس وقت عرب کی اخلاقی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ آپ چاہتے تو تمام نیک انسان بلا امتیاز مذہب آپ ﷺ کے ساتھ ہو جاتے لیکن آپ ﷺ نے اس طریقے کو بھی ناپسند فرمایا کیونکہ نظام اخلاق کی تطہیر و تعمیر کے لئے ایک ایسے نظام کی ضرورت ہوتی ہے جس میں اصلی طاقت کے سرچشمہ کو متعین کر لیا جاتا ہے۔یہی طاقت تمام اخلاقی اقدار کا ماخذ اور محافظ ہوتی ہے۔ایسی طاقت کی عدم موجودگی میں اقدار کا ہر نظام ہمیشہ بے اثر اور بے سہارا ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں تطہیر، احتساب اور انتظام کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

بنیاد

آپ ﷺ یہ بھی جانتے تھے کہ جس انقلاب کا مقصد صرف سیاسی ہو وہ سب سے زیادہ عارضی ہوتا ہے۔ محض حکومت کی تبدیلی انسانی ذہن اور معاشرہ میں تبدیلی نہیں لا سکتی۔ان حالات میں آپ ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال تک اپنی بیشتر توجہ دعوت توحید پر مرکوز رکھی اور جب یہ عقیدہ دل و دماغ میں راسخ ہو گیا اور لوگوں نے انسانی تشخص کو پہچان لیا اور اس کے نتیجے میں وہ ہر نوع غلامی سے آزاد ہو گئے تو آپ ﷺ نے معاشرت، معیشت، سیاست، عدالت کے مکمل نظام کو نافذ فرما دیا......اور پھر خدا کی زمین قیصر و کسریٰ کی لعنتوں سے پاک ہو گئی اور سارے عالم پر اللہ کی توحید کا پرچم لہرانے لگا!

انقلابات عالم

اس کے بعد اسلامی انقلاب تمام صحت مند انقلابات کی اساس بن گیا اور اس کے

اثرات دوررس عالمی تحریکات کے لئے چراغ راہ ثابت ہوئے۔ جدید علوم اور سائنس نے اسلامی انقلاب ہی سے فیض حاصل کیا۔ اس کا اثر جمہوریت، اشتمالیت اور اشتراکیت کی تحریکوں پر بھی پڑا اور آنے والے تمام اصلاحی انقلابات نے بھی اس پر صداقت کی مہر لگادی!

انوکھا انقلاب

عام طور پر انقلاب اس وقت برپا ہوتا ہے جب اس کے لئے زمین ہموار ہوتی ہے۔ حالات سازگار ہوتے ہیں۔ عوام کے ذہن کو اس کے لئے تیار کیا جاتا ہے اور مروجہ نظام کے خلاف کم از کم ایک طبقے میں بے چینی پیدا ہو چکی ہوتی ہے۔ ان حالات میں تبدیلی کی کوشش کامیاب ہو تو اسے انقلاب کہا جاتا ہے۔

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو اسلامی انقلاب دنیا کے تمام انقلابات سے بالکل مختلف اور ممتاز ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے نظام رائج الوقت میں بے چینی نہیں تھی۔ کسی انقلاب کے لئے زمین ہموار نہیں کی گئی تھی۔ اس کے لئے رسول اکرم ﷺ کا ایک بھی ہم خیال پہلے سے موجود نہیں تھا۔ اس انقلاب کا رخ زندگی کے کسی مخصوص پہلو کی طرف بھی نہیں تھا بلکہ انسان کی پوری زندگی کے ہر شعبے میں بنیادی اور اساسی تبدیلی لانا اس کا مقصد اور نصب العین تھا۔ یہ ایک عالمگیر اور ہمہ وقتی انقلاب مسلسل تھا۔

اس انقلاب کی ایک اور خصوصیت بھی ہے۔ دنیا کے تمام انقلابات کا محرک انسان کا ذہن رہا ہے لیکن اسلام کا انقلاب اللہ کی طرف سے تھا اور اسی کے نام پر برپا ہوا اسی لئے اس میں کوئی سقم نہیں ہے، کوئی جھول نہیں ہے اس کے بنیادی اصول ابدی اور لافانی ہیں جو ہر دور میں مسائل کے حل کے لئے راہیں کھولتے چلے جاتے ہیں، ہر زمانہ کو روشنی بخشتے چلے جاتے ہیں!

چوں کہن گردو نظامے در برش
می دہد قرآں نظامے دیگرش![1]

---

[1] اقبال۔ جاوید نامہ ص ۷۳

حصہ دوم

خوف اور غم

خوف و غم

قرآن حکیم نے سب سے نمایاں بات اہل ایمان کے بارے میں جو کی ہے وہ یہ ہے کہ:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (یونس : 62)

یعنی جو لوگ اللہ کے دوست ہوتے ہیں، اللہ پر جن کا ایمان مضبوط ہوتا ہے ان کے لئے اس دنیا میں نہ کسی قسم کا کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے سکون، راحت اور اطمینان قلب کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اولاد آدم کی ساری مصیبت کی داستان انہی دو لفظوں "خوف اور غم" میں سمٹی ہوئی ہے۔ ان دو باتوں سے جب رہائی ملتی ہے تو نعمتوں اور سعادتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ انسان کی انفرادی زندگی کی بے راہرویاں، اجتماعی زندگی کی تمام پیچیدگیاں، انسانی تاریخ کی ناکامیاں اور نامرادیاں ان ہی دو الفاظ میں پوشیدہ ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ایمان کی راہ اللہ کی دوستی کی طرف جاتی ہے۔ جس کے قدم اس راہ میں جم گئے اس کے لئے خوف کے نشتر، غم کے کانٹے بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اس کے سارے اندیشے رفع ہو جاتے ہیں۔ فلاح کے تمام راستے کھل جاتے ہیں۔ کوئی آزمائش، کوئی بلا، کوئی پریشانی اس کا راستہ نہیں روک سکتی......!

اے کہ در زندان غم باشی اسیر
از نبیؐ تعلیم لا تحزن بگیر
گر خدا داری ز غم آزاد شو
از خیال بیش و کم آزاد شو! [1]

حقیقت یہ ہے کہ جب خدا پر انسان کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے، خدا کی ذات پر ایقان کمزور پڑ جاتا ہے تو کئی جھوٹی قدریں خدائی روپ دھار کر اس کے دل میں داخل ہو جاتی ہے۔ ان خداؤں میں نفس امارہ کے مطالبات، مال و زر کی طمع اور تفاخر و تکاثر کے جذبات پیش پیش ہوتے ہیں اور انسان کو مغلوب کر لیتے ہیں، پھر ایسے انسان دولت کے حصول کی اندھی دوڑ

---

[1] اقبال۔ اسرار رموز ص ۱۰۹

میں لگ جاتے ہیں اور قبر میں جانے تک اسی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

اَلۡهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ (التکاثر 1-2)

"تم لوگ زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر میں ہوتے ہو، قبر میں جانے تک تم اسی فکر میں منہمک ہوتے ہو"۔

وہ لوگوں کے حقوق غصب کرتے ہیں۔لوگوں کو مسائل اور تکالیف میں الجھا دیتے ہیں۔اس غرض کے لئے تمام حرام اور انسانیت سوز ذرائع اختیار کرتے ہیں رشوت لیتے ہیں۔ ملاوٹ کرتے ہیں۔ سمگلنگ کرتے ہیں ڈاکے ڈالتے ہیں، قتل کرتے ہیں، ہیروئن بیچتے ہیں، اغواء کرتے ہیں ....دولت کو اس طرح سمیٹ کر اس کی نمائش کرتے ہیں پھر دولت ہی کے زور پر نظام سیاست، نظام معاشرت، نظام معیشت پر چھا جاتے ہیں اور نظام اخلاق کو جھنجوڑ کر رکھ دیتے ہیں اور اس میں فخر محسوس کرتے ہیں، طاغوت بن جاتے ہیں۔ نتیجتاً معاشرے میں خوف و غم کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ عام انسان بے بس ہو جاتا ہے، دکھوں میں گھر جاتا ہے، فاقہ کشی سے مضطرب ہو جاتا ہے اور جہالت کی تاریکیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ اور اندھیروں میں راستہ بھول کر بے راہ رو ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اللہ کی ذات پر انسان سچے دل سے ایمان لاتا ہے اور اللہ کا دوست بن جاتا ہے تو سارا انسانی معاشرہ اللہ ہی کا کنبہ بن جاتا ہے اور اللہ کے کنبہ میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوتی ہیں۔ نور ہی نور ہوتا ہے۔ انصاف اور عدل کا دور دورہ ہوتا ہے اس کنبہ میں استحصالی قوتوں کی جڑیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ امن و امان ہوتا ہے۔ جان و مال، عزت و آبرو محفوظ ہو جاتی ہے۔ ہر فرد ان حقوق کی ادائیگی میں خوشی محسوس کرتا ہے جو اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کے مال و دولت میں، اس کی صلاحیتوں کے ثمر میں لوگوں کے لئے مقرر فرما دیئے ہیں......!

توحید

نوع انسانی کا واسطہ ہمیشہ متعدد غیر اسلامی مذاہب سے بھی رہا ہے۔ ان مذاہب میں اگر ایک پہلو حق کا ہے تو دوسرا باطل کا بھی موجود ہے۔ اسلام کے سوا کوئی مذہب بھی انسانی مسائل کو توازن کے ساتھ حل کرنے کی صلاحیت اپنے اندر نہیں رکھتا۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو عقیدۂ توحید کی طاقت اور برکت سے بہ یک وقت متوازن مادی ترقی اور

اخلاقی و روحانی ارتقاء کی بھرپور ضمانت دیتا ہے۔ اجتماعی نظامات کی فلاح کے لئے اسلام خود انسان کے ضمیر میں اپنی بنیادیں تعمیر کرتا ہے۔ فرد کے لئے وہ وسیع میدان فراہم کرتا ہے جس میں خوف اور غم سے محفوظ ہو کر مادی اور روحانی ترقی کی جاسکتی ہے۔ اسلام زندگی کو ایک وحدت قرار دیتا ہے۔ اس کی نظر میں زندگی کے تمام پہلو، سیاست، معیشت، معاشرت، اخلاق، عبادت حیاتی وحدت کے ساتھ ایک ہی نظم میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور منسلک ہیں۔ اس طرح اسلام زندگی کے تمام مقاصد میں ترتیب قائم کر کے ان کو ہم آہنگ کر دیتا ہے اور خدائے برتر کی ذات سے وابستہ کر دیتا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ کسی عظیم تر ملت کی تعمیر کے لئے روحانی بنیاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مضبوط بنیاد ہمیں صرف توحید ہی میں مل سکتی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

> "جدید تمدن عالمی اتحاد کے لئے توحید کو بنیاد بنا سکتا ہے اور اسلام ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے اس اصول کو انسانی ذہن میں زندہ شکل دے سکتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق خدا کے ساتھ وفاداری ضروری ہے نہ کہ تخت و تاج کے ساتھ اور چونکہ ہر زندگی کی اصلی روحانی اساس ذات باری تعالیٰ ہے۔ اس لئے باری تعالیٰ سے وفاداری کا مطلب انسان کی خود اپنی ذات اور فطرت سے وفاداری ہے"۔ [1]

اس طرح عقیدہ توحید ایک فطری عقیدہ ہے جو نہ صرف فرد کے لئے قابل قبول ہے بلکہ ملت کو ایک ایسی نفسیاتی اساس بھی فراہم کرتا ہے جس پر اخلاقی قدروں کی تعمیر سے ملت کو طاقت اور عظمت حاصل ہو سکتی ہے۔ دراصل وہی دین و مذہب، علم و حکمت، آئین و دستور فکر و تجسس اور جذبات عشق و محبت انسانیت کے لئے مفید اور کار آمد ہو سکتے ہیں جن کی بنیاد اصول وحدت پر رکھی گئی ہو۔ عقیدہ توحید انسان کے لئے مہمیز کا کام کرتا ہے اور اس کے جذبہء عمل کو اجاگر کرتا ہے اس کے خوف و غم کو زائل کرتا ہے۔ اس کے ضمیر کو روشن اور مقام عبدیت کو محکم کر کے رموز کائنات کو اس پر منکشف کر دیتا ہے!

اہل حق را رمز توحید از بر است   در اتی الرحمٰن عبداً مضمر است
دیں ازاو، حکمت ازاو، آئین ازاو   زور ازاو، قوت ازاو تمکین ازاو

---

[1] Reconstruction of Religious thoughts in Islam

بیم و شک میرد عمل گیرد حیات چشم می بیند ضمیر کائنات
چوں مقام عبدہ، محکم شود کاسہ دریوزہ جام جم شود [۲]

عقیدہ توحید تمام رجعت پسند قوتوں کا ازالہ کرتا اور انسان کے لئے ایسی روحانی قدریں فراہم کرتا ہے جن سے ملت کو اتحاد اور استقلال نصیب ہو سکتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہی قوم ارتقائی منازل طے کر سکتی ہے جس کے اغراض و مقاصد مشترک ہوں جس کے جذبات اور وجدانات یکساں ہوں اور جس کے خیر و شر کے معیار میں مکمل ہم آہنگی ہو۔

چنانچہ تعلیم محمدی ﷺ کی اساس بھی توحید ہی ہے۔ اگر خدا کی ذات اور صفات کے بارے میں انسان کا عقیدہ منزہ اور صاف ہو جائے تو باقی تمام صداقتیں لازماً حاصل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح قلب انسانی تصور توحید کی آبیاری کرے تو حیات و کائنات کے تمام حقائق برگ و بار کی طرح اندر سے پھوٹتے ہیں اور پھولنے اور پھلنے لگتے ہیں۔ اسی تصور کی بدولت یہ کائنات بھی قابل فہم ہو جاتی ہے۔ زندگی کا مفہوم بھی متعین ہو جاتا ہے اور خوف و غم کے سارے بادل چھٹ جاتے ہیں۔

نظریہ توحید کا مطلب صرف ایک اللہ کی عبادت ہی نہیں بلکہ اس کی حاکمیت کو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں تسلیم اور قائم کرنا ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کی راہ میں اللہ کے علاوہ ہر طاقت کی نفی کرنا ہے۔ نفی کا اعلان اول ہے اور اثبات کا اقرار آخر ہے۔ نفی کے بغیر اثبات ممکن نہیں ہے۔ نفی کے عمل میں انسان جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اسی قدر غلامی کی زنجیریں کٹتی چلی جاتی ہیں۔ اثبات کی منزل قریب تر ہوتی جاتی ہے اور ذہنی و روحانی آزادی کے رنگ نکھرتے چلے جاتے ہیں۔

لاالہ الااللہ عقیدہء توحید کا حلف نامہ ہے۔ اس میں "لا" اس بات کا اعلان ہے کہ حق باطل کی مکمل تنسیخ چاہتا ہے اور ہر اس چیز کی نفی کا مطالبہ کرتا ہے جس سے تخلیق، روزی رسانی، جان و مال، عزت و ذلت یا خوف اور امید کا کوئی تصور وابستہ ہو سکتا ہو۔ یہ حلف نامہ ایسی ہر بات کو پاش پاش کر دیتا ہے اور ذہنی، روحانی اور جسمانی غلامی کی ہر زنجیر کو کاٹ دیتا ہے اور یہ اعلان کرتا ہے کہ کوئی رب نہیں ہے، کوئی زندگی اور وسائل بخشنے والا نہیں ہے، پالنے والا اور حفاظت کرنے والا کوئی اور نہیں ہے سوائے اللہ تبارک تعالیٰ کے جو تمام کائنات

---

۲ اقبال۔ اسرار رموز ص ۱۰۵

کا رب، اس کا بادشاہ، اس کا معبود ہے!

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

(الناس:۱ تا ۶)

"کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے معبود کی!......"

اب سوائے تبارک تعالیٰ کے میرا کوئی اور پالنہار، محافظ اور رازق نہیں۔ کوئی اور خالق و مالک، حاکم و فرمانروا نہیں............! اس لئے مجھے کسی اور سے ڈرنے، کسی اور کے اقتدار سے سہمنے، کسی اور کے آگے سر جھکانے کی کوئی ضرورت نہیں، کسی اور کے سامنے پیشانی رگڑ کر ذلیل ہونے کی حاجت نہیں...............!

اسی لئے سرکار دو جہاں ﷺ نے توحید کے عقیدے کی بنیاد پر اپنی ساری تعلیمات کی عمارت کھڑی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ مالک الملک ہے۔ ہمیشہ زندہ ہے ساری کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کی حکومت سے ایک ذرہ بھی باہر نہیں ہے۔ اس کے علم سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ وہ غفلت سے منزہ ہے۔ نسیان سے پاک ہے! چنانچہ قرآن حکیم یہود و نصاریٰ کو پیغام دیتا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝

(آل عمران:۶۴)

"اے پیغمبر! تم (یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لئے یکساں طور پر مسلم ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنالیا ہے"۔

گویا مطالبہ یہ ہے کہ

1- توحید پر اتفاق کیا جائے۔

2- باطن میں بھی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

یعنی تمام باطل و خود ساختہ معبودوں اور جبروتی طاقتوں کے مدعیوں کو ٹھکرا دیا جائے۔ خواہ وہ بادشاہ ہوں یا مذہبی اور روحانی پیراہن میں ملبوس ہوں۔ یہ دعوت توحید مردہ قوموں کو زندگی عطا کرتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

(الانفال: ۲۴)

"مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار کا جواب دو۔ جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں (روحانی موت کی حالت سے نکال کر) زندہ کردے"۔

یہ دعوت ملت متحدہ اور انسانیت اعلیٰ کے قیام کی دعوت ہے۔ اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو قبروں سے نکال کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کر دیا۔ فرداً فرداً چند انسانوں کو زندہ کرنے کے قصے تو سب کو معلوم ہیں۔ لیکن مردہ قوموں کو زندہ کرنے کی مثال بعثت رسول اکرم ﷺ سے پہلے تاریخ میں نہیں ملتی۔ بلاشبہ سرور کائنات ﷺ کا یہ بے مثال معجزہ ہے کہ عرب ساربانوں میں صدیقؓ اکبر، فاروقؓ اعظمؓ علیؓ مرتضیٰ، عائشہؓ صدیقہ، فاطمۃؓ الکبریٰ، حسنؓ اور حسینؓ جیسے اکابر پیدا ہوئے۔ دس سال کے اندر خونخوار انسان، متصادم جماعتیں، متحارب قبیلے ایک دوسرے کے بھائی ہو گئے اور پچاس برس کے اندر عرب کے وحشی کرہ ارض کے ایک عظیم تمدن اور ایک درخشندہ تہذیب کے مالک ہو گئے!

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی اسی دعوت توحید کی بدولت ایک قلیل عرصے اور انتہائی نامساعد حالات میں اسلام کو دس لاکھ مربع میل زمین پر پوری طرح نافذ کر دیا اور مسلمانوں کی رفعت کو ہم دوش ثریا کر دیا!

آپ ﷺ کے بعد عشق رسول ﷺ سے سرشار ہو کر خلفائے راشدین انہی

راستوں پر آگے بڑھتے ہوئے مٹھی بھر نہتے مجاہدین کے ساتھ دو سپر طاقتوں، ایران اور روم کو سرنگوں کر دیتے ہیں اور انہی شاہراہوں پر مسلمانوں کے مظفر و منصور قافلے دور دور نکل جاتے ہیں۔ ایک طرف سرسبز میدانوں پر، جلتے ہوئے ریگستانوں پر، برف پوش چوٹیوں پر اپنا پرچم لہراتے ہیں تو دوسری طرف بحر احمر سے لے کر بحر روم اور بحر اوقیانوس تک پھیل جاتے ہیں اور ان کی مغرور موجوں کو مسخر کر لیتے ہیں اور اندلس کے ساحل پر طارق کا یقین محکم اپنی تمام کشتیوں کو جلا دیتا ہے!

طارق چوں بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطا است
دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم
ترک سبب زروئے شریعت کجا روا است؟
خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست![1]

یہ عزم، یہ یقین، یہ کامیابیاں ہماری عظمتیں تھیں۔ یہ تاریخ کا عظیم معجزہ تھیں۔ تاریخ ان کی کوئی تشریح پیش نہیں کر سکتی۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ہماری عظمتیں ہم سے چھن گئیں، رفعتیں گم ہو گئیں، دنیا میں ہم ذلیل و خوار ہو گئے......؟

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ دان کے لئے[2]

زوال کا اصلی سبب

لیکن اس زوال کا اصلی سبب کیا ہے؟ یہ المیہ، یہ داستان غم بہت طویل ہے مختصراً کہا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے زوال کا اصلی سبب توحید و تالیف کے بعد پھر مختلف اور متفرق ہو کر گروہ در گروہ ہو جانا ہے اور ایک ملت کی جگہ مختلف ناموں اور مذہبوں میں بٹ جاتا ہے۔ مسلمانوں کی عظمتوں کے چھن جانے کی اصل وجہ، ان کے تنزل اور

---

[1] اقبال پیام مشرق ص ۱۵۰   [2] اقبال بال جبریل ص ۷۳

تباہی کی اصلی علت یہی چیز ہے اور جب تک یہ دور نہ ہو گی عظمت رفتہ کی بازیابی کی کوئی کوشش بار آور نہیں ہو سکے گی۔ مسلمانوں کا سیاسی تنزل، اخلاقی تنزل علمی تنزل، معاشی و معاشرتی تنزل، یہ سب تنزل کی شاخیں ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اصل نہیں ہے۔ ان شاخوں سے گزر کر جب ہماری نظر درخت کی جڑ پر پڑتی ہے تو صاف نظر آتا ہے کہ اسباب کے اصول دوسرے ہیں۔ درخت جب سوکھتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اس کی شاخوں میں رطوبت باقی نہیں رہی بلکہ اس لئے کہ جڑ میں رطوبت باقی نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی قوم اسلئے گمراہ نہیں ہوتی کہ اس نے اپنی تعلیم کی فروعات کو، ذیلی اور ضمنی باتوں کو چھوڑ دیا ہے اور اس میں فروعی مسالک پیدا ہوئے ہیں، بلکہ اس لئے کہ اصل اور بنیاد اس کے ہاتھ سے جاتی رہی ہے......... جڑ میں جب تک زندگی ہے درخت کی ایک شاخ بھی سوکھ نہیں سکتی۔ لیکن جڑ کو پانی نصیب نہ ہو تو شاخوں پر سمندر کے سمندر انڈیل دیجئے وہ سرسبز نہیں ہو سکتا!

اسلام کے بھی اصول اور فروع ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کی تباہی و تنزل کو فروع میں نہیں بلکہ اصل میں تلاش کرنا چاہئے۔ سب کو معلوم ہے کہ اسلام کی اصل، اس کی شاہراہ عظمت اس کا عقید توحید ہے..........!

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں[1]

اس عقیدہ سے انحراف فرد اور جماعت کو خوف اور بھوک سے دوچار کر دیتا ہے اور تنزل اور تباہی کا باعث ہوتا ہے۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (النحل : 112)

"ایسے لوگوں کو خوف اور بھوک کا لباس پہنا دیا جاتا ہے"۔

ایک ہی ملت

اعتقاد توحید کا اولین تقاضہ یہ تھا کہ نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے ایک ایسی ملت تیار ہو جو پچھلی تمام قوموں کے برعکس اپنے عقائد و اعمال میں جلوہ توحید رکھتی ہو۔ اس کا خدا

1۔ غالب

ایک ہو۔ رسول ﷺ ایک ہو۔ مبداء حکم ایک ہو، شریعت ایک ہو، نام ایک ہو، قبلہ ایک ہو.................!

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟ [1]

اسلام کا مشن تو یہ تھا کہ جس طرح اس کا خدا وحدہ' لاشریک ہے اسی طرح اس کا رسول ﷺ بھی اپنی تعلیم و حکمت میں، اس کا قرآن اپنی ہدایت میں اور اس کی امت اپنی ترکیب میں، اپنی ہیئت میں، اپنی روش میں، ذہن و فکر میں، عقائد و اعمال میں واحد اور منفرد ہو!

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٥٢﴾ (المومنون : 52)

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسولؐ ہاشمی [2]

ہم سب کو یاد ہے جو قرآن مجید نے فرمایا کہ

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا (آل عمران : 103)

یعنی "اللہ کی رسی کو، اس کی دی ہوئی قدروں کو، مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو اور اس کی نعمتوں کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے لیکن اس نے تم کو اخوت اور محبت

---

[1] اقبال بانگ درا ص ۲۳۴ [2] اقبال بال جبرائیل

کی نعمت عطا کی۔ ورنہ تم تو اختلافات کی آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا"۔

اس ارشاد ربانی سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے کی صرف دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ معاشرہ متحد ہوگا تو اللہ کی نعمتیں میسر ہوں گی اور دوسری یہ کہ اگر مختلف اور منتشر ہوگا تو یہ راستہ آگ کے گڑھے کی طرف لے جائے گا۔ معنوی اعتبار سے بھی آگ اور حقیقت میں بھی آگ ہوگی!.......... ایران اور عراق اسی آگ میں جلتے رہے۔ آج فلسطین جل رہا ہے۔ افغانستان جل رہا ہے اور کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ کراچی کی آگ، آگ میں جلتے ہوئے گھر، جلتے ہوئے گھروں میں جلتے ہوئے انسان، چلاتی ہوئی عورتیں چیختے ہوئے بچے، آسمانوں پر چھائے ہوئے دھوئیں کے بادل، عرش اعظم سے ٹکراتی ہوئی بیواؤں کی آہیں؟ کیا ہمیں قرآن کی اس صداقت پر کوئی اور دلیل درکار ہے؟ کیا ہمیں کسی اور ثبوت کی ضرورت ہے؟

نشیمن جل رہے ہیں، ہر چمن آتش بداماں ہے
یہ کس نے بجلیاں رکھدی ہیں ہر برگ گل تر میں؟

قسمت کی ستم ظریفی ہے کہ ہم اپنے زوال کی تاریخ کے ہر دور میں اپنی نافرمانیوں، باہمی خونریزیوں، ہلاکتوں اور بربادیوں کے باوجود زبان سے لا الہ کہتے چلے آئے ہیں۔ عقیدۂ توحید سے مکر کرتے چلے آئے ہیں۔ منطقی توجیہ سے اپنے ہی ضمیر کو دھوکہ دیتے چلے آئے ہیں۔ عقلی توضیح سے اپنے گناہوں کے لئے، اپنے نفس امارہ کے لئے، اپنے شر کے لئے جواز تلاش کرتے چلے آئے ہیں.......... اور پھر بھی لا الہ کا ورد کرتے رہے ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں! [1]

دل انسانی جذبات کا سرتاج ہے۔ ایک زبردست محرک ہے۔ اس سے حقائق اشیاء کی مکمل بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ عقل تو محض چراغ راہ ہے۔

خرد سے راہرو روشن بصر ہے خرد کیا ہے چراغ رہگزر ہے
درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا چراغ رہگزر کو کیا خبر ہے [2]

---

[1] اقبال ضرب کلیم ص ۲۲۹ [2] بال جبرائیل ص ۱۲۰

اس طرح زندگی اور ذہن کی اندرونی کیفیت ہم صرف وجدان ہی کے ذریعے سے محسوس کرتے ہیں۔ جب ہم زندگی کے ان مسائل کو سمجھنا چاہتے ہیں جن کا تعلق توحید کے جذبے و تاثیر سے ہے تو ہمیں وجدان کے سرچشمے کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ جس سے ہماری تمام جبلتیں اور جذبے سیراب ہوتے ہیں۔

صرف عقل کی مدد سے دین اور تمدن کی توجیہہ جن کی اساس ہی عقیدہ توحید پر ہے ممکن نہیں ہے۔ بلاشبہ اس کے لئے عشق اور وجدان کی ضرورت ہوتی ہے۔ خرد کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اس میں جرات رندانہ کی کمی ہے۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ وہ تمام امور جن سے قوموں کی زندگی بدل گئی ہے کسی نہ کسی جذبے کے تحت ہی انجام پائے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی[1]

عقل ہمیشہ حیلے کرتی ہے۔ شکوک اور بدگمانیاں پیدا کرتی ہے۔ لیکن ایمان و یقین کے معاملات میں شک، ظن و تخمین سے زیادہ مہلک چیز کوئی نہیں ہے۔

البتہ دل و نگاہ مسلمان ہو جائے تو خرد کا لا الہ کہنا مفید ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کو لا الہ کہنے دیجئے۔ اس کو مسلمان کیجئے کہ وہ بنیادی طور پر برہمن زادہء زنار پوش ہے، پرستار بتان چشم و گوش ہے!

صنم در آستیں پوشیدہ دارد   برہمن زادہء زنار پوش است[2]

اختلافات کے نتائج

ہم عقیدہء توحید سے منحرف ہوتے ہیں تو ہمارے اختلافات زندگی کے ہر شعبے میں پھیل جاتے ہیں۔ خوف و ہراس پر منتج ہوتے ہیں اور معاشرے کے ارتقائی عمل کو روک دیتے ہیں۔ سیاست میں ہم اختلاف کرتے ہیں تو موقع پرست اختلافات سے فائدہ اٹھا کر برسر اقتدار آجاتے ہیں۔ خدا کے قانون کی حد سے باہر نکل جاتے ہیں۔ عدل و انصاف کو پامال کرتے ہیں۔ فرعون بن جاتے ہیں۔ معاشرت میں اختلاف رونما ہوتا ہے تو ذات پات،

---

[1] اقبال بانگ درا   [2] اقبال پیام مشرق ص ۳۴

رنگ و نسل کے بھوت نوع انسانی کو ڈرانے لگتے ہیں۔ معیشت میں اختلاف آتا ہے تو طبقات پیدا ہوتے ہیں۔ معاشی ناہمواری پیدا ہوتی ہے۔ قارون پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی سرمایہ دارانہ معاشرے میں چند ہاتھوں میں دولت کی فراوانی عیش پرستی، عریانی اور ظلم کو جنم دیتی ہے۔ ایسے ہی معاشرے میں تعیش کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نضر بن حارث[۳] پیدا ہوتے ہیں۔ لہوالحدیث کو فن کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی معاشرے میں لوگ تن آسان ہو جاتے ہیں۔ جہاد کی راہ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ شمشیر و سناں سے گریز کرتے ہیں اور اجداد کی عظمتوں پر سیاہی پھیر دیتے ہیں۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر[۱]

پھر طاؤس و رباب کی محفلوں کے جام مے میں بڑی باجبروت سلطنتیں اپنی عظمتوں کے ساتھ ڈوب جاتی ہیں۔! کیا آپ نے عظیم مغلیہ سلطنت کو شہزادگان دہلی کے جام شراب میں ڈوبتے ہوئے نہیں دیکھا؟ کیا آپ نے مشرقی پاکستان کو جام مے میں غرق ہوتے ہوئے نہیں دیکھا؟

کیا دبدبہ نادر، کیا شوکت تیموری ہو جاتے ہیں سب دفتر غرق مے ناب آخر![۲]

اور ایسے ہی معاشرے میں علمائے سوء پیدا ہوتے ہیں جو اختلافات پر زندہ رہتے ہیں۔ علمائے حق بلاشبہ قابل احترام ہیں جو دل میں ملت کا درد رکھتے ہیں لیکن علمائے سوء جو مسجدوں اور امام بارگاہوں کے تقدس کو پامال کرتے ہیں اور اختلافات کی آگ کو بھڑکاتے ہیں، وہ اللہ کے دشمن ہیں، اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں!

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ[۳]

---

[۳] کتاب ہذا ص ۳۱۷

[۱] بال جبرائیل ص ۷۷ [۲] بال جبرائیل ص ۷۷ [۳] بال جبرائیل ص ۳۸

خوف و غم کا استیصال

نسخہ ء کیمیا

سید المرسلین ﷺ نے خوف و غم سے نجات کیلئے جو الوہی نسخہ ء کیمیا نوع انسانی تک پہنچایا ہے اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔

1- اللہ سے دوستی، اللہ سے قرب

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ

(یونس : 62 - 63)

"یاد رکھو جو اللہ کے قریب ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا نہ کسی طرح کی غمگینی ..... یہ وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے اور زندگی ایسی بسر کی کہ برائیوں سے بچتے رہے۔ ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی کامرانی اور سعادت کی بشارت ہے اور آخرت میں بھی"۔

یعنی خوف اور غم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اللہ کی دوستی اختیار کی جائے اس کی عبادت کی جائے۔ اس کے احکام کی تعمیل کی جائے.......... دوست کی بات مانی جائے اور اسی راستے پر چلا جائے جو کوئے دوست کی طرف جاتا ہو کیونکہ ہر دوسرا راستہ تباہی کی سمت میں جاتا ہے، گمراہی اور ضلالت کی طرف لے جاتا ہے۔

یہ راستہ انسان کو سانپ کی طرح ڈسنے لگتا ہے!!

سوز و گداز زندگی لذت جستجوئے تو
راہ چوں مار می گزد گر نہ روم بسوئے تو[1]

2- اللہ کی وحدانیت اور الوہیت پر ایمان ۔ اس کی پاکیزگی اور عظمت کا ایقان۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ

---

[1] زبور عجم ص ۳۸

وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

(الانبیاء : 87,88)

نہیں ہے کوئی خدا مگر تو، پاک ہے تیری ذات، بے شک میں نے قصور کیا"۔ ...... تب ہم نے اس کی دعا قبول کی اور غم سے اس کو نجات بخشی اور اسی طرح ہم مومنوں کو بچالیا کرتے ہیں"

3- انسان کی عبدیت، اللہ کی معبودیت اور ربوبیت کا اقرار

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ﴿۳﴾ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

(سورہ قریش)

"ان کو چاہئے اس گھر کے ربّ کی عبادت کریں، جس نے انہیں بھوک سے بچا کر کھانے کو دیا اور خوف سے بچا کر امن دیا"۔

ان آیات کے مخاطب اگرچہ کہ قریش ہیں لیکن ان میں وہی آفاقی اصول بیان کیا گیا ہے کہ خوف اور بھوک سے نجات کیلئے اللہ کی عبادت اور اس کی معبودیت کا سچا اقرار لازمی ہے۔

4- انفاق فی سبیل اللہ۔ اللہ کے حاجت مند بندوں میں فراخدلانہ دولت کی تقسیم۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

(البقرہ : 274)

"جو لوگ اپنے مال شب و روز اور کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لئے کسی خوف و رنج کا مقام نہیں"۔

ہماری تاریخ اور انسانی تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ سید الثقلین علیہ ﷺ کا پہنچایا ہوا یہ نسخہء کیمیا انسان کی زندگی، اس کے دل و نگاہ اور اس کے ذہن و فکر کی تشکیل نو کرتا ہے اور ان کو ایک نئی زندگی، نئی سوچ اور نئی روشنی عطا کرتا ہے! یہ سوچ کیا ہے؟ یہ روشنی کیا ہے؟ انسان کے خوف اور دکھ کے مسائل پر اس کا کیا اثر ہے؟ .... اگلے صفحات میں ہم ان امور کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔ تاہم اس نوبت پر ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے چلتے ہیں کہ مسلمانوں میں آج یہ سوچ مفقود ہوگئی ہے، یہ روشنی موجود نہیں ہے ہم ایمان اور تقویٰ کا

دعویٰ کرتے ہیں لیکن ساری ملت خوف و غم میں مبتلا ہے۔ ہمیں امن میسر نہیں ہے۔ ہم حزن اور مایوسی میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہمیں امن کی بشارت تک نہیں ملتی۔ دشمنان اسلام اپنی طاقت اور تسلط سے تمام دنیائے اسلام کو عاجز کر رہے ہیں۔ آج ذلت کا ابر سیاہ ان کے سروں پر سے کھل کر مسلمانوں پر برس رہا ہے۔ مشکلات کی کالی گھٹائیں اُمڈی چلی آ رہی ہیں۔ ہم پر خدا کی زمین تنگ ہو رہی ہے! ہماری بادشاہت ہم سے چھن گئی ہے!

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ۝ (الانبیا : 105 - 106)

"اور در حقیقت ہم نے مناسب یاد دہانی کے بعد زبور ہی میں فیصلہ کر دیا تھا کہ زمین کے وارث ہمارے صالح بندے ہی ہیں۔ بے شک اس اعلان میں عابد قوم کے لئے ایک اہم پیغام ہے"

کافر اور مشرک اللہ کی زمین کے وارث بن گئے ہیں۔ دنیا ہم سے خفا ہو گئی ہے ہمیں ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہئے کہ ہماری توبہ و نماز میں، ہماری عبادت میں کیا کسر رہ گئی ہے کہ قوت و دولت کی برکت اور دنیا کی جنتوں اور نعمتوں کی بادشاہت ہمیں نہیں ملتی؟

کیا ہم عابد نہیں ہیں؟ کیا ہم صالح نہیں ہیں؟ .... ہاں حقیقت یہی ہے! عبادت اور تقویٰ کی ظاہری شکل تو رہ گئی ہے، اس کی روح باقی نہیں ہے۔ توحید کے علمبردار، توہمات، نفس اور مفادات کے سینکڑوں خداؤں کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور ان خداؤں کا خوف ان کے اعصاب پر بری طرح مسلط ہو گیا ہے!

عدل ہے فاطر ہستی کا ازل سے دستور مسلم آئیں ہوا کافر تو ملے حور و قصور!

(اقبالؒ)

خوف کی قسمیں

جیسا کہ ابتداء عرض کیا گیا، خوف بھی قسم قسم کا ہوتا ہے۔ اس کی فہرست بہت طویل ہے تاہم اس باب میں ہم اس کے چند اہم پہلو مطالعہ کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ وہ پہلو یہ ہیں۔

1- دیگر مخلوقات الٰہی کا خوف
2- شرک
3- جوگ اور رہبانیت
4- تناسخ
5- توہمات
6- نفس
7- قنوطیت
8- منشیات
9- بڑھاپا
10- موت
11- غیر اقوام کا خوف
12- جنگ کی ہولناکیاں
13- احساس کمتری
14- غلامی (الف) سیاسی غلامی (ب) بادشاہت (ج) آمریت
15- عورت کی مظلومی (الف) تعدد ازدواج (ب) طلاق (ج) جنسی مساوات
16- عدم مساوات
17- تعصب
18- فتنہ و فساد
19- ناانصافی
20- آجر اور اجیر
21- نوع انسانی کی بنیادی مشکلات

دیگر مخلوقات الٰہی کا خوف

خاتم النبین ﷺ کی بعثت سے پہلے انسانی زندگی کی ایک بحرانی کیفیت نظر آتی

ہے۔انسان اکثر مخلوقات الٰہی سے ڈرتا ہے خود کو کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتا ہے۔ کبھی برستے پانی، دہکتی آگ کی پوجا کرتا ہے۔ کبھی چمکتے سورج، درخشاں تاروں کے آگے سربسجود ہو جاتا ہے کبھی سخت پتھر کو کورنش بجا لاتا ہے اور کبھی اونچے پہاڑوں کے سامنے جبین نیاز رکھ دیتا ہے۔ اس طرح یہ انسان عزت نفس کھو چکا ہے اور احساس کمتری میں اس درجہ مبتلا ہے کہ اس کے فکری و عملی قویٰ معطل ہو گئے ہیں، زندگی اس کے لئے عذاب بن گئی ہے اور انسانیت تاریکیوں میں چھپ گئی ہے۔ لیکن ان اندھیروں کو چیرتی ہوئی نور کی ایک کرن دنیا کے پردہ پر آپڑتی ہے اور ایک عالم کو منور کر دیتی ہے۔ طوفان خیز سمندروں سے روشنی کا ایک مینار ابھرتا ہے اور تاریک فضاؤں میں بلند ہو کر انسانیت کے سفینے کو نشان راہ دکھانے لگتا ہے ....!روشنی کا یہ مینار، نور کی یہ کرن نورالہدیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس ہے جو دنیا کو پیغام دیتی ہے کہ اے انسانو! یہ مظاہر فطرت، اللہ کی یہ ساری مخلوق تمہاری آقا نہیں، بلکہ تم ان سب کے آقا ہو۔ اس دنیا میں تم مجبور و محکوم نہیں ہو بلکہ تم اس میں خدا کے خلیفہ اور وائسرائے ہو۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ (البقرہ : 30)

"خدا نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں"۔

وَهُوَ ٱلَّذِى جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ ٱلْأَرْضِ (انعام : 165)

"وہی خدا ہے جس نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے"۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِى ٱلْأَرْضِ (حج : 65)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ زمین میں ہے، سب کچھ خدا نے تمہارے بس میں دے دیا ہے"۔

وَٱلْأَنْعَٰمَ خَلَقَهَا ۗ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَٰفِعُ (نحل : 5)

"اور جانوروں کو پیدا کیا تمہارے لئے کہ انکے اون میں گرمی بھی ہے اور ان سے دوسرے فائدے بھی ہیں اور خوراک بھی"۔

اس طرح مقہور انسان کو منصب خلافت الٰہی پر فائز کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر مظاہر

فطرت کی اصلیت بھی اس پر منکشف کی جاتی ہے اور طلسم رنگ و بو کی حقیقت سے اسے اس طرح آگاہ کیا جاتا ہے کہ بارش اور بارش سے اگنے والے درخت، رات دن، چاند، سورج اور ستارے، دریا اور سمندر۔ یہ سب تمہارے لئے ہیں، تمہارے لئے مسخر کر دیئے گئے ہیں۔

هُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝ يُنۢبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ

(نحل : 11-10)

اللہ نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا جو تمہارے پینے اور فصلوں کو اگانے کے لئے کام آتا ہے اور اللہ ہی تمہارے لئے زیتون کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے اور

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَٰتٌۢ بِأَمْرِهِ

(نحل : 12)

اور اس نے رات، دن، چاند، سورج اور ستارے تمہارے لئے کام پر لگائے ہیں......

ایسی ہی متعدد آیات کے ذریعے سے شمس العارفین ﷺ نے مظاہر فطرت اور دیگر مخلوقات الٰہی کے خوف کو انسان کے دل سے نکال پھینکا اور یہ واضح کیا کہ انسان خود تخلیق کائنات کا مقصود ہے۔ اس لئے کائنات کے کسی مظہر سے مرعوب ہونا، کسی مخلوق کے آگے سر جھکانا، کسی کے سامنے جبین نیاز رکھ دینا منشائے فطرت کے مغائر ہے، انسانیت کی توہین ہے، منصب خلافت کی تذلیل ہے اور خود اس کی تحقیر ہے جس کی نیابت اور خلافت کا فرض اس عالم میں اس پر عاید کیا گیا ہے!

شرک

انسان کے خوف کے احساس نے شرک کو بھی جنم دیا تھا۔ آج بھی جو لوگ شرک کرتے ہیں، "بھوتوں" سے "ملنگوں" اور "روحوں" سے ڈرتے ہیں، قبروں سے، انسانوں سے مرادیں مانگتے ہیں۔ وہ سب اسی خوف کے احساس کا شکار ہوتے ہیں۔ اللہ کی ہدایات اور احکام کو چھوڑ کر، کسی دوسرے سے خوفزدہ ہو کر یا اسے قاضی الحاجات اور حل المشکلات سمجھ کر اس کے احکام کا اتباع کرنا دراصل اس کو خدائی میں اللہ کا شریک ٹھہرانا ہے۔ اس کی

بھی بہت سخت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سے قوائے عمل معطل ہو جاتے ہیں۔ زندگی کا کاروان جامد اور ساکت ہو جاتا ہے اور انسان کا دل شر، کینہ، مکاری اور بزدلی کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔

بیم غیر اللہ عمل را دشمن است   کاروان زندگی را رہزن است
ہر کہ رمز مصطفیٰ فہمیدہ است   شرک را در خوف مضمر دیدہ است [1]

ایسا بالعموم ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی غیر معمولی صلاحیتوں کا آدمی سامنے آتا ہے تو عام انسان اس سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ کبھی فرعون اور آمر کے جلال و جبروت سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ کبھی جوگیوں درویشوں کو اپنا معبود سمجھ کر پوجنے لگتے ہیں۔ کبھی پیغمبروں کے معجزات سے حیرت زدہ ہوتے ہیں اور ان کو خدا کا بیٹا اور رشتہ دار سمجھ کر ان کی پرستش کرنے لگتے ہیں۔

ہندو دیو مالا میں سیوا تخریب اور غضب کا خدا ہے۔ اس کی بیوی سکتی یا کالی خوف اور بربریت کی دیوی ہے اس کی خوشنودی کے لئے انسان کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ [2]

فکر انسان بت پرستے بت گرے
ہر زماں در جستجوئے پیکرے [3]

لیکن یہ صورت حال بھی انسانیت کی عظمت کے مغائر تھی اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے قرآن کی ہدایت کا اعلان کیا کہ :-

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ اور :-

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف : 40)

"حکومت صرف خدا ہی کی ہے" اسی کا اقتدار اعلیٰ سا ی کائنات پر محیط ہے اور خود رسول مقبول ﷺ نے یہ کہہ کر اس سارے طلسم کو توڑ دیا کہ :-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (حم السجدہ : 6)

اے نبی کہہ دو کہ میں بھی تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں!

در حقیقت نوع انسانی کی یہ عالمگیر گمراہی رہی ہے کہ جب کوئی انسان روحانی عظمت کے

۱۔ اسرار رموز ص ۱۱۱   ۲۔ اسرار رموز ص ۱۶۳

ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو لوگ چاہتے ہیں کہ اسے انسانیت اور بندگی کی سطح سے بلند تر دیکھیں۔ لیکن قرآن حکیم نے اس گمراہی کا ازالہ کر دیا اور خود پیغمبر اسلام ﷺ کی حیثیت صاف اور قطعی لفظوں میں واضح کر دی اور فرمایا کہ محمد عبدہ' و رسولہ' ہیں۔ یعنی حضور اکرم اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ﷺ ہیں۔

تاریخ سے واضح ہے کہ دنیا ہمیشہ پیشواؤں کو خدا اور خدا کا بیٹا بنانے کی خواہشمند رہی ہے۔ لیکن سرور کائنات ﷺ نے اس دنیا سے اتنا بھی نہ چاہا کہ کاہنوں کی طرح مجھے غیب داں تسلیم کر لو۔ آپ ﷺ نے اپنے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا کہ میں بد عملی اور کفر کے نتائج سے خبر دار کرنے والا "نذیر" اور ایمان و نیکی کی برکتوں کی خوشخبری دینے والا "بشیر" ہوں۔ ایک بندہ ہوں سوائے اس کے کہ اللہ کی طرف سے مجھ پر وحی آتی ہے۔

چہ عظمت دادہء یارب بخلق آں عظیم الشاں
کہ "انی عبدہ'" گوید بجائے قول سبحانی

ہادی برحق ﷺ نے مکہ میں آغاز نبوت سے تیرہ سال تک اپنی ساری توجہ شرک کے اسی فتنہ کی جڑوں کو لوگوں کے دل اور دماغ سے اکھاڑنے پر مرکوز فرمائی اور جب پیروؤں کے ذہن شرک اور فساد سے صاف ہو گئے تو اسلام کے منشور کو جو انسان کی تمام زندگی پر، دنیا اور آخرت پر حاوی ہے، دس سال کے اندر دس لاکھ مربع میل پر نافذ کر دیا......!

صرف یہی ایک صورت نہیں ہے۔ جس سے رحمتہ للعلمین ﷺ نے انسانیت کو بچا لیا ہے۔ بلکہ ذہن انسانی کی پیدا کردہ ایسی متعدد خوفناک صورتیں بھی ہیں۔ جن کی تباہ کاریوں سے آپ ﷺ نے اولاد آدم کو محفوظ کر لیا ہے۔ مثلاً رہبانیت، جوگ، تناسخ، توہمات قنوطیت وغیرہ کے غلط تصورات بھی ہیں جن کو آپ ﷺ نے انسانی ذہن سے مٹانے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔

جوگ اور رہبانیت

جوگ اور رہبانیت کے علمبرداروں نے زندگی کو ایک لعنت قرار دے کر انسانی ذہن پر خوف اور غم کو مسلط کر دیا تھا۔ چنانچہ قدیم زمانہ میں انسانی زندگی کا بڑا گھناؤنا تصور پایا

جاتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ جسم کو جس قدر تکلیف دی جائے گی۔ اسی قدر نجات کی راہ ہموار ہو گی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوؤں میں جوگ اور عیسائیوں میں رہبانیت پیدا ہوئی تھی۔ اور بڑی تکلیف وہ تپسیاؤں اور ریاضتوں کا وجود ہوا تھا[۱]۔ ان کو روحانی ترقی کا ذریعہ سمجھا گیا تھا۔ عمر بھر نہانے سے پرہیز کرنا یا عمر بھر ٹاٹ اوڑھے رہنا، عمر بھر دھوپ میں کھڑا رہنا یا غار میں بیٹھ جانا۔ سخت سردیوں میں بھی ننگا رہنا یا ساری عمر تجرد میں گزار دینا روحانی ارتقاء کے لئے ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ اسی طرح جسم کے کسی حصے کو غیر متحرک کر کے سکھا دینا، درخت میں الٹا لٹک جانا، حبس دم کر لینا خدا پرستی کی اعلیٰ شکلیں شمار کی جاتی تھیں۔[۲]

بلاشبہ جوگ اور رہبانیت سخت تمدن کش رجحانات ہیں۔ ان کے مطابق دنیوی زندگی ایک لعنت ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا انسانی نجات کے لئے ضروری ہے۔ بدھ مت نے ان رجحانات کو اور تقویت دی۔ اس نے مذہب کا انحصار ترک خواہشات پر رکھا اور نروان یعنی فنائے کامل کو مقصود حیات قرار دیا لیکن رسول اکرم ﷺ نے انسان کو ان مصیبتوں سے بچا لیا، اور پیغام دیا کہ جسم کو تکلیف دینا یا طاقت سے زیادہ تکلیف اٹھانا خدا کی شریعت میں نہیں ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ : 286)

خدا کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ کا حکم نہیں دیتا

درحقیقت ہر شخص کی حد استطاعت کا اللہ تبارک تعالیٰ کو بخوبی علم ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق اس شخص پر بوجھ ڈالا جاتا ہے۔ اور کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

(المومنون : 62)

"اور ہم کسی شخص کو اس کی حد استطاعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ ہماری اس (اس شخص کی وسعت عمل کے متعلق) ایک تحریر (مکمل ریکارڈ) موجود رہتی ہے۔ جو (اس کی انتہائی سعی اور قلبی نیت کا) ٹھیک ٹھیک حال بتاتی رہتی ہے اور (اس اندازے کے لگانے میں)

۱۔ The Spirit of Islam Pages LXV to LXVIII

۲۔ مولانا مودودی، تفہیم القرآن جلد سوم ص ۲۸۲ خطبات مدراس ص ۱۷۵ تا ص ۱۸۰

لوگوں پر (قطعاً کسی طرح کا) ظلم نہیں کیا جاتا"۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا صَرُوْرَةَ فِي الْإِسْلَامِ (ابوداؤد)

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ مسلمانوں کی رہبانیت در حقیقت ان کا جہاد ہے۔ مزید ارشاد ہوا کہ :-

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ عورتوں کو، کھانے کو، خوشبو کو اور دنیا کی لذیذ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنے لگے ہیں۔ میں تمہیں صوفی، درویش، راہب اور تارک الدنیا بنانے کا حکم دینے نہیں آیا۔ کیونکہ گوشت کو اور عورتوں کو چھوڑ دینا اور خانقاہوں میں بیٹھ جانا میرے دین میں نہیں ہے۔ میری امت کی سیاحت روزہ ہے۔ اس کی رہبانیت جہاد ہے۔ اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تم سے اگلے لوگ خود عائد کردہ سختیوں کے باعث تباہ ہو گئے۔ جوں جوں وہ اپنے اوپر سختیاں کرنے لگے، اللہ تعالیٰ بھی ان پر سختیاں کرتا چلا گیا۔ ان کے بچے کھچے اب گرجاؤں اور خانقاہوں میں باقی رہ گئے ہیں"۔ (بخاری)

نیز قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ (مدثر :1-3)

"اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے۔ اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو"۔

یعنی اٹھو، اوڑھ لپیٹ کر لیٹے رہنے اور دنیا سے الگ تھلگ رہنے سے دنیا کا کام نہیں چلے گا۔ یہاں تو حرکت، کشمکش اور انقلاب کا قانون الٰہی کار فرما ہے اس لئے کھڑے ہو جاؤ، مستعدی سے عمل کے لئے تیار ہو جاؤ اور تمہارے گردو پیش جو لوگ خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ روحانی اور ذہنی اعتبار سے غفلت میں ہیں۔ اللہ کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، اللہ کے قانون سے غافل ہیں۔ ان کو چونکا دو۔ مشکلات کو خاطر میں نہ لاؤ۔ طوفانوں اور آندھیوں کی پرواہ نہ کرو۔ مشرکین عرب کے سب سے بڑے گڑھ مکہ میں تن تنہا توحید کا علم بلند کرو۔ اللہ کی عظمت اور بڑائی کا اعلان کرو۔ جو طاقتیں اس کام میں تمہارے آڑے آ رہی ہیں۔

ان کی ذرا بھی پرواہ نہ کرو۔ تمہارا رب ان سب سے بڑا ہے۔ اسی کی عظمت اور جبروت کا پرچم لہراؤ!

اس حکم نے روحانی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ رہبانیت کا خاتمہ کر دیا اور اس کی جگہ دین دنیا دونوں نے لے لی۔ مادی اور دینی، جسمانی اور روحانی فلاح کے لئے سعی مسلسل کو انسانیت کا مشن قرار دیا گیا۔ زندگی کا ہر پہلو روشن ہو گیا۔ سید المرسلین ﷺ کی تعلیم کا نور مادی خوشحالی اور روحانی ترقی پر پھیل گیا۔

تناسخ [1]

اسی طرح تناسخ کے مسائل میں جن میں جنوب مشرقی ایشیاء کے اکثر مذاہب مبتلا ہیں۔ اس عقیدہ کے مطابق انسان مرنے کے بعد کسی نہ کسی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔ اچھے اعمال ہوں تو کسی اچھے جانور کی صورت میں، بہت اچھے ہوں تو رئیس، راجہ یا حاکم کے گھر پیدا ہو سکتا ہے اور بہت ہی اچھے ہوں تو برہمن کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ جو انسانیت کی معراج ہے اور اگر اعمال برے ہوں تو برائی کی شدت کے لحاظ سے شودر کے گھر میں، نجس، اور ناپاک حیوانوں کی صورت میں یہاں تک کہ سانپ، بچھو، چوہے، کتے یا گندگی میں رینگنے والے کیڑے کی شکل میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اس طرح دوبارہ پیدا ہونا، اس عقیدے کے مطابق انسان کی گنہگاری کی دلیل ہے۔ اس تصور نے عام انسان کی زندگی پر سخت ہیبت طاری کر دی تھی۔ عیسائیوں نے اس تصور میں مزید شدت پیدا کی کیونکہ انکے ہاں انسان خود کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو آدم کی گنہگاری کی وجہ سے فطری اور موروثی گنہگار ہے۔ اس تصور نے جسے خدائی اصول قرار دیا گیا، نوع انسان کو بے حوصلہ، بے یقین اور مفلوج کر دیا۔ لیکن امام الانبیاء شفیع المذنبین ﷺ نے اس مقہور انسان کو مژدہ سنایا کہ :۔

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶

(والتین :1-5)

"قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ) کی (کہ)

---

[1] خطبات مدراس ص ۱۵۷

البتہ ہم نے انسان کو بہترین اعتدال پر پیدا کیا پھر ہم اس کو نیچے سے نیچے پہنچادیتے ہیں۔ لیکن وہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے"۔

یعنی انسان کو بہترین حالت، بہترین اعتدال اور راستی پر پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن وہ اپنے عمل کی بنا پر نیک ہوتا ہے یا برائی اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نہایت فصاحت اور بلاغت سے فرماتا ہے کہ :۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝ (الشمس :7-10)

"قسم ہے نفس کی اور اس کے ٹھیک بنائے جانے کی۔ پھر ہم نے سمجھ دے دی اس کو بدی اور نیکی کی۔ تو کامیاب ہے وہ جس نے اس (نفس) کو پاک رکھا اور ناکام وہی ہے جس نے اس کو گندہ کر دیا"۔

اسی طرح پریشان اور ہیبت زدہ انسان کو رحمت عالم ﷺ نے پیغام رحمت دیا کہ اے انسان! تو پیدائشی گنہگار نہیں ہے، تو معصوم پیدا ہوتا ہے۔ نیکی اور بدی کا انحصار تیرے اپنے عمل پر ہے۔ جنت یا دوزخ کا راستہ اختیار کرنا تیرے اپنے بس کی بات ہے۔

خورشید جہاں تاب کی ضو تیرے شرر میں آباد ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
جچتے نہیں بخشے ہوئے فردوس نظر میں جنت تری پنہاں ہے ترے خون جگر میں
اے پیکر گل! کوشش پیہم کی جزا دیکھ! [1]

توہمات

اسلام سے پہلے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں نے لوگوں کے دل و دماغ کو توہمات کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا............ لیکن اسلام توہمات کا مذہب نہیں ہے جو اندھیروں اور گندگیوں میں پروان چڑھ سکتا ہو۔ یہ روشنیوں کا دین ہے علم ہی کے اجالے میں حقیقتوں اور لطافتوں کو بے نقاب کرتا ہے۔

آج دنیا کے ہر انسانی معاشرے میں توہمات موجود ہیں۔ کہیں کم اور کہیں زیادہ

---

[1] بال جبرئیل ص ۱۷۹

ہیں۔ لیکن کوئی بھی معاشرہ اس سے خالی نہیں ہے۔ مشرق میں بلی کے آڑے آنے، کتوں کے رونے کو شگون بد سمجھا جاتا ہے۔ الو کو منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ شادی بیاہ میں دلہنوں پر بیوہ عورتوں کا سایہ اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ آنکھ کے پھڑکنے سے شگون لئے جاتے ہیں۔ مغرب میں الو برکت کی علامت ہے۔ تیرہ کا ہندسہ نحوست کا باعث ہے۔ اسی طرح چاند کے گھٹنے بڑھنے سے ہر زمانہ میں اوہام، تخیلات اور رسوم نے رواج پایا ہے۔ چاند کی بعض تاریخوں کو مختلف کاموں، شادی بیاہ اور سفر کے لئے منحوس خیال کیا جاتا ہے...... لیکن قرآن نے واضح کیا کہ چاند کے طلوع و غروب اور اس کی کمی بیشی اور اس کے گہن کا کوئی اثر انسانی قسمتوں پر نہیں پڑتا۔ یہ تو محض جہالت کی باتیں ہیں۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ

(البقرہ : 189)

"لوگ تم سے چاند کی گھٹتی بڑھتی صورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہو: یہ لوگوں کے لئے تاریخوں کی تعین اور حج کی علامت ہیں"۔

عرب میں رواج تھا کہ اونٹنی دس بچے جن لیتی یا جس اونٹ کے نطفے سے دس بچے ہو جاتے تو کسی دیوتا کے عتاب سے بچنے کے لئے ان کے کان چیر کر اسی دیوتا کے نام ان کو چھوڑ دیا جاتا۔ عرب میں یہ بھی رواج تھا کہ کھیتوں کی پیداوار سے دو حصے علیحدہ کر دیئے جاتے۔ ایک حصہ اللہ کے نام کا اور دوسرا خاندان کے سرپرست معبودوں، دیویوں اور دیوتاؤں کی نذر نیاز کا ہوتا اور انہی معبودوں اور دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے بچوں تک کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ یہ بربریت ہندوستان اور دوسرے کئی ممالک میں بھی پائی جاتی تھی۔

ایسے توہم پرستوں کو قرآن نے بھٹکے ہوئے لوگ کہا ہے جو راہ راست پانے والوں میں نہیں ہیں۔

قرآن حکیم فرماتا ہے کہ:

يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (النساء : 51)

"اور ان کا حال یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں"۔

جبت کے معنی بے بنیاد، بے اصل اور بے فائدہ چیز کے ہیں۔ اس میں جادو، کہانت، فال گیری، ٹونے ٹوٹکے، شگون اور مہورت اور تمام وہمی و خیالی باتیں شامل ہیں۔ چنانچہ سرو کائنات ؐ نے فرمایا کہ جانوروں کی آوازوں سے فال لینا، جانوروں کے قدم کے نشانات سے شگون نکالنا اور فال گیری کے دوسرے طریقے سب "جبت" ہی کی صورتیں ہیں۔ جن کو ہم اوہام کہتے ہیں۔

اس طرح سرور دوعالم ﷺ نے توہمات اور ظنیات کو بالکل مٹادیا اور مسلمانوں کو ایمان اور یقین کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ لیکن آپ ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ایمان اور یقین میں زوال کا دور اس وقت شروع ہوا جب مسلمانوں نے یونانی فلسفہ کو در آمد کیا اور اس کو قرآنی تعلیمات کے سمجھنے کا ذریعہ بنایا حالانکہ اللہ تبارک تعالیٰ نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ:-

1-لوگوں کے سمجھنے کے لئے قرآن کو تو لوگوں کی نصیحت کی خاطر آسان طور پر بیان کر دیا ہے

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (القمر:17)

2-اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں ہے کہ اس کو سمجھنے کے لئے خارجی رہنمائی کی ضرورت ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝

(الکھف : 1)

"تمام تعریف اسی خدا کو سزاوار ہے۔ جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا اور اس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہ رکھی"۔

3-اس کتاب کو سمجھنے کے لئے کسی بیرونی روشنی اور ہدایت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ کتاب خود روشن ہے۔ انسان کو اندھیروں سے نکال کر اجالوں میں داخل کرنے والی صرف یہی کتاب ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم:1)

"اس کتاب کو ہم نے تم پر اس لئے اتارا کہ تم لوگوں کو (جہل کے) اندھیرے

سے (علم کی) روشنی میں لاؤ"۔

4۔ قرآن خود مدلل ہے۔ کسی بیرونی طریقہ اجتہاد کا محتاج نہیں ہے۔ وہ منطقی طور پر بھی ثابت اور مستحکم ہے کیونکہ کامل علیم اور خبیر کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍۙ (ھود :1)

اس لئے اس کے معارف و حقائق میں کسی ناقص، غیر قائم اور عارضی شے کو دخیل کرنا خدا اور اس کی کتاب کو ناقص سمجھنے کے مترادف ہے۔ اللہ کے حاوی علم اور اس کے محیط فلسفے کو سمجھنے کے لئے کسی افلاطون یا ارسطو سے مدد مانگنا، سورج کی روشنی کو دیکھنے کے لئے کسی اندھے کی آنکھیں مستعار حاصل کرنے کے برابر ہے۔

لیکن قرآن کی یہ حقیقتیں مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں اور وہ افلاطون اور ارسطو کے نظریات میں ایسے الجھ گئے کہ خود اپنے عقائد کی صورت بھی بگاڑ بیٹھے۔ دراصل قدیم یونان توہمات اور ظنیات کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کا فلسفہ بھی ان ہی ذہنی کیفیات کا عکس تھا۔ عرب بھی ظہور اسلام سے ہزارہا برس پہلے سے یونانیوں کی طرح توہم پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے جب یونانی فلسفہ کی عینک لگالی تو ظن و تخمین اور توہمات کی شکلیں بھی لاشعور سے ابھرنے لگیں اور جاہلیہ عقائد کی اکثر باتیں اسلامی لباس میں نظر آنے لگیں اور چونکہ زمانہ جاہلیت میں مختلف قبائل کے توہمات میں بھی گہرے اختلافات تھے، اس لئے بعد میں بھی ظنی اجتہاد میں سخت اختلافات رونما ہوئے اور کثرت سے فرقہ بندی ہوئی یہاں تک کہ ایک خدا، ایک رسول ﷺ اور ایک قرآن کے بارے میں بھی عقائد کا انتشار اور تصادم پیدا ہوا اور سارا علم و ادب اوہام باطلہ کی نذر ہو گیا۔ شیعہ، خوارج، معتزلہ قرامطہ، جبریہ، قدریہ، مشتبہ، مرجیہ، باطنی اور غالیہ قسم کے بے شمار فرقے اسلام میں پیدا ہوئے۔ جنات اور ملائکہ کے متعلق بے سروپا عقائد کی تدوین ہوئی۔ بہشت دوزخ اور عذاب قبر کی نئی تشریحات کے لئے کلام الٰہی سے سند حاصل کرنے کی کوشش کی گئی، کہانت، غیب دانی، قبر پرستی، تعویذ گنڈے، جفر، نجوم، فال اور حلول جنات کے لئے قرآن ہی سے سرٹیفکیٹ لینے کی سعی کی گئی۔ اس طرح توہمات اور شکوک کی گرفت عوام پر مضبوط ہوتی چلی

گئی اور اسلام کے عقائد ظن و تخمین کے پردوں میں چھپتے چلے گئے۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے واضح طور پر ہدایت فرمائی ہے۔ کہ جس بات کا یقینی علم، سمع و بصر اور قلب سلیم کے ذریعے سے نہ ہو اس کو ہرگز باور نہ کیا جائے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل :36)

"جس بات کا تم کو یقینی علم نہیں اس کے پیچھے نہ ہو لیا کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور قلب سلیم سب سے اس امر کی پرسش ہو گی کہ اٹکل پچو بات کا تتبع کیوں کیا گیا"۔

قرآن اس بات کی بھی مذمت کرتا ہے کہ علم و بصیرت کے بغیر کوئی بات تسلیم کر لی جائے اور اس بات کو بھی برا سمجھتا ہے کہ محض عدم ادراک کی بناء پر کوئی بات جھٹلائی جائے کیونکہ انسانی گمراہیوں کا سرچشمہ یہی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو۔ ہو سکتا ہے کہ عقل سے بالاتر ہو بہت سے باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کا احاطہ انسانی فہم نہیں کر سکتی لیکن ہم یہ فیصلہ نہیں دے سکتے کہ وہ سرے سے خلاف عقل ہیں۔ کیونکہ ایک تو ہر فرد کی عقلی قوت یکساں نہیں ہوتی۔ ذہانت میں فرق ہے۔ سمجھ بوجھ ایک طرح کی نہیں، فکر کی پرواز یکساں نہیں۔ دوسرے عقل انسانی مسلسل نشوونما کی حالت میں ہے۔ جو بات ایک زمانہ میں خلاف عقل سمجھی جاتی ہے۔ دوسرے زمانہ میں وہ عقل کے عین مطابق ہو جاتی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ عقل کا ادراک ایک خاص حد سے آگے بڑھ نہیں سکتا اور عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہوتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کی تکمیل اور حیات کے ارتقاء کے لئے عقل ایک اعلیٰ درجے کا وسیلہ ہے اور تسخیر فطرت اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسی سبب سے قرآن نے جہاں بار بار تسخیر فطرت کی دعوت دی ہے۔ وہاں بار بار عقل سے کام لینے اور سوچنے کی بھی تاکید فرمائی ہے لیکن زندگی مادہ اور مادی دنیا تک ہی محدود نہیں ہے اس کے ساتھ ہی ایک اخلاقی اور روحانی دنیا بھی ہے۔ جس کو عقل کے ذریعہ سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس کو سمجھنا اور ترقی دینا بجائے خود اس زندگی میں ہماری فلاح کے لئے ضروری ہے۔ اسی وجہ

سے جہاں مادی اور دنیوی امور میں اسلام نے

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ط اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا ، اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ

کہا یعنی عقل فکر اور تدبر سے کام لیا جائے وہاں معاملات روحانی واخلاقی کے لئے

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ

غیب پر ایمان کی تلقین فرمائی ہے .... ان حالات میں قرآن کے محولہ "غیب" اور "توہمات" میں امتیاز کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اور یہ بات کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔ غیب کی جن باتوں پر ایمان رکھنے کی قرآن اور حدیث میں تاکید کی گئی ہے ہمارا ایمان بالغیب صرف انہی باتوں تک محدود رہنا چاہئے۔ قرآن اور حدیث سے باہر جو باتیں خلاف عقل ہیں وہ سب وہم اور شگون ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ ان پر یقین کرنا انسان کے لئے سخت نقصان دہ ہے!

توہمات سے انسان کو عملاً نجات دلانے کے لئے پیغمبر رحمت ﷺ نے کئی طریقے اختیار فرمائے۔ آپ ﷺ نے اس حقیقت کو انسانی ذہن میں مستحکم کر دیا کہ قوت وطاقت اللہ ہی کی ہے اور ہر توفیق اور ہر تحریک منجانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ کائنات میں کوئی اور طاقت نہیں ہے جو انسانی زندگی کے کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ دے سکے۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

یعنی توفیق اور طاقت اللہ ہی کیطرف سے ہوتی ہے۔ اس لئے کسی اور خیالی طاقت، کسی بھوت، پری یا بد روح کا تصور کر کے اس سے خوفزدہ ہونا، وسوسوں، شگونوں اور توہمات سے خائف ہونا انسان کے شایان شان نہیں ہے اس لئے اگر دل میں وسوسے پیدا ہونے لگیں تو

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

کی تاثیر سے ان کو دفع کیا جا سکتا ہے اور ان کے شر سے تحفظ کیلئے اللہ کی پناہ مانگی جا سکتی ہے۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا   خطبہ مسنونہ

"ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں سے"۔

وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ

(الاعراف :200)

"اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس ہو تو اللہ کی پناہ مانگو"۔ اور

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ (المومنون :97)

"کہو میرے رب! میں شیاطین کی اکساہٹوں سے پناہ مانگتا ہوں"۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ (الناس)

"کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے حقیقی معبود کی، اس وسوہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے"۔

جو حقیقت کلمہ طیبہ کے ذریعے ذہن نشین کرائی گئی ہے اسے قرآن مجید اپنے پیغام کے اختتام پر پوری قوت سے انسان ذہن میں بٹھا دیتا ہے کہ کہو اور یقین کر لو کہ صرف اللہ ہی رب ہے، بادشاہ ہے، معبود ہے اب تمہیں کسی اور سے ڈرنے، سہمنے کی ضرورت نہیں ہے یا کسی اور کے آگے سر جھکانے کی ضرورت نہیں ہے!

نفس امارہ

خواہش نفس کی پیروی فرد اور جماعت دونوں کے لئے انتہائی خوفناک نتائج کی حامل ہوتی ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان :43)

"کبھی تم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو خدا بنا لیا ہے"۔

خواہش نفس کو خدا بنانے سے مراد اس کی بندگی کرنا ہے اور یہ بھی حقیقت کے اعتبار سے ویسا ہی شرک ہے جیسے بت پرستی ہوتی ہے۔ اور شر دراصل خوف ہی کی ایک شکل ہے۔ سر د

کونین ﷺ نے فرمایا کہ

"اس آسمان کے نیچے اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے معبود بھی پوجے جارہے ہیں ان میں اللہ کے نزدیک بدترین معبود خواہش نفس ہے جس کی پیروی کی جارہی ہو"۔ (صحیح بخاری)

نفس کا غلام بدترین غلام ہوتا ہے اسے اس کی خواہشات نفس جدھر جدھر لے جاتی ہیں وہ ان کے ساتھ بھٹکتا پھرتا ہے وہ صحیح اور غلط اور حق و باطل میں امتیاز کرنے کی سعی نہیں کرتا۔ دراصل ایسا نفس فیل بے زنجیر ہوتا ہے وہ انسان کی تمام تعمیری صلاحیتوں اور فیصلہ کی قوتوں کو روندتا ہوا چلا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں انسانی نفس کی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔ ایک وہ جو برائیوں پر اکساتا ہے جس کو نفس امارہ کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جو برے کاموں پر یا بری نیت پر نادم ہوتا ہے۔ اسکو نفس لوامہ یا ضمیر کہا جاتا ہے۔ تیسرے وہ جو صحیح راہ پر چلنے پر اطمینان محسوس کرتا ہے اس کو نفس مطمئنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس سے مراد وہ انسان ہے جو پورے یقین کے ساتھ اللہ کے احکام کی پابندی کرتا ہے۔ حق اللہ اور حق العباد کو دیانتداری کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ ایسے ہی انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾ (الفجر 27 تا 30)

"اے نفس مطمئن! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں"۔

قنوطیت:

قنوطیت، خوف اور غم ہی کی تخلیق ہے۔ اسلام نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے۔ سرور کائنات ﷺ کی تعلیمات کی روح کے مطابق زندگی ذوق انقلاب اور حوصلہ مندی کا نام ہے۔ عام انسان اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کی بناء پر کشمکش حیات سے گریز کرنا چاہتا ہے۔ ٹھوکروں سے گھبراتا ہے اور مجہول سکون کا خواہشمند ہوتا ہے۔ دراصل عناصر فطرت انسان

کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں۔ لیکن جب انسان ان پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے تو ایسی مزاحمت تعاون اور امداد میں بدل جاتی ہے اور آئین فطرت انسان کو آگے بڑھانے میں مدد کرنے لگتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اس مزاحمت کے تصور ہی سے خوفزدہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ یاس، ناامیدی اور قنوطیت (Pessimism) کا شکار ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً اس کی ترقی رک جاتی ہے، اس کی زندگی ساکت، جامد اور غیر تخلیقی ہو کر رہ جاتی ہے۔

جوگ اور رہبانیت کی اصل بھی قنوطیت ہی ہے۔ بدھ مت اور عیسائیت نے نوع انسانی کو زندگی کی جدوجہد سے گریز سکھا کر ترک دنیا کی طرف راغب کر دیا۔ پھر یوگا فلسفہ نے بھی انسان کو گرمی حیات سے نابلد کر دیا اور درد و سوز آرزو مندی کی متاع بے بہا سے اس کو محروم کر کے پہاڑوں کی غاروں میں زندگی بسر کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ پتنجلی کہتا ہے:-

"انسان جب زندگی کے چار مقاصد یعنی نیکی، دولت، تمنا اور نجات کے تصورات سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے تو اس کی خالص خودی آزاد ہو کر فطرت اصلی اور خودی مطلق سے ہمکنار ہوتی ہے"۔ [1]

جیسا کہ اقبال نے کہا ہے، افلاطون بھی ایک لاچار انسان تھا جو ذوق عمل سے محروم تھا اور اسی سبب سے دنیا کی قدروں کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اس چیز کو مفید سمجھا جو دراصل مضر ہے۔ اور چونکہ وہ دینوی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے اس نے ترک دنیا ہی میں اپنی نجات کی راہ متعین کی۔

فکر افلاطوں زیاں را سود گفت　　حکمت او بود راہ نابود گفت
بس کہ از ذوق عمل محروم بود　　جان او وارفتۂ معدوم بود
راہب ماچارہ غیر از رم نداشت
طاقت غوغائے ایں عالم نداشت! [2]

شوپنہار [3] نے قنوطیت کے فلسفے کو طاقتور استدلال سے پیش کر کے اس کو ایک نظریہ حیات کی شکل دینے کی کوشش کی۔ اس کے نزدیک زندگی کے تمام مظاہر ایک اندھے ارادے کی

---

[1] Encyclopaedia Britinica Vol. 9 page 192　　[2] اسرار ورموز ص ۳۵

[3] Encyclopaedia Americana. Vol. 26 page (372)

تخلیق ہیں۔ زندہ رہنے کا ایک اندھا اور بے مقصد ارادہ ہے۔ جو ہر طرح ظاہر ہونے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ "رنج و غم" اور "درد و کرب" اس کے نتائج ہوتے ہیں اور چونکہ ایک اندھا ارادہ زندگی کا ماخذ ہے اس لئے اس کا کوئی علاج بھی نہیں ہے۔ اسی سبب سے تہذیب و تمدن میں ترقی کے ساتھ ساتھ مسرت اور خوشی میں ترقی نہیں ہوتی بلکہ رنج و غم، تباہی و بربادی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے...... اس لئے شوپہنار کہتا ہے کہ انسان کا حقیقی مقصد زندگی سے فرار ہونا چاہئے۔

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ تمام صورتیں دراصل انسان کے شکست خوردہ ذہن کا عکس ہیں اور اس میں ایسے انسان کی تمام نفسیاتی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ جو زندگی کی دوڑ میں شریک ہونے سے پہلے ہی ہار مان کر بیٹھ جاتا ہے اور خودکشی کی طرف مائل ہو جاتا ہے!

لیکن رحمت عالم ﷺ نے قنوطیت کو ام الخبائث اور جمود و سکوت کو انسانیت کے لئے مہلک ٹھہرایا اور کشمکش و جستجو کو انسانی زندگی کی ترقی کا ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ قرآن کا فرمان سنایا کہ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ (الاعراف :185)

"کیا یہ لوگ آسمان اور زمین کی تخلیق پر غور نہیں کرتے؟ اس کے متعلق جستجو نہیں کرتے؟ خدا نے جو چیزیں پیدا کی ہیں۔ ان کو نہیں دیکھتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آگئی ہے"۔

یعنی قدرت کے نزدیک جستجو سے گریز کی سزا قوموں کی موت ہوتی ہے۔

دراصل ہادی برحق ﷺ نے زندگی کی حقیقتوں پر اپنی تعلیمات کی بنیاد رکھی ہے اور انسان کو زوال اور جمود سے بچانے اور اس کے ممکنات حیات کو اجاگر کرنے کے راستے بتائے ہیں اور خود اپنی زندگی بھر کی جدوجہد اور کشمکش سے ان راستوں کو طپش آرزو اور سوز تمنا سے روشن کر دیا ہے.........!

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیش نظر لا یخلف المیعاد دار [۲]

---

[۲] بانگ درا ص ۳۰۳

چنانچہ ان لوگوں کو جو سعی و کشمکش میں حوصلہ ہار دیتے ہیں، سرور کونین ﷺ یہ مژدہ سناتے ہیں کہ اللہ کی رحمتیں بہت وسیع ہیں۔ اللہ اپنے مظلوم، بے بس اور بے کس بندوں اور زندگی میں ہارے ہوئے انسانوں پر بھی رحم کرتا ہے۔ انہیں تھامتا ہے۔ اٹھاتا ہے اور زندگی کی دوڑ میں شامل ہونے کے لئے سہارا دیتا ہے۔ اس لئے اللہ کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔
قرآن کا حکم ہے :-

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر 53:)

"مایوس نہ ہو اللہ کی مہربانی سے"۔

زندگی در جستجو پوشیدہ ہست اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو جان جہان رنگ و بوست فطرت ہر شے امین آرزو ست
مرگ را ساماں ز قطع آرزوست زندگانی محکم از لاتقنطو است [1]

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ، فرماتے ہیں کہ حوصلہ مند لوگ تو ٹھوکروں سے، تدبیروں کے ناکام ہونے سے، ارادوں کے شکست کھا جانے سے مایوس نہیں ہوتے بلکہ ان باتوں سے ان کے حوصلے اور بلند ہوتے ہیں!

تندیء باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے [2]

ہادی برحق ﷺ کے اسوہ حسنہ کے آئینے میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زندگی ایک اضطراب ہے، ایک آہنگ مسلسل ہے، ہمیشہ ابلنے والا ایک چشمہ ہے، کبھی نہ سوکھنے والا ایک دھارا ہے۔ زندگی ذوق انقلاب ہے، جوش کردار کا دوسرا نام ہے!

راز ہے، راز ہے تقدیر جہان تگ و تاز
جوش، کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر
جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز
عاقبت منزل ما وادیء خاموشان است
حالیہ غلغلہ در گنبد افلاک انداز [3]

---

[1] اقبال [2] خواجہ صادق حسین [3] بال جبرئیل ص ۲۰۱

لیکن جو لوگ شکست خوردہ ذہن رکھتے ہیں وہ ترک دنیا اور رہبانیت ہی میں سکون تلاش کرتے ہیں یا عہد حاضر کے اکثر بے حوصلہ انسانوں کی طرح منشیات میں پناہ لینا چاہتے ہیں اور انہی کے اثرات میں گم ہو جانے کو نجات سمجھتے ہیں۔

منشیات

آج نوع انسانی منشیات کے نتائج کے خوف سے دم بخود ہے۔ آنے والی نسلوں کے مفلوج ہونے کا شدید اندیشہ لاحق ہے۔ عہد حاضر میں ہیروئن اور اسی نوع کی سخت مہلک منشیات کی ایجاد اور ان کا تیزی سے پھیلتا ہوا استعمال دنیا کے دانشوروں کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے!

عام منشیات کا استعمال بہت قدیم ہے۔ بعض تہذیبوں اور تمدنوں کا یہ جزو رہا ہے لیکن ان کے نقصانات کبھی بھی انسانی شعور سے ڈھکے چھپے نہیں رہے، دنیا میں جتنے بھی پیغمبران دین آئے، اولیاء اللہ اور مصلحین پیدا ہوئے، ان سب نے ان سے پرہیز کی تلقین کی ہے اور ان کے مضر اثرات کی نشاندہی کی ہے اور آج یورپ اور امریکہ میں بھی جہاں شراب تہذیب کا جزو ہے، منشیات کی تباہ کاریوں کا احساس شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ منشیات کی ان برائیوں کا اعتراف اب ہر جگہ کیا جا رہا ہے جن کی نشاندہی چودہ سو سال پہلے عرب کے پیغمبر امی ﷺ نے کی تھی۔

اسلام نے ترک مسکرات کے لئے انسانی ذہن کو ابتداء تیار کیا۔ سورۃ البقر میں خمر سے اظہار ناپسندیدگی کیا گیا۔

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (البقرہ:219)

"تجھ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں۔ کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ فائدہ سے بڑا ہے"۔

اور سورۃ النساء میں نشہ کی حالت میں نماز سے منع کیا گیا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء: 43)

"اے ایمان والو، نماز کے نزدیک نہ جاؤ جس وقت کہ تم نشہ میں ہو"۔

قرآن مجید میں "خمر" کا لفظ استعمال ہوا تھا جس کے روایتی معنی انگور اور جو وغیرہ سے کشید کردہ شراب ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اس میں ہر نشہ آور چیز شامل

ہے۔ سیدنا حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ "خمر" سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک دے۔ اس سے بہتر تعریف آج تک نہیں ہو سکی۔ "خمر" یعنی ہر نشہ آور چیز کو بالآخر صراحتاً حرام کر دیا گیا۔ چنانچہ سورہ المائدہ کی آیت نمبر 90 میں فرمایا گیا کہ:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾

(المائدہ:90)

"اے ایمان والو! یہ خمر اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی"۔

اس آیت میں چار چیزیں منع کی گئی ہیں۔ لیکن غور فرمایئے اور انسانی زوال کی تاریخ پر نظر ڈالئے تو معلوم ہو گا کہ بعد میں تین چیزیں جوا، آستانے اور پانسے اور دیگر تمام شیطانی کام، سب خمر، شراب اور نشہ آور چیزوں کے لوازمات ہیں اور ان کا منطقی نتیجہ ہوتے ہیں اسی لحاظ سے قرآن مجید نے ان کو یکجا بیان فرمایا ہے۔

مسلمان دن میں کئی مرتبہ تبارک تعالیٰ سے التجا کرتا ہے کہ صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما۔ ایسے راستے پر چلنے کی توفیق دے جس پر چلنے سے تیری نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور ایسے راستے پر چلنے کی توفیق نہ دے جو تیرے غیض و غضب کی طرف لے جاتا ہے۔ سورہ الانعام کی آیت نمبر 153 میں باری تعالیٰ نے تنبیہہ فرمائی ہے کہ

"دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ میرے راستہ سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ اور منتشر کر دیں گے"۔

خود انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ وہ اپنے رب کے بتائے ہوئے راستے پر چلے۔ جب تک وہ خدا کی راہنمائی قبول کر کے اس کے متعین کردہ راستے پر زندگی بسر نہ کرے، انسانی فلاح ممکن ہی نہیں ہے۔ ہر دوسرے طریق کی پیروی لازماً انسان کو اس راہ سے ہٹا دیتی ہے جو خدا کے قرب اور اس کی رضا تک پہنچنے کی ایک ہی راہ ہے۔ اس راہ سے ہٹتے ہی بے شمار پگڈنڈیاں سامنے آجاتی ہیں جن میں نوع انسانی بھٹک کر پراگندہ ہو جاتی ہے اور اس پراگندگی کے ساتھ ہی اس کے ارتقاء کا خواب بھی پریشان ہو کر رہ جاتا ہے.........

منشیات، شراب، چرس، ہیروئن اور ولن کا راستہ بھی اللہ کا راستہ نہیں ہے۔ یہ
شیطان کا راستہ ہے جو بھی اس راستے پر روانہ ہوتا ہے، اس کی منزل اللہ کے غضب کی منزل
ہوتی ہے۔ جہاں وہ روحانی قدروں سے محروم ہو جاتا ہے، جسمانی، معاشی اور معاشرتی اعتبار
سے تباہ ہو جاتا ہے، جہاں اس کی زندگی ایک شدید عذاب بن کر رہ جاتی ہے اور اس کی موت
عبرت انگیز ہو جاتی ہے۔

انسان کو اس تباہی اور عذاب سے بچانے کے لئے ہمیشہ مصلحین نے کوشش کی
ہے۔ ترغیب بے اثر ہوئی تو سختی کا راستہ بھی اختیار کیا ہے۔ سرور کائنات ﷺ نے بھی پہلے
خمر سے احتراز کرنے کی ترغیب دی۔ ان کے نقصانات کی وضاحت فرمائی اور جب حرمت
کے احکام نافذ ہوئے تو سزائیں بھی دیں۔ آپ ﷺ کے زمانہ میں نشہ کرنے والے کو لات،
مکے اور چادروں کے سونٹے مارے جاتے تھے۔ سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی حکومت میں
چالیس کوڑے مارے جاتے تھے۔ سیدنا فاروقؓ اعظم کے عہد میں اسی کوڑوں تک کی سزا
تھی۔ حضرت امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ شراب کی یہی حد قرار دیتے ہیں۔ امام احمد
حنبلؒ اور سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہ کے نزدیک انتہائی سزا چالیس کوڑے ہے۔ [1]

خلفائے راشدین کے عہد کی سزاؤں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حکومت
اسلامی کے فرائض میں یہ امر داخل ہے کہ نشہ کی بندش کے اسلامی حکم کو طاقت اور قوت
سے نافذ کرے اور قانون کا بنیادی اصول ہے کہ جرم جس قدر زیادہ سنگین ہوگا۔ سزا بھی اسی
قدر سخت ہوگی۔ آج کل ہیروئن نوجوانوں کی ہلاکت اور خاندانوں کی تباہی کا باعث ہو رہی
ہے۔ اسلام میں ہلاک کرنیکی سزا موت ہے۔ اس لئے ان دشمنان ملت کو یہی سزا دی جانی
چاہئے۔ جو ہیروئن کے کاروبار کو چلا رہے ہیں یا اس کاروبار کو تحفظ دے رہے ہیں۔

بڑھاپے کا غم

جوانی جب ڈھلنے لگتی ہے تو بڑھاپے کا غم بھی انسان کے دل میں پیدا ہوتا جاتا
ہے۔ بوڑھوں کی بے بسی، معذوری اور بے کسی کے دردناک تصورات واضح ہونے لگتے
ہیں۔ جاہل خاندانوں اور بے ضمیر معاشروں میں بوڑھوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک اور

[1] تفہیم القرآن جلد اول ص ۵۰۳ تا ۵۰۴

مجرمانہ غفلت کی مثالیں ذہن میں ابھرنے لگتی ہیں۔ مغرب کی سوسائٹی میں تو یہ غم اور زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے جہاں بوڑھے والدین بے بس اور اپاہج ہو جاتے ہیں تو اولاد انہیں بیت المعذورین میں داخل کر دیتی ہے اور پھر پلٹ کر ان کی خبر لینا بھی اپنے لئے بار خاطر سمجھتی ہے۔ ان حالات میں بوڑھوں کی زندگی ایک عبرت ناک المیہ بن جاتی ہے، وہ اپنی اولاد کی صورت دیکھنے کے لئے بھی ترس جاتے ہیں اور زندگی کا آخری لمحہ بھی اسی غم میں گزار دیتے ہیں۔

رسول رحمت ﷺ نے انسان کو اس غم سے بھی نجات دلائی ہے۔ بوڑھے والدین کی خدمت کو عین عبادت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو راہ نجات قرار دیا ہے۔ ان کے حقوق کی صراحت کی ہے اور ان کی پابجائی کو فرض گردانا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید متنبہ فرماتا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

(بنی اسرائیل:23-25)

"اور (اے محمد ﷺ) تمہارے پروردگار کا فیصلہ یہ ہے کہ (اے لوگو!) خدائے عظیم کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے حین حیات میں بڑھاپے کو آ پہنچیں تو ان کے آگے اف تک نہ کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ہمیشہ جو کچھ کہنا ہو ادب کے ساتھ کہنا اور محبت سے خاکساری، عاجزی، شفقت اور رافت کا پہلو ان کے آگے جھکائے رکھنا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے مالک! جس طرح انہوں نے مجھ چھوٹے سے کو پالا ہے اور میرے حال پر رحم کرتے رہے ہیں، اسی طرح تو بھی ان پر اپنا رحم کر۔ اگر تم صلاحیت کے ساتھ اپنے ماں باپ کے ساتھ رہو گے تو تمہاری اتفاقی بھول چوک کو بھی اللہ معاف کرے گا۔ کیونکہ وہ توبہ کرنے والوں

کی خطاؤں سے بڑا در گزر کرنے والا ہے"۔

لاولد بوڑھوں کی پرورش اور دیکھ بھال کا فرض حکومت اور بیت المال پر عائد ہوتا ہے۔ خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔ پڑوسی بھی اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

موت

عام انسان کو سب سے زیادہ موت کا خوف لاحق رہتا ہے۔ حالانکہ موت کسی صورت ٹل نہیں سکتی۔ دنیا کے حقائق میں سب سے بڑی اور ٹھوس حقیقت موت ہی ہے! چنانچہ اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ!

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ (الجمعہ:8)

"ان سے کہو جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تو تمہیں آکر رہے گی"۔

اس لحاظ سے اس عالم رنگ و بو پر موت کا فرمان جاری ہے۔ کوئی نفس اس کے پنجہ آہنی سے بچ نہیں سکتا اور کوئی جاندار اس کی خونیں گرفت سے چھوٹ نہیں سکتا!

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران:185)

"ہر جاندار موت کا مزہ ضرور چکھے گا"۔

کلبہ افلاس میں، دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں!
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں! [1]

لیکن انسان کیلئے موت ہی سب سے زیادہ خوفناک ہے۔ موت ہی سے بچنے کی کوشش میں وہ دن رات لگا رہتا ہے۔ بڑے پاپڑ بیلتا ہے۔ دولت خرچ کرتا ہے۔ تعویذ گنڈے کرتا ہے۔ انسانوں اور قبروں سے بھی اعانت کا طلب گار ہوتا ہے اور اس طرح اپنے ضمیر، اپنے دین اور اپنے مذہب کا بھی بسا اوقات سودا کر لیتا ہے۔

موت کی ماہئیت کے بارے میں قرآن کی وضاحت یہ ہے کہ

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:2)

---

[1] بانگ درا ص ۳۳۰

"اللہ نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے"۔

اس ارشاد الٰہی سے کئی حقیقتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ موت و حیات اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ دوسرے انسان کی زندگی اور موت دونوں بامقصد ہیں۔ تیسرے انسان کے لئے دنیا میں وقت دیا جاتا ہے۔ چوتھے اللہ ہی اس امر کا فیصلہ کرتا ہے کہ کس کا عمل اچھا ہے اور کس کا برا ہے۔ اور وہی بہترین انصاف کرنے والا ہے، پانچویں جس شخص کا جیسا عمل ہوگا اسی کے لحاظ سے جزاوسزا کا وہ مستحق ہوگا اور چھٹے، انسان مر کر فنا نہیں ہوتا۔

جوہر انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں [۲]

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ موت سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق انسان مر کر بالکل فنا ہو جاتا ہے۔ فنا کا تصور انسان کے لئے بہت زیادہ وحشت ناک ہوتا ہے۔ لیکن قرآن واضح فرماتا ہے کہ:-

وَقَالُوٓا۟ ءَإِذَا ضَلَلْنَا فِى ٱلْأَرْضِ ءَإِنَّا لَفِى خَلْقٍ جَدِيدٍۭ ۚ بَلْ هُم بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كَٰفِرُونَ ﴿١٠﴾ قُلْ يَتَوَفَّىٰكُم مَّلَكُ ٱلْمَوْتِ ٱلَّذِى وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾

(السجدہ:10-11)

"اور یہ لوگ کہتے ہیں جب ہم مٹی میں رل مل چکے ہوں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے؟ اصل بات یہ ہے کہ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ ان سے کہو موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تم کو پورا کا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا۔ اور پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹا لائے جاؤ گے"۔

اس سے ظاہر ہے کہ انسان کی روح مٹی میں نہیں ملتی جس کو "میں" کہا جاتا ہے وہ مٹی میں فنا نہیں ہوتا۔ مٹی میں تو وہ جسم ملتا ہے جس سے "میں" نکل چکا ہوتا ہے جس کا نام "میں" نہیں ہے۔ ذرا سوچئے کہ ہم یہ تو کہتے ہیں کہ یہ میرا پاؤں ہے یہ میرا ہاتھ ہے یہ میرا سر ہے۔ یہ میرا منہ ہے وغیرہ لیکن ان میں سے کوئی جزو بھی "میں" نہیں ہے۔ یہ اجزاء کاٹ کر الگ کئے جائیں تو بھی "میں" پورا کا پورا باقی رہتا ہے۔ اس "میں" کا کوئی جزو بھی کٹے ہوئے عضو کے ساتھ

---

[۲] بانگ درا ص ۲۶۴

علیحدہ نہیں ہوتا۔ البتہ موت کی صورت میں یہ "میں" جسم سے نکال لیا جاتا ہے اور پورا جسم سالم موجود تو ہوتا ہے لیکن اس پر "میں" کا اطلاق کسی طور نہیں ہو سکتا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ موت کے بعد انسان نئے سرے سے پیدا کیا جائے گا۔ قدرت کے لئے یہ بات مشکل نہیں ہے۔ اس جسم کی تشکیل قدرت نے متعدد مادی عناصر سے کی۔ پھر اس میں "میں" کو رکھ دیا جس سے ایک باشعور انسان وجود میں آ گیا۔ پھر موت کی صورت میں اس "میں" کو اس جسم سے نکال لیا اور ان مادی عناصر کو جن سے جسم کی تعمیر ہوئی تھی واپس زمین کی طرف لوٹا دیا۔ ان حالات میں یہ بات ہر شبہ سے بالاتر ہے کہ جس قدرت نے اس جسم کی تعمیر کی تھی وہی قدرت ان ہی عناصر سے دوبارہ اسی جسم کی تخلیق کر سکتی ہے اور دوبارہ اس "میں" کو اس میں آباد کر سکتی ہے۔

یہ بات قطعی ہے کہ موت سے انسان معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کی روح جسم سے نکل کر باقی رہتی ہے۔ موت کا فرشتہ اس روح کو اپنے قبضے میں لے لیتا ہے۔ یہ روح جسے "میں" اور "تو" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پوری کی پوری نکال لی جاتی ہے۔ اس کو آخرت میں اس کا اپنا جسم اور نئی زندگی دی جائے گی اور اس سے دنیا میں کیے گئے اعمال کا حساب لیا جائے گا

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موت کی بعد روح کے ازتقاء کی کوئی صورت موجود ہے؟ اسلام کا جواب اثبات میں ہے۔ یعنی موت کے بعد روح نئے روپ اختیار کرتی جاتی ہے اور اپنے اعمال اور صلاحیتوں کے مطابق مراتب حاصل کرتی جاتی ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ (اسرائیل:۲۱)

"اور آخرت میں تو اور بڑے درجے اور بڑی فضیلت ہے"۔

بالفاظ دیگر انسانی ارتقاء کی بے شمار منازل میں موت ایک منزل ہے۔ چنانچہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ موت عمل انجذاب کا ایک مرحلہ ہے۔ اسی عمل انجذاب کے تحت جمادات، نباتات کا جزو بن جاتے ہیں۔ نباتات ترقی کرتے ہیں تو حیوانات کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ حیوانات انسان کے درجے کو پہنچتے ہیں اور انسان موت کے بعد خدائی صفات حاصل کر کے خودی مطلق سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

از جمادی مردم و نامی شدم وز نما مردم بحیواں سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم پس چہ ترسم کے زمردن کم شدم
حملہ دیگر بمیرم از بشر تابرآرم از ملائک بال و پر
وز ملک ہم بایدم جستن زجو **كل شيئى هالك الا وجهه**
بار دیگر از ملک قرباں شوم آنچہ اندر وہم نایدآں شوم
پس عدم گردم، عدم چوں ارغنوں
گویدم کانا الیہہ راجعون [1]

اقبالؒ کا بھی یہی خیال ہے [2] وہ سمجھتے ہیں کہ انسانی شعور نے روح کی بلندیوں کو غیر محدود کر دیا ہے۔انسان میں موت کے بعد بھی بقا کی تمنا موجود رہتی ہے۔ یعنی انسانی خودی میں غیر فانی اور غیر متغیر کے ساتھ وابستگی کا جو عشق موجود ہے وہ انسان کو لازوال بنادیتا ہے اس لحاظ سے اگر موت کی وجہ سے ایک دنیا نظر سے غائب ہو جائے تو اس کی کیا پرواہ ہے کیونکہ انسان کے ضمیر کے اندر موت کے بعد بھی بیشمار عالم موجود رہتے ہیں۔

دل من رازدان جسم و جاں است نہ پنداری. اجل .برمن گراں است
چہ غم گریک جہاں گم شد زچشمم ہنوز اندر ضمیرم صد جہاں است [2]

بلاشبہ انسان کے لئے موت کا خوف ہر خوف سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں خوف مرگ زائل ہو جاتا ہے تو وہ بھی غیر فانی ہو کر حیات جاودانی حاصل کر لیتا ہے۔اسی سبب سے سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت روبہ زوال نہیں ہو گی۔ اور اگر ہو گی تو صرف دو باتوں سے ایک تومال کی محبت اور دوسرے موت کا خوف دراصل ایسا ہوتا ہے کہ خوف مرگ کے زیر اثر انسان ہزاروں بے بنیاد خوف اپنے دل ودماغ پر مسلط کر لیتا ہے۔جس کے باعث اس کی تمام صلاحیتیں مرجھا جاتی ہیں۔ لیکن خدا کی رحمت ہوتی ہے اس انسان پر جس کا تخیل خوف مرگ سے آزاد ہو تا ہے۔کیونکہ فانی ہونے کے باوجود اس کے ضرب کلیمی سے خود موت خوفزدہ ہو جاتی ہے۔!

بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ یک مقام از صد مقام اوست مرگ
می فتد بر مرگ آں مرد تمام مثل شاہینے کہ افتد بر حمام

---

[1] مثنوی مولانا روم دفتر سوم [2] پیام مشرق ص ۶۷

ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ　زندگی او را حرام از بیم مرگ [1]

یعنی کمزور انسان ہر لمحہ خوف مرگ سے مرتا رہتا ہے اس طرح اس کی زندگی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔ لیکن مرد کامل کی مثال شیر کی سی ہوتی ہے جس کے سامنے موت بھاگنے والے ہرن کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ مرد کامل موت پر اس طرح حملہ آور ہوتا ہے۔ جس طرح شاہین کبوتر پر جھپٹتا ہے۔ ایسا ہی انسان تمام اندیشوں سے بالاتر ہو کر موت پر فتح حاصل کر لیتا ہے......! یہ فتح مندی مسرتوں کی تخلیق کرتی ہے اور یہ مسرتیں موت کے وقت اس کے لبوں پر مسکراہٹیں بکھیر دیتی ہیں۔!!

نشان مرد حق دیگر چہ گویم !
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست! [2]

انسانی خودی کے لئے موت پہلی منزل ہے۔ اس دنیا کے بعد بھی بے شمار عالم موجود ہیں جو مرد کامل کے منتظر اور اس کی شوخی فکر و عمل کے آرزو مند ہیں!

یہ منزل یہ ہنگامہ رنگ وصوت　یہ عالم کہ ہے زیر فرمان موت
یہ عالم، یہ بت خانہ چشم و گوش　جہاں زندگی ہے فقط خورد و نوش
خودی کی یہ ہے منزل اولیں　مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں
جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود　کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر　طلسم زمان و مکاں توڑ کر
ہر اِک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیء فکر و کردار کا [3]

اس طرح انسان کی خودی موت کے بعد نہایت سرعت سے ارتقائی منازل طے کرتی جاتی ہے۔ جسم خاکی مٹی میں مل جاتا ہے اور روح ان مناصب کی انجام دہی میں مصروف ہو جاتی ہے جو اس کے سامنے ہوتے ہیں ان امور کی تکمیل کے بعد وہ لطیف تر ہو کر خالق حقیقی کی طرف رجوع کرتی ہے اور اس اعلیٰ ترین مقام تک پہنچ جاتی ہے۔ جہاں اس کا رب اس سے راضی اور وہ اپنے رب سے راضی ہوتی ہے اور جسے نفس مطمئنہ سے قرآن مجید میں ظاہر کیا گیا ہے!

---

[1] جاوید نامہ ص ۲۱۷　[2] اقبال۔ ارمغان حجاز ص ۱۶۵　[3] بال جبرائیل ص ۱۷۳

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

"اے نفس مطمئن چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے"۔ (الفجر : 27-28)

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں ٹوٹنا جس کا مقدر ہو، یہ وہ گوہر نہیں
زندگی محبوب ایسی دیدۂ قدرت میں ہے ذوق حفظ زندگی ہر چیز کی فطرت میں ہے
موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظام کائنات! [1]

طبقاتی اور بین الاقوامی خوف

نوع انسانی کی مصیبتیں اور خود اپنے ہاتھوں پیدا کردہ مصیبتیں بے شمار ہیں۔ ان میں طبقاتی احساس کمتری اور بین الاقوامی خوف وہراس بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ لوگوں نے خدا کے بندوں کے درمیان حسب ونسب، مال ودولت، رنگ وروپ، صورت وشکل، مذہب وعقیدہ کی خلیجیں حائل کر دی ہیں۔ اور نوع انسانی کے لئے خوف اور غم کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں۔ ہندوؤں نے اپنے سوا سب کو ناپاک سمجھا اور اپنے سماج کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے انسانی شرف کو پامال کیا۔ اس تقسیم میں شودروں کو ذلیل ترین انسان قرار دیا گیا قدیم ایران میں بھی یہی چار ذاتیں اسی طرح موجود تھیں۔ رومیوں کے نزدیک ساری دنیا ان کی غلامی کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ بنی اسرائیل نے اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دیا اور باقی انسانوں کو حیوان سمجھا۔[2] اور خود عصر حاضر کے ترقی یافتہ ممالک کا اس تہذیب وتمدن اور انسانی محبت ومساوات کے دعوؤں اور منشور او قیانوس اور اعلان حقوق انسانی کے باوجود کیا حال ہے؟ وہ خود کو تہذیب وتمدن کا ٹھیکہ دار سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کی تہذیب وتمدن کی برکتوں کو ان کی خون آشامیوں میں دیکھئے جو انہوں نے پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا پر مسلط کی ہیں۔ مراکش، تیونس، کوریا، الجزائر، ویتنام اور افریقہ میں انسانی خون کے جمے ہوئے ٹکڑے سوکھنے بھی نہیں پائے تھے کہ کمپوچیا، فلسطین اور افغانستان کی سرزمین کو انسانی لہو سے رنگین کر دیا گیا۔ دونوں سپر طاقتوں، روس اور امریکہ نے جوہری ہتھیاروں کے ڈھیر لگا

---

[1] بانگ درا ص ۲۵۹

[2] The Spirit of Islam Pages XXXIX & XXXIII

دیئے اور تباہ کن ہائیڈروجن بموں اور سٹار وار کی تیاریوں سے خدا کی زمین کے وجود کو خطرے میں ڈال دیا اور ساری نوع انسانی کو عذاب میں مبتلا کر دیا۔ آج ایک سپر پاور دوسرے سپر پاور سے، ایک قوم دوسری قوم سے، ایک ملک دوسرے ملک سے خوفزدہ ہے اور اعصاب شکن مشکلات میں مبتلا ہے۔ ایک کو دوسرے پر اعتماد نہیں ہے اور ہر ایک اپنے اپنے داؤ میں لگا ہوا ہے۔ یہی نہیں بلکہ سفید قوموں نے رنگ و نسل کی دیواریں کھڑی کر دی ہیں۔ کالی قومیں ان کی برابری کے لائق نہیں ہیں۔ یہ تفرقے خدا کے گھروں میں بھی قائم کئے گئے ہیں کالوں کے گرجوں کو گوروں کے گرجوں سے الگ کر دیا گیا ہے۔ گوروں کیساتھ خدا کے آگے جھکنے کا بھی انکو حق نہیں ہے اس پس منظر میں اس منشور کو دیکھئے جو رحمتہ اللعلمین ﷺ نے اللہ کی طرف سے انسان کو دیا ہے۔ قرآن کہتا ہے:-

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

(حجرات : 13)

"اے انسانو! تم سب کو خدا نے ایک ہی مرد عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلوں اور خاندانوں میں صرف اس لئے تشکیل دیا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ ورنہ خدا کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے!"۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ دولت اور اولاد کی کثرت بھی اللہ کے نزدیک عزت کا وسیلہ نہیں ہے بلکہ صرف ایمان اور نیک اعمال ہی وجہ امتیاز ہو سکتے ہیں۔

وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَى إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا

(سبا :37)

نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے جو تمہارا درجہ ہمارے ...... نزدیک کر دے۔ لیکن جو کوئی ایمان لایا اور اس نے اچھا کام کیا۔ اس کو اپنے کام کا دگنا بدلہ ملے گا۔

دراصل پیغام محمد ﷺ نے انسان کی قائم کردہ تمام حد بندیوں کو توڑ دیا۔ تمام تفرقوں کو مٹا دیا۔ حسب و نسب، مال و دولت، رنگ و نسل زبان و جغرافیہ کے امتیازات کو جڑ سے اکھاڑ دیا

اور اعلان کیا کہ :-

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء الناس من اٰدم واٰدم من تراب ۔

(ابن ہشام)

"اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا، تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔

اور حجۃ الوداع کے مجمع میں آپ ﷺ نے بآواز بلند فرمایا کہ :-

لیس للعربی فضلٌ علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی کلکم ابناء اٰدم واٰدم من تراب ۔

(مسند احمد)

"عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ تم سب کے سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔

جوہر ما بامقامے بستہ نیست بادۂ تندش بجامے بستہ نیست
ہندی و چینی سفال جام ماست رومی و شامی گل اندام ماست
حکمتش یک ملت گیتی نورد بر اساس کلمہ تعمیر کرد [1]

اور پھر آپ ﷺ نے نیکی و بدی کے اصل فرق کو اجاگر فرمایا کہ

عصبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما ھو مؤمن تقی وفاجر شقی الناس کلھم بنو اٰدم واٰدم خلق من تراب ۔

(ترمذی و ابو داؤد)

"خدا نے جاہلیت کے زمانے کے غرور اور نسب کے فخر کو مٹا دیا۔ انسان اب متقی ایماندار ہے یا گنہگار بد بخت ہے۔ تمام انسان آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے"۔

اور پھر آپ ﷺ نے انسانی خون کی حرمت کو ایک واضح حکم کے ذریعے قائم کر کے

---

[1] اسرار رموز ص ۱۲۹

ناجواز طبقاتی خون آشامی اور بین الاقوامی خونریزی پر پابندی عائد فرمادی۔ قرآن کا حکم ہے کہ

وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ (الفرقان : 68)

"مت مارو کسی نفس کو جس کو اللہ نے منع کر دیا ہے"۔

قرآن نے مزید وضاحت کی کہ :-

اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

(المائدہ : 32)

"جس شخص نے کسی کو بغیر قصاص کے یا بغیر کسی فساد کے قتل کر دیا تو گویا اس نے اپنی گردن پر تمام دنیا کا خون لے لیا اور جس نے کسی ایک آدمی کو قتل سے بچالیا تو گویا اس نے تمام دنیا کو زندہ کر دیا"۔

یہ ہے حقوق انسانی کا وہ منشور جو منشور اوقیانوس کے برعکس بغیر کسی ذہنی تحفظ کے نوع انسانی کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ جو حسب و نسب کے غرور کو توڑتا ہے۔ قلوب انسانی کو جوڑتا ہے اور خون و نسل، جغرافیہ اور زبان کی مجازی زنجیروں کو کاٹ کر ہر انسان کو خدا کی زمین پر آزاد کر دیتا ہے!

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو برما حرام است کہ ما پروردہ یک نو بہاریم![1]

احساس کمتری

احساس کمتری بلاشبہ غم کو جنم دیتا ہے اور خوف کی تخلیق کرتا ہے۔ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے کہ ساری دنیا میں بجز مراعات یافتہ طبقات کے عام انسان کو احساس کمتری میں غرق کر دیا گیا تھا۔ لیکن اسلام نے انسانی عظمت کا نعرہ اس وقت لگایا جب اس عنوان پر

---

[1] پیام مشرق ص ۵۳

سوچنے کا تصور بھی موجود نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

(بنی اسرائیل : 70)

"اور ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ہم نے ان کو خشکی اور دریا میں سوار کیا اور پاکیزہ چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی"۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التین:۴)

"ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا"

نیز اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا۔ کائنات کی کوئی مخلوق انسان کی اس فضیلت میں شریک نہیں ہے۔ قرآن کریم نے اس کو امانت قرار دیا ہے اور انسان کو اس کا امین ٹھہرایا ہے۔ قرآن کی رو سے ساری مخلوق نے اس بار امانت کو اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زوند!

اللہ رب العزت فرماتا ہے :۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ

(الاحزاب : 72)

"ہم نے یہ امانت آسمان، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی۔ مگر انہوں نے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا"۔

اس بات سے انسان کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی سے اس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ انسان اپنے عمل اور اپنی زندگی پر قادر ہے۔ وہ صاحب اختیار ہے۔ صاحب اقتدار ہے اس کی زندگی اس کے اپنے عمل پر مبنی ہے اور اس کا مستقبل اس کی جستجو اور کشمکش پر منحصر ہے۔ قوائے فطرت پر اس کو تسلط حاصل ہے۔ زمین اور آسمان، بادل، اور گھٹائیں اس کے

بع فرمان ہیں۔ زمانہ اس کی آنکھوں کے اشارے کا منتظر ہے۔

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں   یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں   تھیں پیش نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں
آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ! [۱]

دت کا اعجاز بھی انسان ہی کو عطا ہوا تھا۔ اس اعجاز نے عجیب و غریب کمالات پیدا کر دیئے
ھے۔ اس کی بدولت ایسے انسان پیدا ہوئے تھے کہ تاریخ ان کی گواہی نہ دیتی تو دنیا یہ سمجھتی
ران کا وجود محض افسانوی تھا۔ ایسے ہی نبیوں کے فیضان نظر نے بڑے عظیم المرتبت مرد
ل پیدا کئے تھے۔ جن کے کردار کی چمک آج بھی ہماری نگاہوں کو چکا چوند کر رہی ہے۔
یسے ہی لوگوں کے متعلق اقبالؒ فرماتے ہیں :-

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولیٰ صفات   ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل   اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو   رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب   عہد کہن کر دیا اس نے پیام رحیل!
ساقی ارباب ذوق، فارس میدان شوق   بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل [۲]

ں اعتبار سے اسلام نے انسان کے مقام کو بلند و بالاتر کر دیا ہے۔ اور اسے عزت بخشی ہے۔
ں کے تمام حقوق، معاشرتی، معاشی، سیاسی اخلاقی حقوق، ان سب میں ایک ہی روح کار فرما
ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کا مقام ساری کائنات سے برتر ہے اور تہذیب و تمدن کی اصل اس
کے احترام میں مضمر ہے۔

برتر از گر دوں مقام آدمی است   اصل تہذیب احترام آدمی است [۳]

ثریعت الٰہی نے جو بنیادی معاشرتی حقوق انسان کو دیئے ہیں ان میں جان و مال، عزت و آبرو کا
تحفظ، اور اجتماع کی آزادی شامل ہیں۔ ہر انسان کا یہ حق ہے کہ اس کے ساتھ ہر شعبہ حیات
میں انصاف کیا جائے۔ اس کا یہ بھی حق ہے کہ قانون اور ریاست کی نظر میں سب انسان

---

۱ بال جبریل ص ۱۷۸   ۲ بال جبریل ص ۱۳۲   ۳ جاوید نامہ ص ۷۵

برابر ہوں، اس طرح اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں ہر فرد کو احساس تح
حاصل ہو یہ محض سنگسار کرنے والا، ہاتھ کاٹنے والا، کوڑے مارنے والا، بات بات پر دوز
سے ڈرانے والا معاشرہ نہیں ہے جیسا کہ جاہل ملا تاثر دیتے ہیں۔ مولانا حالی نے اسی لئے
تھا کہ :-

واعظو! آتش دوزخ سے جہاں کو تم نے
وہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت!

یہ سلسلہ جاری رہا تو اندیشہ ہے کہ ہماری قوم جو اسی فیصد ناخواندہ ہے کہیں اسلام کے مش
سے بدگماں نہ ہو جائے حالانکہ اسلام بنیادی طور پر اصلاح وعلاج، عفو ودرگزر کا علمبردار
اسی سبب سے شفیع المذنبین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

"دین میں سختی نہ برتو۔ دین میں آسانی پیدا کرو۔ لوگوں کو خوشخبری سنایا کرو۔ ان میں نفر
پیدا نہ کرو"۔ (صحیح بخاری)

صحیح مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اکرم علیہ السلام نے فرمایا :-

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم ایسے ہو جاؤ کہ گناہ تم
سے سرزد ہی نہ ہو تو خدا تمہیں زمین سے ہٹا دے اور تمہاری جگہ ایک دوسرا گروہ
پیدا کر دے جس کا شیوہ یہ ہو کہ گناہوں میں مبتلا ہو، اور پھر خدا سے بخشش و
مغفرت کا طالب ہو"۔

اسلام رحمتہ اللعالمین علیہ السلام کا مذہب ہے۔ اس کا آغاز "رحمٰن اور رحیم" کے تصور سے ہو
ہے جس معاشرے میں اللہ کی رحمت اور اس کے رسول علیہ السلام کی رحمت اللعالمینی کا رنگ
غالب نہ ہو، وہ نظام محمد مصطفیٰ علیہ السلام نہیں ہے، رحمت اللعالمین سے نسبت کا حقدار نہیں۔

ہر کجا ہنگامہ عالم بود
رحمت للعالمینی ہم بود !

یہی حقیقت قرآن سے بھی عیاں ہے۔ جہاں کہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے گناہگار انسانوں
مخاطب کیا ہے یا ان کا ذکر کیا ہے تو عموماً یائے نسبت کی ساتھ کیا ہے جو محبت پر دلالت کر
ہے۔

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

(الزمر : 35)

''کہ دواے میرے بندو! جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جان پر''۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾

''کیاتم نے بھکایا میرے ان بندوں کو'' (17:25)

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک باپ جوش محبت میں اپنے بیٹے کو پکارتا ہے، تو خصوصیت کے ساتھ اپنے رشتہ پدری پر زور دیتا ہے۔ ''اے میرے بیٹے!''۔ ''اے میرے فرزند!''۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو بھی ''اے میرے بندو!'' کہہ کر پکارتا ہے۔ قرآن مجید میں بیس سے زیادہ موقعوں پر ہمیں ''عبادی'' کہہ کر اپنی طرف نسبت دیتا ہے۔اور رحمت و محبت کا ایجاب کرتا ہے۔ در حقیقت اللہ تعالیٰ کا یہ کارخانہ خلقت اپنے وجود و بقا کے لئے ربوبیت، رحمت اور عدالت کا محتاج ہے۔ یہی تین معنوی عنصر ہیں جن سے خلقت و ہستی کا قوام ظہور میں آیا ہے۔ ربوبیت، رحمت اور عدالت یہ وہ حقیقتیں ہیں جن میں نیک بندے بھی اور گناہگار انسان بھی برابر برابر کے شریک ہیں!

غلامی

فطرت نے انسان کو آزادی کا گوہر عطا کیا تھا۔ چنانچہ اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ خدا نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے، لیکن یا تو خود اس نے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہن لیں یا جابر انسانوں اور ظالمانہ روایات نے اس کو پابہ زنجیر کردیا۔

آدم از بے بصری بندگی آدم کرد　گوہرے داشت و لے نذر قبا و جم کرد[1]

اس لحاظ سے انسانی معاشرہ کا حقیقی انقلاب وہی ہو سکتا ہے۔ جس میں اس غلامی سے انسان کو نجات دلائی جائے اور اللہ کی رحمت کے لقب کا وہی حقدار ہو سکتا ہے جو انسان کے اس غم کو مٹا سکے، انسان کے گوہر آزادی کو لوٹا سکے۔

حالت غلامی برائیوں کی جڑ ہے، مایوسی اور کفر کو جنم دیتی ہے۔ اسلام کا نقطہ نظریہ

---

[1] پیام مشرق ۱۵۷

ہے کہ صرف توحید کی طاقت سے، عصائے لا الہ سے خوف کے ہر طلسم کو، ہر بت کو توڑا جاسکتا ہے۔اسی کی بدولت غلامی کی ہر زنجیر کو کاٹ دیا جاسکتا ہے۔ تخیل و تصور کو گمراہ کرنے والے ہر فساد کی رگ گردن کاٹ دی جاسکتی ہے!

تا عصائے لا الہ داری بدست ہر طلسم خوف را خواہی شکست

نقطہ ادوار عالم لا الہ انتہائے کار عالم لا الہ [1]

بلاشبہ یہ تعلیم انسان کے سینے میں حقیقی طاقتور دل رکھ دیتی ہے،ایسادل کہ جس کی ہیبت سے ہمالیہ کادل دہلنے لگتا ہے اور جس کی گرمی سے کائنات کی یخ بستہ رگوں میں خون کھولنے لگتا ہے!

بعثت رسول ﷺ سے قبل ساری دنیامیں اسیران جنگ کو بھی غلام بنالیا جاتا تھااور ان کے ساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک روار کھا جاتا تھا۔ رومیوں اور یونانیوں کے ہاں ان کو یا تو قتل کر دیا جاتا تھایاہمیشہ کے لئے غلامی اور بے بسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا۔ نیز غیر قوموں کو محض غلام بنانے کے لئے جنگ کرنا بھی یونانیوں کے ہاں جائز تھا۔ روم کی تماشہ گاہوں میں اسیران جنگ ہی کو زندہ جلادیا جاتا تھایاعقوبتیں دے کر قتل کیاجاتا تھا۔یا درندوں سے پھڑوایاجاتا تھااور بسااوقات ان تماشوں میں ایک ایک رات میں ہزاروں غلاموں کو تہ تیغ کر دیاجاتا تھا۔ [2]

رومی معاشرے میں غلاموں کا کوئی مقام بھی نہیں تھا۔ان کے خون کی کوئی قیمت نہیں تھی۔فیرر کہتا ہے :-

"وہ ذلت کے بچپن، مشقت کی جوانی اور بے رحمانہ تغافل کے بڑھاپے میں پیدائش سے موت تک کے مراحل طے کرتے تھے"۔ [3]

ایران کے غلاموں کا بھی یہی نصیب تھا۔ان کے ساتھ بھی جانوروں سے بدتر سلوک کیاجاتا تھا۔انہیں سخت سے سخت جسمانی مضرت دینے پر بھی ظالم سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی تھی۔ ملکی رواج اور قومی اخلاق میں ان کی بہتری کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ [4]

---

[1] اسرار رموز ص ۷۴

[2] Decline & Fall of Roman empire page 39

[3] Ferrar. Page 3

[4] Skyes. vol.1.

ہندوستان میں آبادی کے بہت بڑے حصے کو قانوناً اور مذہباً شودر قرار دیا گیا تھا۔ پیدائشی غلام ہوتے تھے جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے ان کے ساتھ انتہائی انسانیت سوز سلوک روا رکھا جاتا تھا۔

محسن انسانیت ﷺ کی بعثت سے پہلے تین قسم کے غلام ہوتے تھے ایک وہ جو نسل در نسل غلام چلے آ رہے تھے اور کوئی پتہ نہیں تھا کہ ان کے آباواجداد کب غلام بنائے گئے تھے۔ دوسرے وہ آزاد انسان جن کو پکڑ کر زبردستی غلام بنایا جاتا تھا یا فروخت کر دیا جاتا تھا اور تیسرے وہ لوگ جو میدان جنگ میں یا جنگ کے دوران قید کر لئے جاتے تھے۔ سارا انسانی معاشرہ ان غلاموں سے بھرا ہوا تھا۔ بیشتر معاشی اور معاشرتی نظام غلاموں ہی کی محنت اور مشقت سے چل رہا تھا۔ ان حالات میں حضور اکرم ﷺ کے سامنے کئی دشواریاں تھیں اور کئی مشکلات آپ ﷺ کی راہ میں حائل تھیں۔ آپ ﷺ کے سامنے دو مسائل تھے۔ ایک تو یہ کہ ان لوگوں کو غلامی سے کس طرح چھٹکارا دلایا جائے جو موروثی غلام تھے۔ دوسرے یہ کہ آئندہ غلامی کے انسداد کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ پہلے مسئلہ کے حل کے لئے آپ ﷺ نے غلاموں پر سے یک لخت لوگوں کے حقوق ملکیت کو ساقط کرنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ اس سے نہ صرف سارا معاشی اور معاشرتی نظام مفلوج ہو جاتا اور سخت الجھنیں اور پیچیدگیاں پیدا ہوتیں بلکہ شدید خانہ جنگی کا سامنا بھی کرنا پڑتا۔ اور پھر مسئلہ لاینحل ہی رہتا۔ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ بصیرت نے واضح کر دیا تھا کہ یہ مسئلہ مصلحتاً اور عملاً حل ہو سکتا ہے۔ اس کو حکماً نافذ کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بالراست حکم نافذ کرنے کی بجائے بالواسطہ تدبیریں اختیار کیں۔ اس غرض کے لئے آپ ﷺ نے ایک زبردست اخلاقی تحریک شروع کی اور تلقین اور ترغیب کے ذریعے لوگوں کے ضمیر سے اپیل کی کہ آخرت میں اجر اور مقامات بلند کے لئے یا گناہوں اور قصوروں کے کفارہ کے لئے غلاموں کو آزاد کیا جائے یا معاوضہ لے کر انکو چھوڑ دیا جائے۔ آپ ﷺ نے خود تریسٹھ غلام آزاد کئے۔ حضرت عائشہؓ نے سینسٹھ، حضرت عباسؓ نے ستر، حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک ہزار اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے تیس ہزار غلاموں کو آزادی عطا کی۔ اس طرح نیکی کا ایک عام جذبہ پیدا ہوا جس

کے نتیجے میں لوگ نہ صرف اپنے غلام آزاد کرتے تھے۔ بلکہ دوسروں سے خرید کر بھی رہا کر دیتے تھے۔اس طرح خلافت راشدہ کے اختتام سے پہلے ہی تمام موروثی غلام آزاد ہو چکے تھے۔ آئندہ کے لئے آپ ﷺ نے ایک قطعی حکم نافذ فرمایااور کسی آزاد انسان کو پکڑ کر غلام بنانے کو حرام قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :-

"تین شخص ہیں جن کے خلاف روز حشر میں خود مدعی بنوں گا ایک وہ جس نے میرا ذمہ دے کر بد عہدی کی۔ دوسرے وہ جس نے آزاد انسان کو پکڑ کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ جس نے مزدوروں سے پورا پورا کام لیا اور اس کی مزدوری نہ دی"۔(بخاری)

البتہ جنگی قیدیوں کو صرف اس صورت میں غلام بنا کر رکھنے کی اجازت دی (حکم نہیں دیا) جب کہ ان کی حکومت مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کے لئے راضی نہ ہو۔ دراصل اس زمانہ میں اسیران جنگ کے تبادلے کا رواج نہیں تھا۔ مسلمان سپاہی اگر قید ہوتے تو دشمن انکو غلام بنا کر رکھ لیتا۔ان حالات میں مسلمانوں کے لئے بھی اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ وہ بھی دشمن کے سپاہیوں کو جو گرفتار ہو کر آئیں غلام بنا کر رکھ لیں۔ لیکن سرور کائنات ﷺ نے ان غلاموں کو سوسائٹی میں انسان کے شایان شان مقام عطا کیا اور غلامی کی خرابیوں کو رفع کرنے کے لئے متعدد تدبیریں اختیار کیں۔ آپ ﷺ نے اسیران جنگ کے تبادلہ کو ہمیشہ ترجیح دی۔ آپ ﷺ ہی کے طرز عمل کی بناء پر فقہا نے اسیران جنگ کے تبادلے کا اصول اخذ کیا۔ آپ ﷺ نے اسیران جنگ کو غلام بنانے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ صرف اجازت دی اور اس اجازت سے فائدہ نہ اٹھانے والے کو بڑی فضیلت کی بشارت دی۔ آپ ﷺ نے غیر محاربین یا مضافی آبادیوں میں سے کسی کو پکڑ کر غلام بنانے کی سختی سے ممانعت کی۔ صرف محاربین یعنی جنگ میں عملاً حصہ لینے والوں ہی کو گرفتار کرنے کی اجازت دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ غلام کو آزاد کرنا دوزخ کی آگ سے بچنے کا ایک طریقہ ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس نے اپنی لونڈی کو تربیت دے کر آزاد کیا اور اس سے نکاح کر لیا، اس کے لئے دوہرا ثواب ہے۔ دفع بلیات اور کفارہ کے لئے بھی آپ ﷺ نے اس کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ چنانچہ سورہ محمد میں بھی تلقین کی گئی کہ احسان اور فدیہ کے طور پر بھی

غلام آزاد کئے جائیں۔

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (سورہ محمد:4)

"پھر یا احسان کر دیا معاوضہ لے لو"۔

سورہ البلد میں غلام کے آزاد کرنے کو نیکی کے دشوار گزار راستے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا :-

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ (سورۃ البلد : 12-13)

"اور تو کیا سمجھا کیا ہے وہ گھاٹی؟ چھڑانا گردن کا"۔

سرور دو عالم ﷺ نے تاکید فرمائی کہ غلاموں کو "میرا لڑکا" اور "میری لڑکی" کہہ کر پکارو۔ انہیں ایک ہی دستر خوان پر اپنے ساتھ کھانا کھلاؤ اور اگر وہ دن میں ستر بار بھی قصور کریں تو انہیں معاف کر دو۔ آپ ﷺ نے غلاموں کو تمام فوجداری اور دیوانی حقوق بھی عطا فرمائے۔ ان کی جان و مال کی حفاظت کو قانون اور عدالت پر لازم قرار دیا۔ ان کی املاک پر ان کی ملکیت اور تصرف کے حق کو تسلیم کیا اور مالک کے ظلم کی صورت میں ان کی آزادی کو قانوناً لازم کر دیا۔

آپ ﷺ ہی کی بدولت غلاموں کو اسلامی سوسائٹی میں عملاً مساوات کا درجہ مل گیا اور زندگی کے ہر شعبہ میں بے روک ٹوک ترقی کرنے کا حق بھی نصیب ہو گیا۔ آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ ایک آزاد کردہ غلام زیدؓ بن حارثہ سے بیاہی گئی تھیں۔ امام حسن بصریؒ ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ سلمان علیہ السلام فارسی بھی غلام ہی تھے جنہیں اہل بیت میں شمار کیا جاتا تھا۔ بلالؓ حبشی بھی غلام تھے جن کو حضرت فاروق اعظمؓ "آقا" کہتے تھے اور سرور عالم ﷺ کے پیارے نواسے حضرت امام حسینؓ کی شریک حیات بھی جنگ ہی میں اسیر ہو کر آئی تھیں۔ آپ ﷺ ہی کی تعلیمات کی بدولت غلاموں میں عظیم مذہبی پیشوا، ذمہ دار حاکم اور سپہ سالار پیدا ہوئے اور قریش کے سردار اور امیر و کبیر اپنی بیٹیاں غلاموں سے بیاہنے میں مسرت محسوس کرنے لگے۔

اس تاریک دور میں جب کہ غلام وحشت اور بہیمیت کا تختہ مشق بنائے جاتے تھے

محسنِ انسانیت ﷺ نے ان کے ساتھ انتہائی نیک سلوک کی ہدایت کی۔ ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کی۔ ان کے معیارِ زندگی کو بلند کیا اور ان کے معاشرتی درجے کو ایسی فضیلت دی کہ:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز [1]

اس طرح "غلامی" اصطلاحاً تو باقی رہی لیکن عملاً غلامی کا ادارہ ختم ہو گیا اور بالآخر نوعِ انسانی کو اطمینان کا سانس نصیب ہوا...........!

سیاسی غلامی

سیاسی غلامی کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔ اس غلامی میں حکمران طبقہ تمام رعایا کی جان و مال، عزت و آبرو اور دل و نگاہ کا مالک بن بیٹھتا ہے۔ اس صورتِ حال کو ملوکیت، آمریت یا فسطائیت کہا جاتا ہے۔ اسلام ان سب کی مذمت کرتا ہے۔

بادشاہت یا ملوکیت

قرآن کا زاویہ نظر بادشاہت کے بارے میں یہ ہے کہ :-

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۚ وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٣٤﴾

(النمل :34)

"بادشاہ جب کسی ملک میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب کرتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں"۔

ذلیل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو غلام بنا لیتے ہیں۔ جسمانی اور ذہنی غلامی میں جکڑ دیتے ہیں۔ خوشامد، چاپلوسی نقالی، ایک دوسرے کی کاٹ، اپنی ہی تہذیب کی تحقیر، فاتح تہذیب کی تعظیم اور ایسے ہی ذلیل اوصاف مفتوحین میں پیدا کرتے ہیں۔

---

[1] بانگِ درا ص ۱۸۰

سی سبب سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ :-

"سب سے بدنام ترنام اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو شہنشاہ کہے"

(صحیح بخاری)

اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں فتنہ و فساد کا سر چشمہ شہنشاہیت رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قصر شہنشاہی کی تزئین کے لئے ہمیشہ غریبوں کی جھونپڑیاں اجڑتی رہی ہیں۔ بادشاہوں کے نخل آرزو کی آبیاری ہمیشہ انسانوں کے خون سے ہوتی رہی ہے اور نشہ اقتدار میں مخمور ہو کر وہ خدائی اور ربوبیت کی حدود میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ سید المرسلین ﷺ نے اس فتنہ کی جڑ کو بھی اکھاڑ دیا۔ ارشاد ربانی ہوا کہ :-

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ (64:3)

"یعنی خدا کو چھوڑ کر ایک انسان دوسرے انسان کو اپنا خدا نہ قرار دے"۔

یہ دنیا خدا کی ملک ہے یہاں حکم کسی انسان یا کسی بادشاہ کا نہیں بلکہ صرف خدا ہی کا چلے گا۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (یوسف : 40)

مطلق العنان بادشاہوں اور آمروں کو قرآن مجید میں طاغوت کہا گیا ہے۔ اس سے مراد ایسا انسان ہے جو بندگی کی حدود سے تجاوز کر کے خود آقائی اور خداوندی کا دعویٰ کرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلہ میں سرکشی کے تین مرحلے ہیں۔ ایک یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کو حق سمجھے لیکن عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ اس کو "فسق" کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی فرمانبرداری سے اصولاً انحراف کرے اور یا تو خود مختار ہو جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے۔ یہ کفر ہے۔ تیسرا مرحلہ وہ ہے جہاں انسان اللہ تبارک تعالیٰ سے بغاوت کرے اور اللہ کے قانون کی جائے اپنا حکم چلائے۔ اس آخری مرحلے میں جو بندہ داخل ہوتا ہے۔ اسے طاغوت کہا جاتا ہے اور قرآن حکیم کی رو سے کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا اگر وہ اس طاغوت کا منکر نہ ہو۔

لیکن جب انسان خدا سے منحرف ہو جائے تو وہ صرف ایک ہی طاغوت کا غلام نہیں بنتا بلکہ ایسے کئی طاغوت اس کی زندگی پر اس کے ذہن و فکر پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ ان میں ایک تو

شیطان ہے جو جھوٹی ترغیب دیتا ہے، سبز باغ دکھاتا ہے۔ دوسرا طاغوت نفس امارہ ہے جو ا
جذبات اور خواہشات کا غلام بنا کر بے راہرو کر دیتا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار طاغوت دنیا میں پھی
ہوئے ہیں۔ بیوی بچے، عزیز واقرباء، دوست واحباب، قوم اور وطن، پیشوا اور رہنما، حکمران اور حکا
جب انسان سے اپنے ناجائز اغراض کی تکمیل کراتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی پر مجبور کر دیتے ہیں تو
سب طاغوت بن جاتے ہیں اور بے شمار آقاؤں کا یہ غلام ساری عمر اسی گرداب میں پھنسا رہتا ہے.....
بادشاہت انہی طاغوتی قوتوں کی نمائندہ اور ان کا عکس ہوتی ہے!

بالعموم انسان اپنے فکر میں توازن قائم کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ اپنی سوچ کی موزوں حد
بندی نہیں کر سکتا اور اعتدال کی راہ سے تجاوز کر جاتا ہے۔ مختلف قوتوں اور تقاضوں سے متاثر ہو
ہے۔ سیاست کے میدان میں کبھی فرد کو بہت زیادہ اختیارات دے جاتا ہے کبھی جماعت یا ریاست
ساری طاقتیں سونپ دیتا ہے۔ اسے مقتدر کل بنانے میں خوشی محسوس کرتا ہے......! اس صورت
حال سے موقع پرستوں کی بن آتی ہے اور وہ اقتدار پر قابض ہو کر فرد کو مصنوعی شکنجوں میں جکڑ دے
ہیں۔ اس کے حقوق.........پامال کر دیتے ہیں!

عدم توازن کی یہ صورت یورپ کی ریاستوں میں صاف نظر آتی ہے۔ ایک طرف
جمہوری ادارے فرد کو مطلقاً آزاد دیکھنا چاہتے ہیں اور ہر پابندی کو انسانی وقار کے خلاف سمجھتے ہیں
دوسری طرف سوشلسٹ ریاستیں فرد کی زندگی کے ہر شعبے پر ریاست کے اقتدار کو کلیتاً حاوی کر
چاہتی ہیں۔ در حقیقت انسانی ادارے اور انسانی عقل انسانی حقوق کے نفاذ میں ہمیشہ بے بس رہے
ہیں۔ ان حقوق کی ضمانت دینے سے قاصر رہے ہیں۔ خود مجلس اقوام متحدہ بھی اس بارے میں بے بس
ہے اور اسی وجہ سے اس نے انسانی حقوق اور انسانی آزادیوں کے تحفظ کو متعلقہ ریاستوں کے رحم و کر
پر چھوڑ دیا ہے۔ منشور حقوق انسانی کا آرٹیکل نمبر 8 مجلس اقوام متحدہ کی اسی مجبوری کا آئینہ دار ہے
یہی وجہ ہے کہ 10 دسمبر 1948 کے بعد بھی جب کہ یہ منشور منظور ہوا ہے سطح ارض پر انسانی خون
کی ہولی اور انسانی حقوق کی پامالی کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔

لیکن وحی نے اس تضاد کو دور کر کے فرد کے حقوق اور ریاستی حقوق میں صحت مند توازن قائم کیا
اور ان میں ہم آہنگی پیدا کی ہے۔ اسلامی عدل کی یہی روح معاشرے میں انسانی حقوق کا تعین بھی کرتی
ہے۔ اور ان کے لئے تحفظ بھی فراہم کرتی ہے۔ در حقیقت اسلام کی نظر میں فرد اور ریاست ایک
دوسرے کی ضد نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

فرد و قوم آئینہ یک دیگراند سلک و گوہر، کہکشاں و اختراند
فرد تا اندر جماعت گم شود قطرہ وسعت طلب قلزم شود! [1]

---

[1] اسرار رموز ص ۹۸

آمریت

قرآن مجید میں دو قسم کی سیاسی حکمتوں کا ذکر ہے۔ ایک حکمت کلیمی یعنی خدا کے پیغمبروں اور نیک بندوں کی سیاست ہے اور دوسرے حکمت فرعونی یعنی خدا کے باغیوں، ظالموں اور ڈکٹیٹروں کی سیاست ہے۔ دراصل کلام الٰہی میں فرعونیت سے مراد ایسی قیادت اور حکومت ہے جو خدا کے بندوں کو اپنے اقتدار کے بل بوتے پر معاشی اور اقتصادی لحاظ سے نیم جاں کر کے انہیں اپنی بے پناہ قوت اور بے لگام اقتدار کا احساس دلاتی ہے اور ایسے ہتھکنڈے اختیار کرتی ہے جس سے عوام کی بے بسی اور خود اس کی طاقت و اختیار میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ قوانین الٰہی کے خلاف بغاوت کا نام فرعونیت یا آمریت ہے۔ آج کے دور میں جب کہ انسانی ذہن نے کافی ترقی کر لی ہے۔ کوئی انسان عملاً خدائی کی دعویداری نہیں کر سکتا اس لئے فرعونیت عہد حاضر میں فاشی ڈکٹیٹر شپ کی ترقی یافتہ شکل میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔

قرآن مجیدْ نے حکمت فرعونی پر روشنی ڈالی ہے اس کے اصولوں کی وضاحت کی ہے اور بتایا ہے کہ بے لگام اختیار اور بے زمام اقتدار اپنی بقا و استحکام کے لئے کون کون سے طریقے اختیار کرتا ہے۔ قرآن نے جن اصولوں کی نشاندہی کی ہے وہ ابدی ہیں اور تاریخ نے بار بار ان پر مہر صداقت ثبت کی ہے اگر آپ تاریخ انسانی کے کسی بھی ڈکٹیٹر پر نظر ڈالیں اور اس کے اطوار حکومت پر غور فرمائیں تو آپ محسوس کریں گے کہ شاید کلام پاک کی متعلقہ آیات اسی ڈکٹیٹر کے حالات کو دیکھ کر نازل ہوئی ہیں۔ دراصل قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ حیات و نفس انسانی کے بارے میں بیان کردہ اس کے نکات ہر دور میں اٹل اور ابدی صداقتوں کے طور پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں!

(۱) طریقہ واردات۔ ڈکٹیٹر کا نصب العین اس کی زندگی کا مقصد محض اقتدار ہوتا ہے۔ یہی اس کا معبود، اس کی آرزو کا منبع اور اس کی کشمکش کا محور ہوتا ہے اور اسی کے لئے وہ اپنی تمام ذہنی اور جسمانی توانائیاں وقف کر دیتا ہے اور اس راستے میں حائل ہونیوالی تمام قوتوں کو روندتا چلا جاتا ہے۔ ضمیر کی بندشوں کو توڑتا چلا جاتا ہے اور ایک مست ہاتھی کی طرح تمام

انسانی قدروں کو پامال کرتا ہوا آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اقبالؒ کہتے ہیں :-

قوت فرمانروا معبود او در زیان دین و ایماں سود او[1]

اور قرآن فرماتا ہے :-

ثُمَّ اَدۡبَرَ یَسۡعٰی ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰی ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی ﴿۲۴﴾ (النزعت 22-24)

"پھر چالبازیاں کرنے کے لئے پلٹا...... اور لوگوں کو جمع کر کہا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں"۔

یعنی پھر (فرعون) چالبازی کرنے کے لئے پلٹتا ہے اور لوگوں کو جمع کر کے پکار کر کہتا ہے کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں یعنی اقتدار اعلیٰ کا مالک ہوں۔ میں تمہاری ساری احتیاجات کو پورا کر سکتا ہوں۔

انسانی فطرت کی ایک بڑی کمزوری جس پر قرآن کی متعدد آیات شاہد ہیں یہ ہے کہ انسان مادی و جسمانی ضروریات و احتیاجات سے مغلوب رہتا ہے اور ہر وہ چیز جو اس کی جسمانی اور فوری ضرورت کو پورا کرتی ہے، اس کے لئے بڑی کشش رکھتی ہے اور زیادہ قابل قبول ہوتی ہے۔ اس لئے ہر دور کا فرعون اسی انسانی کمزوری سے اپنے اس دعوے کو عام کرتا ہے۔ سادہ لوح عوام کی توجہ کو اپنی ذات پر مرکوز کر لیتا ہے۔ ان سے بڑی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ دل لبھانے والے وعدے کرتا ہے اور بڑے سبز باغ دکھاتا ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّعۡجِبُکَ قَوۡلُهٗ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا (البقرۃ : 204)

"یعنی اس کی باتیں دنیا کی مادی زندگی کے تعلق سے بڑی دلچسپ، دل لبھانے والی اور فرحت آمیز ہوتی ہیں"۔

دراصل وہ اس دنیا میں شداد کی جنت کے نقشے کھینچ دیتا ہے!

عوام فرعون کے اس چکر میں آجاتے ہیں۔ اس سراب سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ان کے سوچنے کی صلاحیت معدوم ہو جاتی ہے ان کی آزاد رائے اور عزیمت باقی نہیں رہتی۔ جس

---

[1] پس چہ باید کرد ص ۱۸

گمراہی کی طرف فرعون جاتا ہے، عوام اس کے پیچھے گھسٹتے ہوئے چلے جاتے ہیں اور نتیجتاً بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں اس کے بارے میں قرآن گواہی دیتا ہے کہ :-

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ (الزخرف : 54)

"یعنی فرعون نے قوم کو ہلکا سمجھا، اسے بیوقوف بنایا اور قوم نے اس کی اطاعت کی......!"

اقبالؒ کہتے ہیں کہ اس کا نتیجہ قوم کے حق میں بڑا عبرت ناک ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طرح ڈکٹیٹر قوم کو اجتماعی ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ مگر اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اس حقیقت سے عوام کی آنکھوں کو بند کر دیتا ہے۔ انہیں سوجھ بوجھ سے محروم کر دیتا ہے۔ اجتماعی شعور چھین لیتا ہے حتیٰ کہ وہ اجتماعی مرگ سے بھی بے خبر ہو جاتے ہیں۔ بقول اقبالؒ

وائے قومے دل ز حق پرداختہ مرد و مرگ خویش را نشناختہ [1]

اقتدار کے حصول اور اس کی بقا کے لئے ڈکٹیٹر ایک اور حربہ بھی استعمال کرتا ہے وہ لوگوں کو گروہوں میں تقسیم کرتا ہے اور ضرورت ہو تو قوم کے دو ٹکڑے کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ قرآن کا ارشاد ہے :-

وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ (القصص: 4)

"اور اس کے باشندوں کے گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے وہ ایک گروہ کو ذلیل کرتا تھا"۔

اقبالؒ کہتے ہیں :-

از دم او وحدت قومے دو نیم کس حریفش نیست جز چوب کلیم [2]

یعنی قوم کی وحدت اس کی ذات کے باعث پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔

(ب) طریقہ حکومت۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ :-

جب (ان حربوں اور سازشوں سے) فرعون حکومت پر قبضہ کر لیتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کر دے۔

وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ (البقرہ : 205)

---

[1] پس چہ باید کرد ص ۱۸ [2] پس چہ باید کرد ص ۱۶

"اور جب وہ حکومت حاصل کر لیتا ہے تو زمین میں ساری جدو جہد اس لئے کرتا ہے
کہ فساد پھیلائے اور کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے"۔

کلام پاک کی یہ آیت بہت معنی خیز ہے اور بڑے وسیع مفہوم اپنے اندر رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعون زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔ فساد کی صراحت قرآن پاک میں جگہ جگہ کی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اقتدار میں شرکت کی جدو جہد، توحید اور رسالت کے خلاف بغاوت اور نوع انسانی کی تذلیل و تخویف شامل ہے۔ اسی لئے فساد برپا کرنے والے کے خلاف سخت سزا تجویز کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے۔

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ

(المائدہ :33)

"یہی سزا ہے اس کی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی پر چڑھایا جائے یا انکے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو جلا وطن کر دیا جائے"۔

یہ آیت اللہ کے باغیوں سے متعلق ہے اور منطقی لحاظ سے ڈکٹیٹر پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ جو اللہ سے لڑتا ہے۔

قرآن آگاہ کرتا ہے کہ یہ شخص کھیتوں کو غارت کرتا ہے۔ یعنی لوگوں کو معاشی اور اقتصادی بدحالی میں مبتلا کرتا ہے اور بالواسطہ طور پر مصنوعی قلت پیدا کر کے لوگوں کو ضروریات زندگی کے حصول کی کشمکش میں الجھا دیتا ہے اور فکر معاش سے پریشان کر دیتا ہے ......! اپنے حواریوں کو احتکار اور بلیک مارکیٹنگ کی کھلی چھٹی دیتا ہے۔ ڈپو قائم کرتا ہے جہاں سراسیمہ لوگوں کی لمبی لمبی قطاریں دن دن بھر ضائع کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

تاریخ کے ہر فرعون نے ہر ڈکٹیٹر نے یہ حربہ استعمال کیا ہے۔ روم کے شہنشاہوں نے، قرون وسطیٰ کے جاگیرداروں اور بادشاہوں نے عصر جدید کی استعماری طاقتوں اور آمروں نے اس ہتھیار کو بڑے موثر طور پر استعمال کیا ہے۔

محولہ بالا آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ فرعون نسل انسانی کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس

کی ہلاکت کاباعث ہوتا ہے انسانی ہلاکت اور تباہی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسانوں کو فی الواقعی قتل کیاجائے۔ دوسرے انہیں اغواء کیاجائے اور زندہ درگور کر دیا جائے۔ یا قید خانوں میں ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے جائیں۔ انسان کی ہلاکت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس میں خوف مرگ پیدا کیاجائے تاکہ فرعون کے ظلم سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ اور حق کی تائید سے گھبراتا رہے یہ حربہ انسان کو قتل کر دینے سے زیادہ موثر ثابت ہواہے کیونکہ خوف مرگ کے تحت انسانی زندگی حرام ہو جاتی ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں :-

ہر زماں میرد غلام ازبیم مرگ زندگی او احرام ازبیم مرگ [1]

لیکن کسی قوم کی ہلاکت کی موثر ترین صورت یہ ہے کہ اسے اپنی ایڈیالوجی سے، اپنی منزل شوق سے دور پھینک دیا جائے اور فکر صحیح سے محروم کر دیا جائے۔ یہ کسی قوم کی بدترین ہلاکت ہوتی ہے۔ آندھیوں اور طوفانوں سے، دریاؤں کے قیامت خیز سیلابوں سے زیادہ خوفناک اور زیادہ تباہ کن ہوتی ہے۔ اس غرض سے فرعون لوگوں کو دین کی بندھنوں سے آزاد کر دیتا ہے۔ برائیوں کی ترغیب دیتا ہے اور عریانی اور فحاشی کو عام کر دیتا ہے! فرعون کی اس حکمت عملی کو علامہ اقبالؒ نے بڑے موثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔

حکمتے از بند دیں آزادہء از مقام شوق دور افتادہء

ہر زماں اندر تلاش سازو برگ کار او فکر معاش و ترس مرگ [2]

حضور اکرم ﷺ نے بھی پیغمبرانہ بصیرت کے ساتھ معاشی زبوں حالی پر روشنی ڈالی ہے اور یہ فرمایاہے کہ :- "فکر معاش انسان کو کفر کی طرف لے جاتی ہے" (صحیح بخاری)

اور دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ :

"میری ملت روبہ زوال نہیں ہو گی اور اگر ہو گی تو مال کی محبت اور موت کے خوف سے" (صحیح بخاری)

اس طرح ڈکٹیٹر کی حکومت لوگوں کے لئے عذاب بن جاتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ :-

يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ (البقرہ : 49)

"اس نے تمہیں سخت عذاب میں مبتلا رکھا"۔

---

[1] جاوید نامہ ص ۲۱۷ [2] پس چہ باید کرد ص ۱۶

مگر نسل انسانی کو تباہ کرنے کی ایک اور صورت بہت زیادہ بھیانک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر زمانہ میں فرعون عوام کے مرد وزن کو اخلاقی بے راہ روی اور جنسی نراج کے راستے پر ڈال کر انہیں کردار کی موت سے دوچار کر دیتا ہے اور یہ تدبیر ان بے شمار تدبیروں میں سے ایک ہے جو وہ اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کی خاطر کرتا ہے۔ وہ مردوں سے ان کا عسکری جوہر ان کی شجاعت اور مردانگی چھین لینا چاہتا ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے :-

قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ (الاعراف : 127)

"یعنی فرعون کہتا ہے کہ میں ان کے بیٹوں کو قتل کروں گا"۔

لفظی اعتبار سے وہ اپنے مخالفوں کو قتل کرتا ہے اور معنوی لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ مردوں کی وہ صلاحیتیں معدوم کرتا ہے جن سے مرد کی شجاعت غیرت اور حمیت اعتبار ہوتی ہے۔ اس غرض کے لئے وہ قوم کو شمشیر دسناں کی بجائے طاؤس ورباب کی طرف لے جاتا ہے نوجوانوں کو عورتوں کی طرح حلیہ بنانے اور بننے اور سنورنے پر لگا دیتا ہے اور بوڑھوں کو حیا سے بیگانہ کر دیتا ہے......!

از حیا بیگانہ پیران کہن
نوجواناں چوں زناں مشغول تن [1]

اس کے ساتھ ہی عورتوں میں عریانی اور فحاشی کی ترویج کرتا ہے۔

وَنَسْتَحْیِ نِسَآءَهُمْ (الاعراف : 127)

"اور ان کی عورتوں کو جیتا رہنے دوں گا"۔

فرعون کہتا ہے کہ میں عورتوں کو زندہ رکھتا ہوں۔ معنوی طور پر اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے۔ کہ وہ عورتوں کے عشوہ و شوخی و غمزہ کو حد اعتدال سے آگے بڑھاتا ہے۔ جہاں سے فتنہ و فساد کی حدیں شروع ہوتی ہیں! اور پھر شر اانفشت کو پروان چڑھا کر معاشرہ کو بے حیائی اور عیش پرستی میں غرق کر دیتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

دختران او بزلف خود اسیر

---

[1] پس چہ باید کرد ص ۱۷

شوخ چشم و خود نما و خردہ گیر
ساختہ پرداختہ دل باختہ !
ابرواں مثل دو تیغ آختہ !
ساعد سیمین شاں عیش نظر
سینہ ماہی بموج اندر نگر ! !

اس طرح فرعون ایک ایسا بے جان اور بے غیرت معاشرہ تشکیل دینے کی سعی کرتا ہے جس سے اسکے شخصی اقتدار کو مزاحمت کا کوئی خطرہ نہ ہو۔اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ انسانی خودی کے ارتقا اور روح کی بالیدگی کے تمام راستے مسدود کر دیئے جائیں اور انسان کی حقیقی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکائے جائیں اور "میخیں" گاڑ کر ترقی کے عمل کو روک دیا جائے۔
قرآن فرماتا ہے: وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ (الفجر : 10-11)
"اور میخوں والے فرعون کے ساتھ۔یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا میں سرکشی کی تھی"۔
قرآن مجید کا یہ بہت جامع اور بلیغ اظہار حقیقت ہے۔ لفظ "میخ" سے روک دینے، باندھ دینے، ساکت و جامد کر دینے کا تصور ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔یہ صورت حال ہر ڈکٹیٹر کے عہد میں پیدا ہوتی ہے۔ معنوی اعتبار سے بھی قوم کی ہلاکت کے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں۔ جھوٹی قدروں کو فروغ دیا جاتا ہے۔ قومی ذرائع ابلاغ کو دل کھول کر استعمال کیا جاتا ہے۔ فحش لٹریچر کا طوفان کھڑا کیا جاتا ہے۔ متعدد حربے بروئے کار لائے جاتے ہیں، خدا سے بغاوت کو عبادت، بے حیائی کو فن اور اخلاق باختہ پیشہ ور عورتوں کو "معزز خواتین" کے روپ میں عوام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ مقصد یہی ہوتا ہے کہ قوم کی لڑکیاں بے حیائی کو رفعت اور اخلاق باختگی کو عزت کا پیمانہ سمجھ کر اسی راہ پر چل پڑیں کیونکہ آمریت خوب سمجھتی ہے کہ وہ اخلاق باختہ معاشرہ ہی میں پھول پھل سکتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جرائم بڑھ جاتے ہیں، احساس تحفظ ختم ہو جاتا ہے اور قوم کے ذہنی، روحانی اور مادی ترقی کے عمل کو بیدردی سے روک لیا جاتا ہے۔اس عمل میں سوجھ بوجھ رکھنے والے عزت دار لوگ سہم جاتے ہیں۔ گوشہ نشین ہو جاتے ہیں کہ :-

---

[1] پس چہ باید کرد ص ۱۷

میر صاحب زمانہ نازک ہے دونوں ہاتھوں سے تھامئے دستار!
قرآن مجید فرماتا ہے کہ اس کارروائی میں فرعون کسی حد پر نہیں رکتا۔ اس کا واحد ضابطہ اخلاق اپنی ذات سے وفاداری ہوتا ہے جس کے لئے وہ حد سے گزر جاتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ (یونس : 83)

"وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر نہیں رکتے"۔

شخصی اقتدار کے تحفظ کے لئے فرعون ایسی گھناؤنی حرکتیں کرتا ہے، ایسے انوکھے مظالم ڈھاتا ہے کہ جن کا تصور بھی مشکل سے ہو سکتا ہے۔ مکرو فریب کو وہ بنائے حکومت اور تشدد کو اصول حکومت بنالیتا ہے اور وحشت و بربریت کو نئی وسعتیں بخش دیتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس کے غیض و غضب سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے

عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ (یونس : 83)

"لوگ فرعون کے خوف سے ڈر جاتے ہیں"۔

عوام سہم جاتے ہیں، احساس زیاں ختم ہو جاتا ہے۔ شعور خاکستر بن جاتا ہے۔ اور خاکستر میں کوئی شرر باقی نہیں رہتا۔ ہر شرر بجھ جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ اسی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں

ملتے خاکسترے او بے شرر صبح او از شام او تاریک تر[1]

اس نوبت پر فرعون خود کو رفعت کا پیکر اور طاقت کا محور سمجھنے لگتا ہے۔ بقول قرآن حکیم :-

اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ (یونس : 83)

"بے شک فرعون زمین میں مغرور ہو جاتا ہے"۔

یعنی وہ سرکش ہو جاتا ہے۔ خود سر اٹھا کر چلتا ہے انسانوں کو کیڑے مکوڑے سمجھتا ہے اس کی مرضی آئین اور ہر ادا قانون بن جاتی ہے۔ ملک کا دستور بازیچہ اطفال ہو جاتا ہے اور شطرنج کا ہر مہرہ اس کے ادنیٰ اشارے پر حرکت کرنے لگتا ہے پھر اقتدار کے نشے میں چور چور ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (یونس : 75)

"وہ گھمنڈ کرتا ہے حالانکہ بدترین مجرم ہوتا ہے"۔

---

[1] پس چہ باید کرد ص ١٧

یعنی وہ گھمنڈ کرتا ہے حالانکہ بدترین مجرم ہوتا ہے ہر اچھی بات کا کریڈٹ خود لیتا ہے اور ہر برائی کے لئے مخالفین کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں کی ایک اور خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی مجلسوں میں کھلم کھلا برے کام کرتے ہیں۔

وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ (العنکبوت : 29)

"یعنی یہ لوگ فواحش کا ارتکاب باجماعت کرتے ہیں" یہ آیت حضرت لوطؑ کی قوم کے بارے میں ہے لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ ڈکٹیٹر بھی ایسا ہی کرتا ہے۔

در حقیقت فرعون اپنے گرد بے ضمیر اور خود فروش لوگوں کا ایک ٹولہ جمع کر لیتا ہے جن کا مقصد صرف کسب زر اور طلب جاہ ہوتی ہے۔ اس کے لئے وہ اپنا ایمان، اپنا ضمیر، اپنا جسم بھی بیچ دیتے ہیں۔ اقبالؒ کہتے ہیں۔

منعمان او بخیل و عیش دوست
غافل از مغز اند و اندر بند پوست [1]

اس ضمن میں فرعون ایک اور بھی چال چلتا ہے ایک عالم سوء کو اپنے ساتھ نتھی کر لیتا ہے اور اپنی برائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے مذہب کے بہت بڑے چیمپئن کا روپ دھارنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ "شیخ ملت" چند ٹکوں کے عوض اپنے آقا کی مرضی کے مطابق فتوے دینے لگتا ہے۔ اقبالؒ کہتے ہیں۔

شیخ ملت باحدیث دل نشیں !
بر مراد او کند تجدید دیں [2]

(ج) تباہ کاریاں...... اس طرح ہر ڈکٹیٹر اپنے عمل میں تشدد، جھوٹ، مکر اور فریب کے پیغمبر میکیاویلی کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ ظلم و استبداد، اغواء اور قتل کے لرزہ خیز واقعات منظر عام پر آتے ہیں۔ نفس پرستی اور نقب زنی کی شرمناک وارداتیں بے نقاب ہو جاتی ہیں۔ علی بابا چالیس چور کے افسانے کو عملی شکل دی جاتی ہے اور حسن بن صباح کے پر اسرار قلعے اور اس کے انسان نما خونخوار درندوں کو اللہ کی سرزمین پر ایک حقیقت بنا دیا جاتا ہے اور بے گناہوں کو ہلاک کیا جاتا ہے اور ایسے میں جو حق کا علم بلند کرتا ہے اس کا سر کچل دیا جاتا ہے!

---

[1] پس چہ باید کرد ص ۱۷ [2] پس چہ باید کرد ص ۱۸

قومی خزانہ کا مجرمانہ ضیاع اور دولت کی وحشیانہ کھسوٹ اس کے علاوہ ہوتی ہے۔ ملک کا خزانہ ڈکٹیٹر کی ذاتی ملکیت بن جاتا ہے اور بخیل اور عیش دوست نو دولتیوں کا ایک ایسا بے ضمیر طبقہ پیدا کیا جاتا ہے۔ جو وطن اور ملت کی محبت سے قطعاً عاری اور انجام کار سے حد درجہ غافل ہوتا ہے

فطرت کی تعزیریں .... جو لوگ فرعون اور ڈکٹیٹر کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ اللہ کے قانون کی جگہ اس کے قانون کو مان لیتے ہیں ان کے لئے قرآن مجید کی رو سے سخت سزائیں مقرر کی گئی ہیں کبھی دریاؤں کا ریلا انہیں خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتا ہے اور غرق کر دیتا ہے۔

مِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا (العنکبوت : 40)

"ان میں وہ بھی تھے جنہیں ہم نے غرق کر دیا"

کبھی سیلاب آتے ہیں اور آبادیوں کو تلپٹ کر دیتے ہیں۔

وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ (الحاقۃ : 9)

"اور (سیلاب نے) ان بستیوں کو تلپٹ کر دیا"۔

کبھی زلزلے آتے ہیں اور کبھی آبادیاں زمین دوز ہو جاتی ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ (العنکبوت : 40)

"ان میں وہ بھی تھے جنہیں زمین (ہمارے حکم پر) نگل گئی"۔

کبھی تیز و تند آندھیاں انہیں درہم برہم کر دیتی ہیں۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا (العنکبوت : 40)

"ان میں وہ بھی تھے جن کو (ہمارے حکم پر) تیز آندھیوں نے جالیا"۔

اور کبھی انہیں گرانی، بھوک اور خوف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ (النحل : 112)

"انہیں بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا جاتا ہے"۔

(د) حزب اختلاف۔ قرآن مجید نے فرعونیت کے سدباب کا ایک ہی طریقہ تجویز فرمایا ہے۔

کے خلاف گھناؤنی سازش ہے۔ قرآن کی زبان میں

اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ (المومن:26)

یعنی مجھے ڈر ہے کہ یہ سازش عوام کے نظام حیات کے خلاف ہے، میری ذات کو تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

دراصل ڈکٹیٹر ہر صورت میں اپنے اقتدار کی حفاظت چاہتا ہے اور مذہب، سیاست، تمدن اور معیشت کی اس طرح تشکیل کا خواہشمند ہوتا ہے کہ اس میں شخصی اقتدار قائم رہ سکے اور فسطائیت پروان چڑھ سکے۔ چنانچہ اگر کسی بات سے اس کے اقتدار پر ضرب پڑے تو وہ یہ نہیں کہتا کہ اس سے مجھے خطرہ لاحق ہے بلکہ لوگوں سے کہتا ہے کہ خطرہ تمہیں لاحق ہے۔ مجھے اپنی فکر نہیں۔ مجھے تو تمہاری فکر ہے...... اسلئے جن لوگوں سے تمہیں خطرہ ہے وہ غدار ہیں، گردن زدنی ہیں اور اپنے اس دعوے پر دو قسمیں کھانے لگتا ہے۔

قرآن کا بیان ہے۔

وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (البقرۃ : 204)

"اپنی نیک نیتی پر خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ سب سے زیادہ ٹیڑھا دشمن ہوتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ڈکٹیٹر کی شخصی حکومت سے انکار کا حکم دیتا ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ (البقرۃ : 256)

"اور جو اس طاغوت کا منکر ہو اور اللہ پر ایمان لائے"۔

کوئی شخص صحیح معنوں میں اللہ کا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس طاغوت کا، اس ڈکٹیٹر کا منکر نہ ہو۔ اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کے لئے بڑی قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح ڈکٹیٹر سے نبرد آزمائی میں بھی آئین الٰہی کے مطابق قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ جان ومال اور اولاد کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ (البقرہ : 155)

"تمہیں آزمایا جائے گا خوف اور بھوک سے اور مال ومتاع اور جان کے نقصان سے"۔

(المرسلات:17) اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى

"فرعون کا مقابلہ کرو۔ وہ خدا کا باغی ہو گیا ہے"۔

یعنی بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خالق اور خلق دونوں کے خلاف سرکش ہو گیا ہے۔ انگریزی محاورہ میں ایسی ہی صورت حال کو To take the bull by the horn کہتے ہیں۔ یعنی کسی آفت، کسی دشمن سے بالراست نمٹا جائے!

اقبالؒ بھی قرآن ہی کی بخشی ہوئی ہدایت کی روشنی میں حکمت فرعونی سے نمٹنے کے لئے یہ نتیجہ تجویز کرتے ہیں کہ:

پیش فرعوناں بگو حرف کلیم
تاکند ضرب تو دریا را دو نیم [1]

ایسی صورت میں آمریت اپنے لئے خطرہ محسوس کرتی ہے اور پروپیگنڈہ کرتی ہے کہ یہ مخالف کسی خفیہ سازش کا نتیجہ ہے۔ قرآن کے الفاظ میں

(الاعراف:123) اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ

"یعنی فرعون کہتا ہے کہ یہ ضرور کوئی خفیہ سازش ہے"

فرعون حق کی بات کے خلاف ہوتا ہے وہ ایسی بات کو اپنے وقار کا سوال بنا لیتا ہے۔ قرآن اسکی اس حرکت پر روشنی ڈالتا ہے۔

(البقرہ : 206) وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ

"جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، راہ راست پر آ، تو اپنے جھوٹے وقار کا خیال اسے گناہ پر اور مضبوطی سے جما دیتا ہے"۔

چنانچہ آمریت اعلان کرتی ہے کہ ہم بہت بڑے قاہر ہیں۔ بہت طاقتور ہیں ہم حزب اختلاف کو کچل کر رکھ دیں گے اسے عبرت ناک سزا دیں گے۔ قرآن کی رو سے:

(الاعراف : 127) وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ

"اور ہم ان سب پر قاہر ہیں"۔

یعنی فرعون کہتا ہے کہ ہمارے اقتدار کی گرفت سخت ہے۔ ہم بہت بڑے قاہر ہیں۔ پھر وہ

---

[1] پس چہ باید کرد ص ۴۷

ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیتا ہے کہ یہ مزاحمت، یہ مخالفت ہمارے دین، ہمارے نظام زندگی یہ ہدایت کسی ڈکٹیٹر یا فرعون کے تعلق سے نازل نہیں ہوئی ہے۔اس میں اللہ کی راہ میں جہاد کے مطالبات کی وضاحت کی گئی ہے اور جب اللہ کے بندے اس راہ میں قربانیاں دیتے چلے جاتے ہیں۔ قید ہوتے ہیں جان ومال اور اولاد کی قربانیاں دیتے ہیں تو غیب سے آواز حق بلند ہوتی ہے کہ: يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء:69)

"اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی بن جا"۔

(ہ) انجام۔یہ آواز حق وباطل کے ہر معرکے میں بلند ہوتی ہے۔یہ آواز سوچ کے دھارے بدل دیتی ہے۔ آندھیوں کے رخ موڑ دیتی ہے۔ پھر دل دگرگوں ہو جاتے ہیں۔ دھکتی آگ، بھڑکتے شعلے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں اور وہی طاقتیں جو آمریت کے حصاروں کی نگہبانی کے لئے مجبور تھیں، انہی حصاروں کے انہدام پر مامور ہو جاتی ہیں اور اللہ کا قانون آمر کو آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیتا ہے۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۞
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۞ (النزعت : 25-26)

"آخرکار اللہ نے اسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔درحقیقت اس میں بڑی عبرت ہے ہر اس شخص کے لئے جو ڈرے!!"

عورت کی مظلومی

اسلام سے پہلے کے تمدنوں میں (اور آج بھی اکثر غیر اسلامی تہذیبوں میں) عورت کو کوئی دیوانی یا فوجداری حقوق حاصل نہیں تھے۔مال وجائیداد پر اس کا کوئی حق نہیں تھا۔اپنی ذات پر بھی کوئی اختیار نہیں تھا بلکہ وہ خود مال وجائیداد کی ایک شکل تصور کی جاتی تھی۔

ہندوستان میں عورتوں کو وید پڑھنے یا روحوں کو بھوگ دینے کی اجازت نہیں تھی۔اس کا دھرم بس یہ تھا کہ وہ مرد کی غلامی میں رہے، اس کی سیوا کرے اور اس کی خوشنودی کے لئے زندگی بسر کرے۔اس عورت کو دیوی کا درجہ دیا جاتا تھا جو اپنے شوہر کی چتا میں زندہ جل کر راکھ ہو جائے۔عام طور پر بیواؤں کا سر منڈایا جاتا تھا اور اس کو نہایت

منحوس سمجھا جاتا تھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں بیواؤں کو جلا دینے کی رسم عام تھی۔ دختر کشی کی رسم صرف عرب ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ ہندوستان میں بھی اس کا خاصہ رواج تھا[1]۔
ہندو معاشرے میں عورت کا درجہ انسانیت کے لئے باعث شرم تھا۔ منو اپنے دھرم شاستر میں کہتا ہے کہ :-

"عورتوں میں ناپاک خواہشیں ہوتی ہیں۔ وہ ارادے کی کچی اور چال چلن کی خراب ہوتی ہیں۔ ضروری ہے کہ ان کو دن رات کڑی نگرانی میں رکھا جائے"۔[2]

ایران میں مرد ہر قسم کی قانونی اور اخلاقی گرفت سے آزاد تھا۔ اس کی مرضی ہی قانون تھی۔ شادی بیاہ کے معاملے میں تحریم کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔[3]
عرب میں عورت بدترین مخلوق سمجھی جاتی تھی اور جبر و ظلم کا تختہ مشق بنی ہوئی تھی۔ مردوں کے لئے نکاح کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ طلاق کی کوئی مدت نہیں تھی۔ عرب بھی ہندوؤں کی طرح عورتوں کو ماہواری کے دنوں میں الگ کر دیتے تھے۔ اور ان کو چھونا بھی معیوب سمجھتے تھے۔ بیواؤں کو تنگ اور تاریک کوٹھڑیوں میں زندگی بسر کرنی پڑتی تھی اور زندگی کی تمام آسائشیں ان پر بند ہو جاتی تھیں۔[4]
عورتوں کی مظلومیت کے اس تاریک دور میں اللہ کے پیغمبر رحمت ﷺ نے سب سے پہلے عورت کو معاشرہ میں ایک باعزت مقام دیا۔ اس کو آئینی تشخص دیا اور مال و جائیداد میں بھی قطعی اور مکمل حقوق عطا فرمائے۔ قرآن مجید کا حکم ہے :-

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرہ : 228)

"عورتوں کا حق مردوں پر ایسے ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا عورتوں پر ہے"۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ :187)

"وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو"۔

اور حجتہ الوداع کے موقع پر سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ :-

"اے لوگو! تمہارا عورتوں پر حق ہے اور ان کا تم پر حق ہے اور میں تمہیں عورتوں

---

[1] The spirit of Islam. Page XXVIII
[2] The Spirit of Islam. P XXIX
[3] Skyes Vol. 1
[4] The Spirit of Islam. P LXV

کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں"۔ (سیرۃ ابن ہشام)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ :-

"عورت اپنے شوہر کے گھر میں اور اولاد پر حکمران ہے"۔(بخاری)

قرآن حکیم نے مرد اور عورت دونوں کا مساویانہ حیثیت سے ذکر کیا ہے اور فضائل کے لحاظ سے وہ دونوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں کرتا۔ سورۃ النساء میں ازدواجی حقوق اور فرائض کی صراحت فرمائی گئی ہے اور صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ محاسن اور فضائل کے اعتبار سے دونوں کے لئے راستے متعین ہیں اور دونوں کے لئے فضیلتوں کی راہیں یکساں کھلی ہوئی ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ :-

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ

(النساء : 32)

"مردوں نے جو کچھ کمایا وہ ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کچھ کمایا وہ ان کا حصہ ہے"۔

یعنی مردوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے اپنے عمل سے جو کچھ حاصل کیا اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔ اس طرح نیک مردوں اور نیک عورتوں کے فضائل کا درجہ ایک ہی طرح سے قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ماں، باپ، شوہر اور اولاد کی وراثت میں عورت کے حصہ کو لازمی قرار دیا اور عورت کی ہر قسم کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ پر اس کو قطعی مالکانہ حقوق دیئے اور ایک امتیازی احسان اس پر یہ بھی کیا کہ اولاد کی پرورش کے لئے جملہ خرچے کا ذمہ دار صرف مرد کو قرار دیا۔ عورت خواہ کتنی ہی مالدار کیوں نہ ہو اس پر اس کی کوئی ذمہ داری عاید نہیں کی گئی۔ خود عورت کی پرورش اور اس کے اخراجات کو برداشت کرنا بھی مرد ہی کی ذمہ داری قرار دی گئی۔

ایک اور احسان صنف نازک پر رسول اکرم ﷺ نے یہ کیا کہ اس کے ذہن سے بہت بڑے بوجھ کو اتار دیا۔ صدیوں سے اس پر یہ الزام تھا کہ شیطان کی باتوں میں آکر اس نے حضرت آدمؑ کو بہکا کر جنت سے نکلوادیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی تردید کی۔ قرآن مجید میں کئی جگہ اس پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ (طٰہٰ : 121-120)

"لیکن شیطان نے اس کو پھسلایا۔ کہنے لگا۔ آدم، بتاؤں تمہیں وہ درخت جس سے ابدی زندگی اور لازوال سلطنت حاصل ہوتی ہے۔ آخر کار دونوں (میاں بیوی) اس درخت کا پھل کھا گئے اور لگے دونوں اپنے آپ کو جنت کے پتوں سے ڈھانکنے۔ آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گیا"۔

یہاں قرآن صاف تصریح کرتا ہے کہ آدم و حوا میں سے اصل وہ شخص جس کو شیطان نے وسوسے میں ڈالا آدم علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت حوا۔ اگرچہ سورہ اعراف کے بیان کے مطابق مخاطب دونوں ہی تھے۔ اور بھکانے میں دونوں ہی آگئے تھے۔ لیکن شیطان کی وسوسہ اندازی کا رخ دراصل حضرت آدمؑ کی طرف تھا۔ اس کے برعکس بائبل کا بیان ہے کہ سانپ نے پہلے عورت سے بات کی اور پھر عورت نے اپنے شوہر کو بھکا کر درخت کا پھل کھلایا۔ (پیدائش۔ باب 3)

رسول اکرم ﷺ کو ہمیشہ عورتوں کے حقوق اور ان کی فلاح کا خیال رہا۔ یہاں تک کہ عالم نزع میں بھی آپ ﷺ نے جن چار باتوں کی وصیت فرمائی ان میں عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت شامل ہے۔

تعدد ازدواج

جن معاشروں میں کثرت ازدواج اور طلاق کی اجازت ہے ان میں عورت کو بالعموم خوف لاحق رہتا ہے کہ کہیں شوہر دوسرا نکاح نہ کرلے، کہیں اسے طلاق نہ ہو جائے۔ یہ خوف اکثر نفسیاتی الجھن اور اعصابی تناؤ کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان موضوعات پر بھی کچھ گفتگو کی جائے۔

غیر مسلموں اور مغرب زدہ دانشوروں نے اس مسئلے پر بہت تنقید کی ہے۔ لیکن اس کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے تین زاویوں سے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلا،

قانون فطرت ہے۔ قدرت کی نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ذی روحوں کے متعلق خالق کائنات کا منشا یہ تھا کہ صرف ایک ہی مادہ ہو۔ان کی نسل ہمیشہ جوڑا جوڑا پیدا ہوتی ہے۔ جن میں سے ایک مادہ اور ایک نر ہوتا ہے۔اس کے برعکس اکثر ذی روحوں کے ایک سے زیادہ بچے پیدا ہوتے ہیں اور نر مادہ کی تعداد متناسب نہیں ہوتی۔اس قانون کے مطابق انسان دوسری قسم میں داخل ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کو اس قسم کے جانداروں کے لئے متعدد مادائیں مقصود تھیں مگر چونکہ انسان شعور اور ادراک کی بدولت تمام مخلوقات میں اشرف ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ جو قوتیں اور حقوق اس بارے میں اس کو عطا ہوئے ہیں ان کو بڑی احتیاط سے طبعی ضرورتوں، معاشرت کے تقاضوں، گھر کے نظم وضبط، ملکی انتظامات، آب و ہوا اور حفظان صحت کے اصولوں کو ملحوظ رکھ کر استعمال کرے ورنہ اس میں اور دیگر بے شعور جانداروں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ بلاشبہ کثرت ازدواج عام حالتوں میں، بطور اصول قابل نفرت ہے لیکن یہ التزام کہ ہر صورت میں ایک سے زائد نہ ہو، صریحاً خلاف فطرت ہے۔ ہر اصول کی استثنائی صورتیں لازماً موجود ہوتی ہیں۔

دوسرا پہلو معاشرت کا ہے۔ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے مرد کے لئے عورت کی شکل میں ایک ساتھی پیدا کیا۔اس کی غرض یہ ہے کہ وہ مرد کی زندگی کے فکر و غم میں، رنج و راحت میں شریک ہو۔ اپنی رفاقت سے اس کی خوشی میں اضافہ کرے، ہمدردی سے تکلیف کے احساس کو کم کردے اور نسل انسانی کے پھولنے اور پھلنے میں مدد ہو۔ اور مرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اس مونس و غم خوار کو اس کا صحیح مقام دے، اس کی تعظیم و تکریم کرے اور اپنے دل میں اسے جگہ دے۔ لیکن اگر عورت اپنے ان فرائض کی ادائیگی میں قاصر ہو تو خالق فطرت کی طرف سے اس نقصان کے ازالہ کی یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ ایک محدود تعداد میں بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی ہے یا بصورت متبادل پہلی بیوی کو طلاق دینے کے بعد دوسرے نکاح کا اختیار دیا گیا ہے۔ طلاق کا حق (خلع) عورت کو بھی اسلام نے دیا ہے کہ اگر مرد اپنے فرائض انجام نہ دے سکے تو وہ قانوناً علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ لیکن سیاست مدن کے لحاظ سے اس کو پہلے قاضی سے اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اگر اس

تدارک کا انتظام نہ ہوتا تو اس کے باعث حسن معاشرت میں بڑا خلل واقع ہوتا۔ خاندان کا ادارہ بالکل اجڑ جاتا اور انسان بدترین گناہوں کی طرف مائل ہو جاتا۔

مغرب کے حکماء بھی مشرق کی گرم آب و ہوا کے پیش نظر تعدد ازدواج کی مصلحت کو سمجھ گئے ہیں۔ مانٹیگیو، بکنیز اور اوسلی اس کی تائید کرتے ہیں۔ لیکن محض امور طبعی کی وجہ سے تعدد ازدواج کی اجازت اسلام نے نہیں دی ہے۔ بلکہ ازدواجی زندگی کی تلخیوں کی صورت میں اس کی اجازت ہے تاکہ مقاصد ازدواج کے فوت ہونے کی صورت میں اس مسئلہ کا کوئی حل انسان کو حاصل ہو سکے۔

بعثت رسول ﷺ سے پہلے ایران میں قوانین نکاح پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ نکاح کے لئے تحریم کا کوئی تصور نہیں تھا۔ یہودیوں کے ہاں تعدد ازدواج پر کوئی روک نہیں تھی۔ عرب میں ایرانیوں اور یہودیوں دونوں کی رسمیں جاری تھیں۔ تعدد پر کوئی پابندی نہیں تھی تمام عورتیں بلا لحاظ رشتہ و رتبہ مردوں کے لئے جائز تھیں۔ اس کے برعکس عیسائیوں کے ہاں ایک بیوی بھی مناسب نہیں سمجھی جاتی تھی کیونکہ رہبانیت اور تجرد کی عام اجازت تھی۔

اس دور میں عقل بے بس تھی۔ ضمیر بے حس تھے۔ اخلاق بگاڑ کی آخری حد میں تھے۔ ان حالات میں محسن اعظم ﷺ نے نوع انسانی کو ازدواج کا ایک نہایت مکمل اور قابل عمل نظام عطا فرمایا جو نہ صرف تعقل کے معیار پر پورا اترتا ہے بلکہ انسان کی ذہنی اور جسمانی تندرستی کی بھی ضمانت دیتا ہے اور حسن معاشرت اور امن و سکون کی بھی حفاظت کرتا ہے۔

یہ امر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اسلام نے اس رعایت کے باوجود تعدد ازدواج کی بڑی حوصلہ شکنی کی ہے اگر اس کی غرض نفس پرستی اور بوالہوسی ہو تو تعدد ازدواج انتہائی ناپسندیدہ ہے اس لئے تعدد کو خاص حالتوں میں جائز رکھا گیا ہے۔ تو گویا اسلام کا فارمولا یہ ہے کہ عموماً کثرت ازدواج کی ممانعت ہے اور خاص استثنائی صورتوں میں اجازت ہے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے :- فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النساء : 3)

"اگر تم کو خوف ہو کہ متعدد بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو صرف ایک ہی بیوی رکھنی چاہئے"۔

اس حکم کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ شرع اسلامی میں تعدد ازدواج پر سخت پابندیاں عائد کی گئی ہیں، تو بات غلط نہ ہوگی کیونکہ اللہ سے ڈرنے والا سچا مسلمان شدید ضرورت ہی میں

تعدد ازدواج کی جرات کر سکے گا۔ عدل کا ارادہ ہو بھی تو اس کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہر وقت موجود رہے گا۔ چنانچہ قرآن کا بیان ہے کہ :-

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ

(النساء : 129)

"تم ہر گز طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں میں عدل کر سکو۔ تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے"۔

یہ آیت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ شاہ رفیع الدینؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر قرآن حکیم میں لکھتے ہیں کہ

"اگر عدل نہ ہو سکنے کا غالب احتمال ہو تو کئی عورتوں سے نکاح نہ کرنا بایں معنی ممنوع ہے کہ یہ شخص گنہگار ہو گا نہ بایں معنی کہ نکاح صحیح نہ ہو گا۔ نکاح یقیناً ہو جائے گا"۔

طلاق

عام حالات میں اسلام کی نظر میں طلاق تمدن اور حسن معاشرت کی دشمن ہے کیونکہ اس سے نکاح کا تقدس زائل ہو جاتا ہے اور عورت اور مرد کی باہمی محبت اور وفا کے جوہر پر میل چڑھ جاتا ہے۔ لیکن اگر مرد اور عورت کے باہمی تعلقات میں ایسی خرابیاں پیدا ہو جائیں جو ناقابل اصلاح ہوں تو ان کا علاج سوائے طلاق کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے مزاج میں تنوع اور اختلاف موجود ہے۔ دو بھائیوں اور دو بہنوں کے مزاج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ پسند اور ناپسند میں فرق ہوتا ہے۔ عام قدروں میں بھی بالعموم یکسانیت نہیں ہوتی۔ اس اعتبار سے شادی در حقیقت مرد اور عورت کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو کچھ دیتے ہیں اور ایک دوسرے سے کچھ لیتے ہیں۔ پسند اور ناپسند اور قدروں کے معاملے میں دونوں کو بڑی حد تک قربانی دینی پڑتی ہے۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے کیونکہ مرد و زن کی باہمی کشش اور فطری محبت ان سب باتوں کے لئے راہ ہموار کرتی ہے، فکر و نظر میں یک رنگی پیدا کرتی ہے، اختلافات کی خلیجوں کو پاٹتی ہے اور عورت و مرد کو لطیف روحانی زنجیروں میں جکڑے رکھتی ہے۔ اسی سبب سے ہمارے معاشرے میں شاذ و نادر ہی طلاق کے واقعات سننے میں آتے ہیں۔

لیکن جب یہ بالکل ممکن نہ ہو۔ عورت اور مرد کے مزاج منطبق نہ ہوں، قربانی اور ایثار کا جذبہ مفقود ہو جائے، ایک دوسرے کی کمزوریوں کو برداشت کرنے کا کوئی روادار نہ ہو، دن رات فساد ہو، خاندان کی فضاء مکدر ہو۔ باہمی اعتماد ختم ہو گیا ہو، گھر آنگن جہنم بن گیا ہو، تجدید وفا اور محبت کا کوئی امکان موجود نہ ہو، ناقابل حل الجھنیں پیدا ہو رہی ہوں اور نکاح کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہو تو صرف ایسی صورت میں اسلام نے طلاق کو جائز رکھا ہے۔ جس طرح ایک قابل سرجن انسانی جسم کے لاعلاج گلے سڑے جزو کو علیحدہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اسلام نے بھی ان حالات میں مرد اور عورت کی علیحدگی کی اجازت دی ہے۔ غور فرمایئے کہ ان حالات میں طلاق کا ادارہ معاشرے میں خرابی کا باعث نہیں ہوتا بلکہ خرابیوں کو رفع کر کے معاشرے کے حُسن کے تحفظ کا موجب ہو جاتا ہے۔

جس طرح تعدد ازدواج کی اسلام نے حوصلہ شکنی کی ہے اسی طرح طلاق کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ سرور کونین ﷺ نے اعلان فرمایا کہ :-

"کوئی چیز خدائے تعالیٰ نے زمین کے پردے پر ایسی پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک طلاق سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ ہو"۔ (بخاری)

مزید فرمایا کہ :-

"اللہ کے نزدیک مباح چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور مکروہ چیز طلاق ہے" (بخاری)

نیز فرمایا کہ :-

"جو عورت اپنے خاوند سے بغیر سختی کے طلاق چاہے اس پر جنت کی بو تک حرام ہے" (ابن ہشام)

آپ ﷺ نے طلاق دینے والے کو کبھی پسند نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے ایک ہی وقت میں تین طلاق دینے کی بھی ممانعت فرمائی۔ تین طہر میں تین دفعہ طلاق کو افضلیت دی ہے کیونکہ اس عرصے میں عفو و درگزر کا جذبہ بھی عود کر آسکتا ہے۔ محبت کی تجدید کے امکانات بھی موجود ہوتے ہیں اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے کا موقع بھی حاصل رہتا ہے...... اس کے علاوہ آپ ﷺ حالات کو کشیدگی سے محفوظ رکھنے کے لئے عورتوں کے ساتھ نیک سلوک روا رکھنے اور ان کے قصوروں کو تحمل سے برداشت کرنے کی تادم آخر تلقین فرماتے رہے ہیں۔

جنسی مساوات

مساوات ایک ایسی اصطلاح ہے جس کی صحیح تعریف ممکن ہی نہیں ہے۔ ایک اعتبار سے تمام انسان ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔ لیکن عملی زندگی میں کوئی دو آدمی بھی ایسے نہیں مل سکتے جو ہر اعتبار سے مساوی ہوں۔ ہر ایک کا مذاق علیحدہ، طبیعت جداگانہ، قوائے جسمانی و کیفیات ذہنی مختلف، روحانی صلاحیتیں الگ الگ ہوتی ہیں اور یہ اختلاف محض ماحول اور تربیت کا نتیجہ بھی نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ پیدائشی اختلافات کو معاشرے میں انسان کا درجہ متعین کرنے میں بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے انسان کی بنیادی وحدت اور مساوات کو اصولی طور پر تسلیم کرنے کے باوجود یہ بات عملاً ناممکن ہے کہ افراد کے باہمی فرق اور اختلاف کو بالکل مٹا دیا جائے اور ان اختلافات سے پیدا ہونے والی عدم مساوات کو بھی ختم کر دیا جائے۔ لیکن اس عدم مساوات سے انسانی معاشرے میں عدل و انصاف متاثر نہیں ہوتے۔ مظالم اور ناانصافیاں اس وقت وجود میں آتی ہیں جب انسان کی فطری عدم مساوات میں معاشرہ اپنی طرف سے مصنوعی عدم مساوات کا اضافہ کر دیتا ہے۔ ایسا اضافہ ظلم اور حق تلفی پر منتج ہوتا ہے اور غیر فطری رسم و رواج اور روایات کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر یہ غیر فطری بندشیں معاشرہ میں جڑ پکڑ لیتی ہیں جن کے باعث تمام افرادِ معاشرہ، عورتیں، مرد، جوان اور بوڑھے اپنی صلاحیتوں کے ارتقا میں رکاوٹ محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ان خرابیوں کو رفع کرنا اور غیر فطری عدم مساوات کا سدباب کرنا بلاشبہ مذہب اور حکومت کا فرض ہونا چاہئے۔

جنسی مساوات پر بھی اسی پس منظر میں غور فرمایئے۔ اگر جنسی مساوات سے مراد یہ ہے کہ دقیانوسی روایات اور مصنوعی رسومات اور ایسے قوانین کو منسوخ کر دیا جائے۔ جن کا کوئی جواز اسلام میں نہیں ہے تاکہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی ذہنی، جسمانی اور روحانی صلاحیتوں کو ترقی دینے کا موقع مل سکے تو اس قسم کی مساوات بالکل جائز اور منشائے فطرت کے عین مطابق ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد یہ ہو کہ عورتوں کی جسمانی خصوصیات اور وظائف، نفسیاتی میلانات اور ذہنی صلاحیتیں بعینہ مردوں کی مانند ہیں یا یہ دونوں ایک گاڑی کے دو پہیئے ہیں جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے یا مرد اور عورت ایک دوسرے کی تکمیل نہیں

کرتے بلکہ ایک مشترک میدان عمل میں ایک دوسرے کے حریف ہیں اور ہر وہ کام جو فطری طور پر مرد کر سکتے ہیں عورتیں بھی اسی خوبی سے اس کام کو انجام دے سکتی ہیں، یا مرد بھی عورتوں کے وظائف جسمانی و ذہنی انجام دے سکتے ہیں تو ایسی جنسی مساوات بالکل غیر حقیقی، غیر فطری اور ناقابل عمل ہے۔

جہاں تک مرد اور عورت کی بنیادی مساوات کا تعلق ہے۔ قرآن حکیم نے ایک جامع آیت میں اس کا اثبات کر دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: 1)

"اے لوگو! اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس واحد سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے کئی مرد اور عورتیں پیدا کیں"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک نفس واحد سے پیدا کیا۔ پھر اسی نفس واحد سے انسان کا جوڑا پیدا کیا۔ گویا صنف نازک کی تخلیق بھی اسی نفس واحد سے عمل میں آئی ہے جس سے مرد کو بھی پیدا کیا گیا ہے۔ اسی طرح عورت و مرد کی اصولی مساوات کا بھی اعلان کیا گیا اور تمام انسانوں کو بلا امتیاز نسل و خون و رنگ و جغرافیہ مساوی قرار دیا گیا ہے۔

اس تعلیم کو قدیم تاریخ کے پس منظر میں دیکھئے تو اس کی انقلابیت اور عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے یہ تعلیم اس وقت دی گئی جب کہ عورتوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ پست اور حقیر تھیں کم رتبہ اور کم درجہ تھیں۔ غلام سمجھی جاتی تھیں۔ بیوہ ہوتیں تو جائیداد کی طرح وراثتاً اولاد نرینہ کی ملکیت قرار دی جاتیں۔ ان کی پیدائش باعث ننگ تھی اور ان کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا ان حالت میں نبی الحرمین ﷺ نے فرمایا کہ :-

"جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو اور وہ اسے تکلیف نہ دے اس کی اہانت نہ کرے اور لڑکوں کو اس پر فوقیت نہ دے تو اللہ اس کی وجہ سے اسے جنت میں داخل کر دے گا"۔ (بخاری)

مزید فرمایا کہ :-

"جنت اس شخص کا حق ہے جو اپنی لڑکیوں کی باعزت پرورش کرے ان کو تعلیم دے اور خوش اسلوبی سے انہیں بیاہ دے۔ میں خود ایسے شخص کے لئے آتش جہنم کی آڑ

بن جاؤں گا"۔

مساوات جنسی کے لئے اسلام نے زور دیا کہ اولاد کے لئے ماں اور باپ دونوں کا مرتبہ برابر ہے۔ بلکہ ماں کی فضیلت پر قرآن اور حدیث میں خاص طور پر زور دیا گیا ہے چنانچہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا کہ :-

"جنت ماں کے قدم کے نیچے ہے"۔ (مسلم)

حضور اکرم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ماں کا۔ پوچھا پھر کون مستحق ہے؟ فرمایا تیری ماں! تین دفعہ آپ نے یہی جواب دیا۔ چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد ہوا، تیرا باپ! (صحیح بخاری)

روحانی ارتقا کے تعلق سے قرآن کی نظر میں عورتوں اور مردوں میں کامل مساوات ہے۔ عورتیں بھی اپنی سعی سے روحانی ترقی کے اعلیٰ ترین مدارج طے کر سکتی ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ :-

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ (النساء : 32)

"مرد جو کچھ اپنی جدوجہد سے حاصل کریں گے اس سے وہ بہرہ ور ہوں گے اور عورتیں جو کچھ (اپنی جدوجہد سے) حاصل کریں گی اس سے وہ مستفید ہوں گی"۔

یہ حکم معاشی اور روحانی زندگی دونوں پر حاوی ہے۔ مرد کی طرح عورت بھی معاشی جدوجہد میں حصہ لے سکتی ہے۔ یا اخلاقی جدوجہد کے ذریعے سے روحانی مدارج حاصل کر سکتی ہے۔

قرآن مجید نے مزید فرمایا کہ :-

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(البرات:72-71)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ وہ اچھے کام کرنے کا حکم

دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں زکوۃ دیتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ان پر اللہ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اللہ نے مومن مرد اور مومن عورتوں سے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ انہی میں رہیں گے اور رہنے کے لئے مکان ستھرے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضامندی ہوگی اور یہی ہے سب سے بڑی مراد جو مل سکتی ہے"۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ یہ مساوات مکمل ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی اور مساوات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم دوسرے انسانی اداروں کی طرح اپنے استحکام اور استقلال کے لئے خاندان کا ادارہ بھی ایک سربراہ کا متقاضی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کی جسمانی اور ذہنی برتری اور اس کی اقتصادی ذمہ داری کے پیش نظر یہ منصب مرد ہی کو عطا کیا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النساء : 34)

"مرد نگران ہیں عورتوں پر کیونکہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے اور مرد (خاندان کی کفالت کے لئے) خرچ کرتے ہیں"۔

حضور پاک ﷺ نے حصول علم کو مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرض کیا ہے۔ یعنی حصول علم میں بھی آپ ﷺ نے دونوں کی مساوات قائم فرما دی ہے۔ غرض یہ کہ احترام، معاشی حقوق اور آسائش میں بلا شبہ اسلام مرد اور عورت کی مساوات کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن فرائض اور جسمانی وظائف دونوں میں علیحدہ علیحدہ تقسیم کرتا ہے۔ یہ تقسیم منشائے فطرت اور مرد اور عورت کی جسمانی اور ذہنی ساخت کے عین مطابق ہے۔ ہمارے ہاں عورت کا اولین منصب امومت ہے وہ معاشرے کو صحت مند نسل عطا کرتی ہے۔ خاک کو آدم بناتی ہے آتش زندگی کی محافظ ہوتی ہے۔ ثبات زندگی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ وہ "رب البیت" ہوتی ہے تقدس مآب ہوتی ہے۔ ملت کی عزت و آبرو ہوتی ہے محبت کی تخلیق کرتی ہے۔ اخوت کے جوہر اجاگر کرتی ہے۔ ان فرائض کی انجام کی بدولت اسلام میں اس کا مقام بہت بلند ہے۔ اوج ثریا سے بھی بلند اور یہ وہ مقام ہوتا ہے۔ جہاں عورت ملت کو توانائی بخشتی ہے

اور قرآن کی طاقت بن جاتی ہے!

حافظ رمز اخوت مادراں قوت قرآن و ملت مادراں! [1]

ہمارا تصور یہ ہے کہ اس کائنات میں خالق حقیقی کے بعد سب سے بڑی خالق مجازی عورت ہی ہے۔ اسی کے وجود سے تصویر کائنات میں رنگ ہے۔ اسی کی بدولت زندگی میں سوز و ساز ہے۔ اور اس اعتبار سے اس کا مقام بہت اعلیٰ وارفع ہے!

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں! [2]

اسلامی تعلیمات سے اندازہ ہوگا کہ رحمت للعالمین ﷺ کی تعلیم کی رو سے مخلوقات انسانی میں جنس لطیف ہی کی ایک صنف کو سب سے زیادہ برتری حاصل ہے یعنی ماں مخلوقات انسانی میں عظیم تر ہے۔ اس کی یہ برتری بالکل فطری ہے۔ انسان اپنے وجود کے لئے سب سے زیادہ ماں ہی کا ممنون ہوتا ہے جو اس کی تخلیق کی مادی علت ہے اور خالق اکبر کی علت فاعلہ ء ذات کے بعد اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہے!

لیکن مغرب میں جہاں غیر فطری جنسی مساوات کا پرچار کیا جاتا ہے، عورت آدم کو خاک بناتی ہے۔ اسی مساوات کے دھوکے میں نائٹ کلبوں اور کیبروں میں برہنہ اور نیم برہنہ رقص کرتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں غمزہ و ادا سے، عریانی و عشوہ سے جنس مخالف کو اپنی طرف راغب کرنا اپنا کمال سمجھتی ہے اور اسی کو مساوات اور آزادی تصور کرتی ہے! حالانکہ یہ مساوات بے شمار فتنوں کو جگاتی ہے۔

شوخ چشم و فتنہ زا آزادی اش
از حیا ناآشنا آزادی اش [3]

عورت کے جنسی استحصال کے لئے مغرب میں مصنوعی مساوات کا ڈھونگ رچایا گیا ہے۔ اسی غرض کے لئے عورت کو بڑے سبز باغ دکھائے گئے۔ اس کو ورغلایا گیا، جھوٹی قدریں اس کے سامنے رکھ دی گئیں اور یقین دلایا گیا کہ عورت کا فطری کردار جنسی مساوات کے مغائر

---

[1] اسرار رموز ص ۱۷۶ [2] ضرب کلیم ص ۹۲ [3] اسرار رموز ص ۱۷۵

ہے۔اس کردار سے حسن پامال ہو تا ہے۔ جسم کے خطوط بگڑ جاتے ہیں۔ گھر کی ذمہ داریاں چار دیواری میں قید کر دیتی ہیں۔ اس کے برعکس بزم طرب کی رونق بنتا اس کا حق ہے۔ کال گرل اور ماڈل گرل بنتا اس کا کمال ہے، عریانی اس کا حسن ہے۔ بے حیائی اس کا زیور ہے۔ اور مرد کے ساتھ فحاشی جنسی مساوات کی واحد علامت ہے! مغرب کی عورتیں بھی اس چکر میں آ گئیں۔ انہوں نے یقین کر لیا کہ یہی جنسی مساوات ہے۔ انہوں نے سوچا کہ عریانی سے ہر مرد کو مسحور کر لیا جائے گا۔ حسن و رعنائی سے سرمایہ دار کو اسیر بنا لیا جائے گا لیکن ان کے اندازے غلط نکلے، ان کی عقل پر پردے پڑ گئے، دل بے گداز ہو گئے......! اور یہ عورتیں خود دولت کی لونڈیاں بن گئیں۔ ان کے جسم بک گئے۔ نسائیت تحلیل ہو گئی اور جھوٹی مساوات کی آرزو میں ان کا اصلی حسن، ان کی حیا آنکھوں سے جاتی رہی......!

عقل ہا بیباک و دل ہا بے گداز
چشمہا بے شرم و غرق اندر مجاز [1]

ان حالات میں جنسی بے راہروی مغرب میں عام ہے۔ طلاق زندگی کا معمول ہے۔ معاشرہ ذہنی سکون کھو بیٹھا ہے، نفسیاتی توازن سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ خاندان کا ادارہ دم توڑ رہا ہے۔ حالانکہ منشائے فطرت کے مطابق خاندان کا ادارہ ہی انسانی معاشرہ کی فلاح اور نوع انسانی کے ذہنی روحانی سکون اور اس کی آبرومندانہ بقا کا ضامن ہے۔ ورنہ محض بقائے نسل کی جبلت تو کتوں اور بلیوں میں بھی موجود ہے، تولد و تناسل کا سلسلہ ان میں بھی جاری ہے...... مغرب اسی حیوانی روش پر چل پڑا ہے، آزادانہ جنسی اختلاط اس کی تہذیب کا جزو ہے اور غیر شادی شدہ خواتین کے ہاں بچوں کی پیدائش روزمرہ کی معمولی بات ہے!
اس طرح مغرب کی جو تہذیب غیر فطری جنسی مساوات کے گمراہ کن تصور کی بنیاد پر پروان چڑھتی ہے وہ ہر فساد کی جڑ ہے اور اس میں لاکھوں فتنے پرورش پا رہے ہیں............!

فتنہء راکہ دو صد فتنہ باغوشش بود
دخترے ہست کہ در مہد فرنگ است ہنوز! [2]

قرآن مجید نے یونانی فلسفیوں کے برعکس شرم و حیا کو فطری جذبہ قرار دیا ہے اور شرک کے

---

[1] جاوید نامہ ص ۲۳۶ [2] زبور عجم ص ۹۸

ساتھ ساتھ بے حیائی کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف:33)

"(یعنی اے محمد ﷺ!) لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں، ان میں بے شرمی کے کام بھی ہیں چاہے وہ کھلے بندوں کئے جائیں، چاہے چھپ چھپ کر کئے جائیں"۔

قرآن حکیم واضح کرتا ہے کہ شرم انسان کے اندر مصنوعی طور پر پیدا نہیں ہوئی بلکہ یہ فطری چیز ہے جو ابتدا ہی سے انسان کی طبیعت میں رکھ دی گئی ہے۔ جب کبھی کوئی معاشرہ حیا کے جذبے کو مجروح کرتا ہے تو وہ سیدھی راہ سے ہٹ جاتا ہے اور خدا کے غضب کا مستوجب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شیطان نے جو پہلی چال انسان کو گمراہ کرنے کے لئے چلی تھی وہ یہ تھی کہ اس نے انسانکے شرم وحیا کے جذبہ پر ضرب لگائی تھی اور جنسی امور میں بے راہرو کر دیا تھا۔ درحقیقت شرم وحیا کا جذبہ انسان کے اندھے جنسی تقاضوں کے اطراف ایک محافظ فصیل ہوتی ہے جسے انسانی معاشرہ کی فلاح میں بنیادی حیثیت حاصل ہے .... مغرب میں غیر فطری جنسی مساوات کے جنون نے اس فصیل کو مہندم کر کے رکھ دیا ہے ....!

ظالمانہ عدم مساوات

پچھلے صفحات میں ہم نے مختلف قوموں اور تمدنوں میں ظالمانہ عدم مساوات کا ذکر کیا ہے اور انسانیت کے اس بہتے ہوئے ناسور پر روشنی ڈالی ہے۔ تہذیب عصر حاضر میں بھی اگرچہ حریت، مساوات اور اخوت کا بڑا چرچا ہے، تاہم یہ اصطلاحات ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکی ہیں۔

آج دنیا کی سیاسی اور اقتصادی کشمکش کا ایک اہم مسئلہ عدم مساوات ہے اور سچ تو یہ ہے کہ نوع انسانی کی تمام مصیبتوں کا حل اسی لفظ "مساوات" میں پوشیدہ ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے باوجود افراد اور اقوام اس سے گریز کرتے ہیں۔ "مہذب" قومیں اس کی علمبردار بنی ہوئی ہیں لیکن وہ ناکام ہیں کیونکہ اُن کی مساعی محض نمائش کے لئے ہیں۔ خلوص سے ان کا دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

آج کی ترقی یافتہ دنیا میں انفرادی اور اجتماعی حریت اور مساوات کے اقدار اگرچہ بہت نمایاں ہوئے ہیں لیکن ان ترقی یافتہ اقوام نے اسی قدر پسماندہ اقوام کی غلامی اور حق تلفی کے سامان بھی پیدا کر دیئے ہیں۔ اس غرض کے لئے انہوں نے حربی طاقت بھی استعمال کی ہے اور کہیں اقتصادی فوجی امداد کا سہارا بھی لیا ہے۔ نیز ایک طرف دنیا کی کثیر آبادی آہنی پردوں کے پیچھے آزادی اور مساوات سے محروم ہے تو دوسری طرف آزادی کے علمبردار اپنی حیوانی خواہشات کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ اس طرح اللہ کی اس زمین کے بڑے حصوں پر کہیں انسان کی زبان بندی ہے تو کہیں نظر بندی ہے۔ کہیں انسان رنگ و نسل اور عقائد کی بناء پر حالت غلامی میں پڑا ہے تو کہیں اقتصادی اور سماجی طور پر مساوات سے محروم کر دیا گیا ہے۔

مغرب کا جدید جمہوری تمدن بظاہر نہایت دلکش و دلفریب ہے۔ اس کی سائنسی ترقی سے دنیا کو بہتری کی امید ہو چلی تھی۔ لیکن بہت جلد یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ بنی نوع انسان کے لئے اس کی ہمدردی اور محبت میں دراصل طمع زر، جنگ و جدل، معاشی استحصال اور رنگ و بو کے امتیازات پوشیدہ ہیں۔

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردے میں نہیں جز از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے، یہ آزادی کی ہے نیلم پری [1]

مغرب میں سفید فام انسانوں کی بستیوں نے اپنے دروازے ایشیا والوں پر بند کئے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں کالوں اور گوروں کے گرجے بھی الگ الگ ہیں۔ امریکہ کے گوروں نے ریڈ انڈینس کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا ہے۔ فرانس نے اپنی نو آبادیوں کو قدیم باشندوں سے پاک کرنے کے لئے کانگو کے رہنے والوں پر لرزہ خیز مظالم ڈھائے ہیں۔ یورپ کی تمام قوموں نے افریقہ کے غریب باشندوں کو بھیڑ بکری کی طرح جہازوں پر لاد کر مختلف ممالک میں فروخت کیا ہے .... یہ ہے اہل مغرب کی مساوات کے دعووں کی

---

[1] بانگ درا ص ۲۹۲

حقیقت!اور ان کی حریت اور آزادی کے نعروں کی اصلیت!!

اس پس منظر میں دیکھئے کہ اسلام اخوت اور مساوات کے ذریعے سے انسانوں کی عالمگیر برادری قائم کرتا ہے اور حبشی ورومی، مشرقی اور مغربی، عجمی اور عربی کو ایک ہی پلیٹ فارم پر لا کھڑا کرتا ہے۔ چنانچہ اسلام کے آتے ہی نسلی تفاخر، قومی تکبر اور نسبی وجاہت کے بت ٹوٹ جاتے ہیں اور روم سے صہیبؓ فارس سے سلمانؓ، حبش سے بلالؓ، عرب کے قریشی النسب عمرؓ اور علیؓ ہی کی طرح قابل احترام ٹھہرتے ہیں.........!

حسنؓ زبصرہ، بلالؓ از حبش، صہیبؓ از روم
زخاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است! [1]

حضرت بلالؓ حبشی نے جب شادی کی خواہش ظاہر کی تو سرداران قریش میں سے ہر ایک کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ حضرت بلالؓ اس کی طرف رجوع ہوں اور اسی جذبہ کے تحت سالار انبیاء علیہ السلام نے اپنی پھوپھی زاد بہن ایک غلام حضرت زیدؓ سے بیاہ دی تھی۔ انسانی مساوات کے بارے میں قرآن نے فرمایا کہ!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (13:49)

"یعنی اے لوگو! ہم نے تم کو ایک ہی مرد اور عورت سے بنایا اور تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ ورنہ اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے!"

یہ تعلیم انسانی مساوات کی علمبردار ہے۔ نسلی، جغرافیائی اور لسانی امتیازات کے لئے پیغام ہلاکت ہے۔ چنانچہ اس تعلیم نے آناً فاناً سب جھگڑے مٹا دیئے اور مساوات، محبت اور عفوو درگزر کی بنیاد پر ایک عالمگیر برادری قائم کی۔ اس میں آقا اور غلام قانون کی نظر میں ایک ہو گئے۔ ایک حبشی اپنے نظریہ کی اساس پر قریشی سردار سے زیادہ معزز ہو گیا اور غلام عالمگیر برادری کی امامت اور بادشاہت کے لائق بن گئے!

اسلامی اخوت اور مساوات کے بارے میں امام القبلتین صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع کے

---

[1] اقبال"

موقع پر فرمایا کہ :-

"لوگو! میں تمہیں اسلامی وحدت کا سبق یاد دلاتا ہوں، یاد رکھو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اخوت خدا کی ودیعت ہے۔ پس کسی بھائی کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے بھائی کی مرضی کے خلاف اس کا مال حاصل کرے۔ لوگو! اسلام میں سب آدمی برابر ہیں۔ نہ عربی کو عجمی پر اور نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے۔ سب میں وجہ امتیاز صرف پارسائی اور تقویٰ ہے اور خدا کے نزدیک سب سے بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ آج میں نسل، رنگ اور قوم کے بتوں کو پاؤں تلے روندتا ہوں اور تمام انسانوں کو عالمگیر اخوت اور مساوات کے رشتے میں جکڑ دیتا ہوں۔ کیونکہ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔ (صحیح بخاری)

نوع انسانی کی قطعی اور مکمل مساوات اور وحدت کا یہ عظیم الشان اعلان ہے جس نے قوم پرستی اور نسل پرستی کی شہ رگ کاٹ دی ہے۔ چنانچہ اولنز اپنی تصنیف -TRIUM PHANT PILGRIMAGE میں لکھتا ہے کہ انسانی اخوت اور مساوات کے بارے میں اسلامی رویہ اور ان لاکھوں مسلمانوں کے رویے کا ذکر نہایت ضروری ہے جو دولت اور نسل کے اختلافات کو نہایت معمولی سمجھتے ہیں اور جن کا تصور جمہوریت قدیم یونانیوں سے سبقت لے گیا ہے اور گبز اپنی کتاب "عظمت محمد (ﷺ)" میں کہتا ہے کہ اسلام نے انسانی تہذیب اور اخلاقیات کی ترقی کے لئے ان تمام مذاہب سے کہیں زیادہ کام کیا ہے جو انسان کی تخلیق سے لے کر اب تک اس کی روح کو گرمانے کا باعث ہوئے ہیں"۔

ایک معزز قبیلے بنی مخزوم کی ایک خاتون چوری کے الزام میں گرفتار ہوئی۔ اس قبیلے کی اہمیت کے مدنظر لوگوں نے رسول اکرم ﷺ سے سفارش کی کہ اس خاتون کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ :-

"اے لوگو! تم سے پہلی امتیں اس لئے تباہ ہوئیں کہ جب کوئی بااثر اور بارسوخ آدمی جرم کرتا تو اس سے چشم پوشی کی جاتی، لیکن جب کسی معمولی آدمی سے جرم سرزد ہوتا تو اسے سزا دی جاتی۔ خدا کی قسم اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جاتے" (بخاری)

"خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے ہمراہیوں سے ممتاز بنتا ہے"۔ (بخاری)

آپ ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں سب لوگوں کے ساتھ بہ نفس نفیس کام کیا۔ خندق کی کھدائی میں آپ ﷺ بھی تین دن کے فاقہ کے باوجود دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک ایک حصہ کی کھدائی میں مصروف رہے اور آپ ﷺ نے ایک بڑے سخت پتھر کو توڑا جو دوسرے لوگوں سے ٹوٹ نہیں رہا تھا۔

آپ نے مساوات کی عملی تعلیم دینے کے لئے اور نسبی فخر کو مٹانے کے لئے حضرت اسامہؓ کو اس فوج کی سپہ سالاری دی جو رومیوں کی روک تھام کے لئے روانہ کی گئی تھی۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ :-

"وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو اپنے ایسے قبیلے کا ساتھ دے جو ظالم ہو" (مسلم)

بہر حال تاریخ اسلام میں مساوات اور اخوت کی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی تمدن میں مساوات اور اخوت کا دارومدار مغربی تمدن کی طرح خارجی اور مادی احوال پر نہیں بلکہ انسان کی اندرونی اخلاقی کیفیت پر ہے۔ یہ اخلاقی کیفیت بلاشبہ عقیدۂ توحید ہی کا ثمر ہے جو فطرت کا مقصود اور مسلمانی کا جوہر ہے۔

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی [1]

تعصب

رنگ، نسل زباں، جغرافیہ اور مسالک کے تعصبات کے باعث ساری دنیا مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ فی الحقیقت انسانی تہذیب کا بدترین ناسور تعصب ہے اور اس کا اعلیٰ ترین جوہر رواداری ہے۔ قرآن مجید مذہبی رواداری اور فکر کی آزادی کا اصول نہایت تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ : 256)

"دین میں جبر نہیں ہے"

پھر قرآن نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ ہمارا خدا صرف مسلمانوں ہی کا رب نہیں ہے بلکہ تمام

---

[1] بانگ درا ص ۳۰۷

انسانوں کا رب ہے اور ہمارے رسول ﷺ صرف مسلمانوں ہی کے لئے رحمت نہیں ہیں بلکہ تمام عالمین کے لئے، ساری نوع انسانی کے لئے رحمت ہیں۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اولاد آدم کی ایک ہی برادری ہے سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں کیونکہ سب کے سب ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کئے گئے ہیں! یہ سب باتیں انسانی محبت کی تخلیق کرتی ہیں اور تعصب اور نفرت کا خاتمہ کر کے نوع انسانی کو اخوت کی زنجیروں میں جکڑ دیتی ہے۔!

اس اصول کا عملی نمونہ حضور اکرم ﷺ کی عملی زندگی ہے۔ آپ ﷺ کے عمل سے کئی تابناک مثالیں قائم ہوئی ہیں۔ بخران کی فتح کے بعد آپ ﷺ نے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا اس میں صاف طور پر درج ہے کہ سب عیسائیوں اور پادریوں کو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف سے امان ہے۔ کسی پادری کو اس کے عہدے سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ نہ کسی راہب کو رہبانیت سے منع کیا گیا جائے گا اور نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے روکا جائے گا۔ ان کے وہی حقوق اور مراعات رہیں گی جو پہلے سے انہیں حاصل ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ :-

"حقوق میں تمام انسانوں کو برابر رکھو۔ اس طرح کہ اپنے بیگانوں کی طرح اور بیگانے اپنوں کی طرح ہوں"۔ (ابوداؤد)

آپ ﷺ کے قبیلے کے کسی فرد کو دوسروں پر کسی درجہ کی کوئی فضیلت حاصل نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تھا کہ :-

"اے محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ! اپنے لئے نیک عمل کرو۔ میں اللہ کی گرفت سے تمہیں ذرہ بھر بھی نہیں بچا سکتا!"۔

ایک روز آپ ﷺ حضرت عمرؓ کے ساتھ فجر کی نماز کے لئے مسجد کی طرف جارہے تھے۔ ایک پگڈنڈی پر سے گزر رہے تھے۔ نماز کے لئے وقت بہت تھوڑا رہ گیا تھا۔ لیکن آپ ﷺ آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھتے نہیں ہو آگے آگے کون جارہا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ تو ایک بوڑھا یہودی ہے، ایک کافر ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس پر وضاحت فرمائی کہ اگرچہ وہ کافر ہے اور یہودی ہے لیکن عمر میں مجھ سے بڑا ہے۔ اس کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جانا اسلامی

اخلاق سے بعید ہے۔اس کا احترام مجھ پر واجب ہے۔! (بخاری)

اسی طرح ایک اور واقعہ کتابوں میں درج ہے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر کہیں سے گزر رہے تھے۔ سامنے سے ایک کافر کا جنازہ آ رہا تھا۔ آپ ﷺ گھوڑے سے اتر پڑے۔ آپ ﷺ کے ساتھی بھی اتر گئے اور احتراماً اسوقت تک کھڑے رہے جب تک کہ جنازہ گزر نہیں گیا۔

غیر مسلم قبیلوں کے وفود جب مدینہ آتے تو آپ ﷺ ان کو مسجد نبوی میں ٹھہراتے اور ان کی خاطر مدارات عزیزوں اور دوستوں کی طرح کیا کرتے۔

آپ ﷺ کے نزدیک غریب اور مفلس مسلمانوں اور غریب اور مفلس غیر مسلموں میں کوئی امتیاز نہیں تھا۔ سب آپ ﷺ کی اعانت اور ہمدردی کے یکساں مستحق تھے

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں آپ ﷺ کے خلاف ایک طوفان کھڑا ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ کو طرح طرح سے اذیتیں دی جاتی تھیں اور آپ ﷺ کی توہین کی جاتی تھی ....ایک خاتون نے اپنا دستور بنالیا تھا کہ ہر روز جب آپ ﷺ اس کے گھر کے سامنے سے گزرتے تو وہ گھر کا سارا کوڑا کرکٹ آپ ﷺ کے اوپر پھینک دیا کرتی تھی۔ یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ لیکن ایک روز جب آپ ﷺ اس کے گھر سے گزرے تو نہ وہ کوڑا کرکٹ تھا اور نہ وہ خاتون تھی۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ سخت بیمار ہے اور بستر پر پڑی ہوئی ہے۔ اس پر آپ ﷺ اجازت طلب کر کے گھر کے اندر گئے، اس کی عیادت فرمائی، اس کی صحت کے لئے دعا کی! آپ ﷺ کے کردار کی عظمت سے وہ خاتون متاثر ہوئی اور مسلمان ہو گئی۔!

اس کے باوجود اسلام کے خلاف مغرب کا یہ الزام ہے کہ اس میں رواداری کا فقدان ہے "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کے مصداق یہ الٹا الزام ہے یہ الزام اس تہذیب کے علمبرداروں نے لگایا ہے جس نے سپین، سسلی اور اپولیہ میں ایک مسلمان کو بھی زندہ نہیں چھوڑا تھا۔ 1821ء کی بغاوت میں یونان میں ایک ایک مسجد کو ڈھایا گیا تھا۔ جزیرہ نمائے بلقان میں مسلمانوں کی اکثریت کو تشدد کے ذریعے سے ایک حقیر اقلیت میں بدل دیا گیا تھا۔ تاریخ

اس بات پر بھی شاہد ہے کہ مغربی تہذیب کے علمبرداروں نے سپین میں، زار کے روس میں ، پولینڈ اور دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمنی میں، یہودیوں پر کیسے کیسے مظالم ڈھائے اس کے برعکس تاریخ گواہ ہے کہ مسلم سلطنت میں یہودیوں اور عیسائیوں کو نہ صرف عقائد کی مکمل آزادی حاصل تھی بلکہ مکمل حکومت خوداختیاری بھی ان کو دی گئی تھی۔ بنوامیہ کے عہد میں سارے سپین میں اور بنوعباس کے دور میں سلطنت بغداد میں یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے ساتھ مساویانہ حیثیت حاصل تھی۔ ان کے بچوں کو مدارس اور یونیورسٹیوں میں نہ صرف مساوی استحقاق حاصل تھا بلکہ ہاسٹلوں میں ان کے قیام و طعام کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ جب مورس (MOORS) سپین سے نکالے گئے تو عیسائیوں نے یہودیوں کا قتل عام شروع کیا اور جو بچ نکلے ان کو مسلمانوں کی سلطنتوں مراکش اور ترکی میں پناہ دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی سلطنتوں میں ان تمام مظلوموں کو پناہ نصیب ہوتی تھی جو یورپ کے دوسرے ممالک میں تختہء مشق ستم بنائے جاتے تھے۔

دراصل مذہب تو امن و صلح کا پیغام لے کر آتا ہے لیکن دنیا میں مذہب ہی کے نام پر خونریزی ہوتی رہی ہے۔ بعثت رسول ﷺ کے وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ ہندوستان کے رشیوں نے آریہ ورت کے باہر خدا کی آواز کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی تھی، ان کے نزدیک پرمیشور کا منصب صرف آریہ ورت کے لوگوں کی فلاح تھا۔ زرتشت کو ایران کے باہر خدا کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ بنی اسرائیل اپنے حلقہ سے باہر کسی نبی کے ظہور کو تسلیم نہیں کرتے تھے .... یہ تو صرف پیغام محمدی ﷺ ہے کہ جس کی برکت سے مشرقین اور مغربین میں خدا کی آواز سنی گئی اور یقین کیا گیا کہ خدا کی رہنمائی اور ربوبیت کے لئے ملک، قوم، زبان، رنگ اور نسل کی تخصیص نہیں ہے۔ اس کی نگاہ میں ہر ملک، ہر قوم، ہر انسان برابر ہے۔ ہر طرف اسی کا نور ہے!

یہ اسلام ہی کی وسعت نظر ہے کہ ہر مسلمان کے لئے تمام پچھلے پیغمبروں پر اور ان کے صحیفوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے یہاں تک کہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں میں امتیاز کرنے کی بھی اس کو اجازت نہیں ہے۔

تاریخ بلاشبہ ہماری رواداری پر فخر کر سکتی ہے ہماری رواداری کی مثال ہی رنگ و

نسل، زبان و جغرافیہ، مذہب و مسالک کے خونیں اختلافات میں الجھی ہوئی اس دنیا کو امن و سکون عطا کر سکتی ہے اور نوع انسانی کے زخموں کو پوری طرح مندمل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے........!

ناانصافی

ساری کائنات ایک میزان عدل پر قائم ہے۔ تمام مظاہر فطرت ایک عادلانہ نظام کے پابند ہیں۔ سورج چاند اور ستارے ایک خاص نظام کے تحت گردش کر رہے ہیں، جمادات و نباتات، صحرا و دریا، پرند و چرند، سب نے اسی نظام کے آگے سر جھکا دیا ہے۔ یہ فطری نظام قدیم ہے خدا نے جب آسمان کو پیدا کیا تو اسی وقت ایک میزان عدل بھی قائم کر دیا۔

انسان، فطرت کا اعلیٰ ترین مظہر ہے۔ اس لئے خدا کی تمام مخلوقات کی طرح اپنی فلاح اور بقا کے لئے اسی فطری نظام عدل کا پابند ہے لیکن وہ تو تمام مخلوقات میں اشرف ہے اس سبب سے خدا کے نظام عدل کا بھی اسے سب سے زیادہ پابند ہونا چاہئے!..... چنانچہ اللہ نے آفتاب اور ماہتاب کی اطاعت کی مثالیں دے کر انسان کو بھی اس عادلانہ قانون کی پابندی کا حکم دیا ہے۔

لیکن انسان ہمیشہ ظلم و استبداد کی طرف مائل رہا ہے۔ اس کے دست ستم نے ہمیشہ نظام عدل کو درہم برہم کیا ہے اسی لئے اسے ہمیشہ سزا بھی ملتی رہی ہے.....!

بعثت رسول ﷺ سے قبل عرب میں کوئی حکومت نہیں تھی۔ کوئی عدالت نہیں تھی کمزور اور مظلوم کے لئے حصول انصاف کی کوئی صورت نہیں تھی۔ جس کی لاٹھی تھی اسی کی بھینس تھی۔ ہندوستان میں آبادی کا بہت بڑا حصہ، شودروں کا سارا طبقہ انصاف سے محروم تھا۔ قدیم روم اور ایران کے مظلوموں کی داستان تو آپ پچھلے صفحات میں پڑھ آئے ہیں اور عصر جدید کی مہذب قوموں کی "انصاف پسندی" کا حال بھی معلوم کر چکے ہیں۔

دراصل میزان عدل طاقت کے صحیح استعمال سے قائم رہتا ہے اور اسی اصول کے تحت قوموں کے عروج کی تاریخ بنتی ہے اور اسی اصول کی خلاف ورزی سے قومیں روبہ

زوال ہو جاتی ہیں کیونکہ قوت کا غلط استعمال عدل و انصاف کے شیرازے کو منتشر کر دیتا ہے۔ بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ قوت اور اقتدار کا نشہ انسانی خواہشات میں بے راہروی پیدا کر دیتا ہے اور جو قومیں اس طرح بھٹکتی ہیں وہ آگ کو بھڑکاتی ہیں۔ ان کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور جو قومیں اعتدال کو قائم رکھتی ہیں، طاقت، دولت، ثروت اور حکومت کا جائز استعمال کرتی ہیں۔ ان کے قدموں کی نیچے زمین اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے ڈال دیتی ہیں۔ لیکن عام طور پر دنیا کی قوموں نے زمین کو اپنی ہوا و ہوس کے لئے استعمال کیا۔ اس میں گل وریحان کی بجائے نوع انسانی کے لئے کانٹے بوئے۔ اس لئے یہی زمین ان کے لئے عذاب بن گئی۔ قوم ثمود کو زمین کی گردش نے پیس ڈالا، عاد کو ہوا کے جھونکے اڑا لے گئے۔ فرعون کو دریائے احمر کی موجیں نگل گئیں......!

لیکن کائنات میں ارتقاء کا عمل جاری ہے۔ قوانین فطرت نے بھی ترقی کی ہے۔ پہلے فطرت کے قوانین قوموں کو نظام عدل کی خلاف ورزی کی سزا دیتے تھے لیکن آج فطرت کی طاقتوں نے انسان کے دل و دماغ کو ایسی سزاؤں کا ذریعہ بنایا ہے۔ اب تمام ذمہ داریوں کا بوجھ انسان کے سر پر ہے۔ چنانچہ آج وہ میزان عدل کو متزلزل کر دیتا ہے تو ہیروشیما اور ناگاساکی کی تباہیوں کی لپیٹ میں آجاتا ہے، ویتنام سے حیرت انگیز حربی طاقت کے باوجود ذلیل و خوار ہو کر نکل جاتا ہے۔ افغانستان میں دس سال تک آگ اور آہن کی بارش کرتا ہے خون کی ندیاں رواں کر دیتا ہے۔ بارہ لاکھ افغانوں کو ہلاک کرتا ہے اس کے باوجود بہت بے آبرو ہو کر لوٹ جاتا ہے.....!

در حقیقت جب میزان عدل ڈگمگانے لگتا ہے تو ملک ٹوٹ جاتے ہیں۔ اپنے پرائے ہو جاتے ہیں، تحریکیں چلتی ہیں، بغاوتیں ہوتی ہیں اور معاشرہ سڑ گل جاتا ہے اور منتشر ہو جاتا ہے۔

اسی لئے قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ :-

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ (الانعام : 152)

"اور جب بات کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو"۔

اور فرمایا کہ :- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (النساء : 135)

"اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو خواہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے"۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء : 58)

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کا فیصلہ کرو"۔

اس سے بڑھ کر قرآن نے عدل کے ساتھ احسان کو بھی مسلمانوں کی ایک اخلاقی حیثیت بتایا ہے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ حاجت مندوں کی زندگی میں اور معاشرے میں جو کمی ہو اس کو پورا کیا جائے تاکہ معاشرہ میں اعتدال اور حسن قائم رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل : 90)

"اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ عدل اور احسان کرو"۔

مزید فرمایا کہ :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (النساء : 59)

"اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کی بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم تنازعہ کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور

اس کے رسول ﷺ کے حوالہ کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ باتیں سب سے بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے"۔

اور سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے پہلے خطبہ میں فرمایا کہ :۔

"اور تم میں سے جو کمزور ہیں، میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور رہیں گے جب تک میں ان کا حق نہ دلادوں اور طاقت ور میرے نزدیک کمزور ہوں گے جب تک کہ میں ان سے چھینا ہوا حق واپس لے کر حقدار کو واپس نہ کر دوں۔ اور تم میری اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا رہوں"۔ (صحیح بخاری)

اس سے ثابت ہے کہ قوی ظالم کی سرکوبی اور کمزور مظلوم کی حمایت اسلامی عدلیہ کی روح ہے۔ کمزور مظلوم کی حمایت جلد، سستے اور صحیح انصاف ہی سے ممکن ہے اور اسلام کے نظام عدالت کا یہی طرہء امتیاز ہے!

سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دور خلافت میں حضرت خالدؓ بن ولید کے خلاف ایک قتل کا مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت خالدؓ سپہ سالار اعظم تھے اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے۔ لیکن خلیفہء وقت نے آپ کو عدالت میں طلب فرمایا اور ملزم اور مستغیث کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتا۔ اسلامی عدل کا یہی تقاضا تھا...... یہ واقعہ کہ محاذ جنگ سے سپہ سالار اعظم کو ایک ملزم کی حیثیت سے عدالت میں طلب کیا جائے، تاریخ انسانی کا پہلا نادر واقعہ ہے!

اسلامی عدالتی نظام ایک واضح آئین کے تحت قائم تھا۔ اس نظام میں فریقین کو ثبوت اور صفائی کے مساوی مواقع حاصل تھے۔ فیصلے پیش کردہ شہادت کی بناء پر صادر کئے جاتے تھے۔ طریقہ کار انتہائی سستا، ارزاں اور سادہ تھا۔ فیصلے بلا تاخیر صادر ہوتے تھے عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل علیحدہ کر دیا گیا تھا حالانکہ عہد حاضر میں بھی ایسی علیحدگی اکثر ممالک میں ممکن نہیں ہو سکی ہے۔

اسلامی عدلیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ انصاف بلا لحاظ مرتبہ، نسل اور تعلق فراہم کیا جاتا ہے۔ عام آدمی بھی اعلیٰ ترین حاکم کے خلاف بلا خوف مقدمہ دائر کر سکتا ہے اور اسے صحیح انصاف ملتا ہے۔ تمام قومی امور پر انصاف کو برتری حاصل ہے کوئی شخص قانون کی

دسترس سے باہر نہیں ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو انصاف سے بالاتر نہیں ہے۔ عدلیہ کے عہدے متقی اور باکردار لوگوں کو دیئے جاتے ہیں۔ کسی ہنگامی حالت (Emergency) کو جواز بنا کر انصاف کے تقاضوں کو پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا۔ اگر مدعا علیہ کوئی سول یا فوجی افسر ہو تو دوران مقدمہ اسے معطل کیا جاتا ہے تاکہ گواہوں اور عدالتی کارروائی پر اثر انداز نہ ہو سکے۔ صرف معتبر اور متقی گواہوں کے بیانات پر فیصلہ ہوتا ہے شہادت اور فیصلے کے لئے قرآن کو اعلیٰ ترین مقام حاصل ہے۔ جھوٹے گواہوں کو اسی مقدمہ کے دوران سزا دی جاتی ہے۔ غیر مسلموں کو بھی وہی دیوانی اور فوجداری حقوق حاصل ہیں جو عام مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ انصاف کی نظر میں سب برابر ہیں۔ یہ باتیں اس ترقی یافتہ عہد کی جدید ترین عدالتوں کو بھی نصیب نہیں ہیں!

گورنروں کے نام حضرت علیؓ کا فرمان عدل

"لوگوں کے مقدمات فیصل کرنے کے لئے ایسے معزز لوگوں کو مقرر کرو جن کے فیصلوں کو لوگ بلا چون و چرا مان لیں اور کسی میں ان پر اعتراض کرنے کی جرات نہ ہو۔ وہ طمع سے پاک ہوں اور کسی شخص کی حیثیت سے مرعوب ہونے والے نہ ہوں۔ ہر قسم کے معاملات پر ان کی نظر گہری ہو۔ شبہ کے موقعوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔ فریقین کے دلائل سے گھبرانے والے نہ ہو۔ یہ لوگ معاملہ کی تہہ تک پہنچنے کے لئے انتہائی احتیاط اور غور سے کام لیں اور جب کسی فیصلہ پر پہنچ جائیں تو انتہائی مضبوطی سے عملی جامہ پہنائیں اور نافذ کریں۔ کسی قسم کی سفارش اور کسی قسم کے عہدے اور مرتبے کو اپنے فیصلوں کی راہ میں حائل نہ ہونے دیں اگرچہ کہ ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں لیکن قاضی کو انہی صفات کا حامل ہونا چاہیئے اگر تم کسی کو قاضی مقرر کرو تو اس کی تنخواہ بہت مقرر کرو تاکہ اس کے اخراجات زندگی اسے رشوت لینے پر مجبور نہ کریں۔ اس کی قدر و منزلت تمہارے دل میں اور تمہاری مجالس میں ایسی ہونی چاہیئے کہ کوئی شخص اس کے خلاف تمہارے کان بھرنے کی جرات نہ کر سکے۔!"[1]

---

[1] "علی ابن ابی طالب"۔ نہج البلاغہ۔ ترجمہ مفتی جعفر حسین ص ۷۲۴، ۷۲۳

فتنہ وفساد

انسان کو ہمیشہ سے فتنہ و فساد کا خوف لاحق رہا ہے۔ تاریخ میں بہت کم ایسے دور گزرے ہیں جو فتنہ وفساد سے پاک ہوں۔

فتنہ سے مراد ناحق خونریزی اور غارت گری بھی ہے اور کمزوروں پر جور و ستم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش، حق کی مخالفت اور ناجائز اغراض کے لئے جنگ بھی اس تعریف میں شامل ہے۔ فساد سے مراد اجتماعی اخلاق اور نظام تمدن وسیاست میں بے اعتدالی ہے۔

دراصل نفسانی خواہشات، حرص و آز، خود غرضی و مفاد پرستی، تفوق و برتری کبر و غرور، قوت واقتدار کے حصول کے رجحانات، نشہء قوت میں جبر و قہر کا استعمال، مالی جنسی استحصال، ضروریات زندگی کی محرومی فتنہ و فساد کو ہمیشہ جنم دیتی رہی ہیں...... یہی محرکات انسانیت کو رسوا کرتے ہیں۔ انہی کے باعث انسان خوبی کے نام پر خرابی میں پڑتا ہے۔ یا دھوکہ کھا کر خرابی کو خوبی اور خیر کو شر سمجھتا ہے۔ اور اس طرح انسان ہی انسان کے درپے رہتا ہے اور انسانیت ہی کے نام پر فتنہ و فساد کو جگاتا ہے۔ ان حالات میں انسان کے دو ہی روپ ہو سکتے ہیں۔ یا مقتدر اعلیٰ ہونے کے مغالطے میں مبتلا ہوتا ہے اور فرعون بن جاتا ہے یا مایوس ہو کر مجبوری و محرومی میں گھر جاتا ہے اور خود کو حقیر ترین، ذلیل ترین سمجھنے لگتا ہے۔ اس کی خودی زائل ہو جاتی ہے۔ احساس زیاں مردہ ہو جاتا ہے اور وہ ہر باطل کے سامنے جھک جاتا ہے۔ نتیجتاً اس کی صلاحیتیں زائل ہو جاتی ہیں اس کی شجاعت ظلم بن جاتی ہے۔ فیاضی، فضول خرچی میں بدل جاتی ہے۔ اس کی غیرت اور حمیت پر تعصبات کا زنگ چڑھ جاتا ہے اور اس کی ذہانت وذکاوت، دھوکہ اور فریب کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ان حالات میں عقل خواہشات نفسانی کی غلام بن جاتی ہے اور ان کی تسکین کے لئے جرائم، ظلم و جبر اور وحشت و بربریت کے نت نئے طریقے ایجاد کرتی چلی جاتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فتنہ کے استیصال اور امن کے قیام کے لئے حقائق کو پیش نظر رکھا اور ان جڑوں پر ضرب لگائی جن سے فتنہ و فساد کا نخل ابھرتا ہے اور ان چشموں

خشک کر دیا جن سے اس نخل کی آبیاری ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حرص و ہوس کی آگ کو بجھایا۔ نفس امارہ کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ قوت و اقتدار کے استعمال پر سخت پابندیاں لگائیں اور ایثار و قربانی، اخوت و محبت، عبدیت و معبودیت کے احساسات اور تصورات کو انسان کی فکر و نظر میں رچا بسا دیا۔ کیونکہ ان کے بغیر دنیا میں قیام امن کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

قرآنی بصیرت میں فتنہ قتل سے زیادہ شدید ہے اس لئے اسلام فتنہ و فساد برپا کرنے والوں سے جنگ کا حکم دیتا ہے۔ ان کا استیصال اسلامی حکومت کا فرض ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:- وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ

(البقرہ : 193)

"یعنی ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لئے ہو!"۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ : 191)

"فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے"۔

قرآن نے ایسی طرز حکومت کو بھی فساد سے تعبیر کیا ہے جس کے مقاصد بد ہوں۔ دراصل فتنہ و فساد کی جڑ ایک گمراہ انسان کا نفس امارہ بھی ہوتا ہے اور ایک حکومت کی حق ناشناسی بھی ہوتی ہے۔ ایسی حکومت انصاف کا خون کرتی ہے۔ حیا سوز قوانین بناتی ہے اور عوام میں اختلافات پیدا کر کے تصادم کی صورت پیدا کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلام نے حکم دیا ہے کہ منظم جدوجہد اور ضرورتاً جہاد کے ذریعے تمام بدکار حکومتوں کا استیصال کیا جائے۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا

(الکہف : 28)

"اس کی اطاعت نہ کرو۔ جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے، جو اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور جس کا حکم زیادتی پر مبنی ہے"۔

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
(ہود : 59 - 60)

"یعنی انہوں نے ہر جابر و دشمن حق کی پیروی کی پس ان پر اس دنیا میں بھی لعنت پڑی اور یوم قیامت کو بھی پڑے گی"۔

اور حکم دیا گیا کہ :- وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝
(الشعراء : 151 - 152)

"ان حاکموں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے"۔
یعنی ظالم، جابر اور نفس پرست حکام کی اطاعت دینی و دنیوی تباہی و بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی مخالفت اور ان سے جنگ انسانی معاشرہ کی بہبود کے لئے ضروری ہے۔

حضرت امام حسینؓ نے اسی قرآنی تعلیم کے تحت یزید کی حکومت کی مخالفت کی اور مادی وسائل کی کمی، بے بسی و بے سروسامانی کے باوجود راہ حق کی حفاظت کے لئے اپنا اور اپنے چہیتوں کا آخری قطرہ خون بھی اللہ کی راہ میں نذر کر دیا۔

سر داد، نہ داد دست در دست یزید ۔۔۔۔ حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؓ

جنگ کی ہولناکیاں

بعثت رسول ﷺ سے پہلے جنگ کا کوئی بلند اخلاقی مقصد نہیں تھا۔ ہندوؤں کی مقدس کتابوں [1] نے مال غنیمت کے لالچ، لوٹ اور غارت گری، شہرت و ناموری کی خواہش، قوت و اقتدار کی آرزو اور حکومت و سلطنت کی تمنا کو جنگ کے لئے وجہ تحریک قرار دیا ہے اور جنگ میں ہر طرح کے انتقام، وحشت اور بربریت کو جائز ٹھہرایا ہے۔ ویدوں کے منتروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آریوں کے دل میں دشمن کو ہولناک عذاب دینے کی خواہش ہمیشہ موجود رہتی تھی۔ زندہ آدمی کی کھال کھینچنا اس کی بوٹیاں کاٹ لینا، آگ میں جلانا، اعضا

---

[1] رگ وید منتر (10801:3-3:1-5:3:1) یجر وید (37:9) سام وید (حصہ اول 1:3 تا 6-9) اتھر وید (3:27:6)

کا مثلہ کرنا، اس کو درندوں سے پھڑوانا، جانوروں کی کھال میں اس کو سی دینا، اس کے اہل و عیال کو تہہ تیغ کر دینا، یہ تعزیریں تھیں جو وہ اپنے دشمن پر عائد کرتے تھے۔

یہودیوں کے توارۃ میں جابجا جنگ کا حکم دیا گیا ہے لیکن سوائے حصول مال غنیمت اور ملک گیری کے کسی اور مقصد جنگ کا ذکر اس کتاب میں نہیں ہے۔[1]

بدھ مت نے میدان جنگ میں تماشائی کی حیثیت سے جانے والے کو بھی گنہگار قرار دیا ہے[2] لیکن یہ تعلیم اس دنیا میں جہاں خیر و شر کا لامتناہی تصادم موجود ہے کسی طرح قابل عمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی وجہ سے اس مذہب کے پیروؤں کو بھکشو اور گرہستی میں فرق کرنا پڑا اور انہوں نے ایک قلیل جماعت کے لئے نروان کو مخصوص کر کے باقی تمام دنیا کو گرہست دھرم اختیار کرنے کے لئے چھوڑ دیا جس میں سیاست بھی ہے، تعزیر بھی اور جنگ بھی اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ موجود ہے!

مسیحیت نے بھی جنگ سے اجتناب کی تعلیم دی ہے۔ لیکن مسیحیت کا یہ قانون اخلاق فطرت کے بالکل مغائر ہے۔ اس کا نفاذ کسی ایسی دنیا میں تو ہو سکتا ہے جہاں بدی اور شر کا وجود نہ ہو، انسانوں کی آبادی فرشتوں کی بہشت زار بن گئی ہو اور شیطان کے لئے اس کے دروازے بند کر دیئے گئے ہوں۔ لیکن ہماری اس مادی دنیا میں جہاں نیکی کے ساتھ بدی بھی موجود ہے اور شیطان اپنے تمام حربوں کے ساتھ آزاد ہے، نیکی کے تحفظ کے لئے جبر اور قوت کا استعمال نہ کرنا شر کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے، اسی لئے قسطنطین اعظم نے جب اس مذہب کو قبول کیا اور مسیحیت ایک مملکت کا مذہب بن گئی تو ارباب حکومت کو حرب و ضرب کے متعلق کوئی روشنی نظر نہ آ سکی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحی شمشیر زنوں کے سامنے کوئی اخلاقی حد قائم نہ رہ سکی۔ مسیحیت تلوار کے زور سے پھیلتی گئی۔ انسانی خون سے خدا کی زمین رنگین ہو گئی اور خونریزی اور غارت گری ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آئین حیات بن گئی!

سرور کائنات ﷺ کی بعثت سے پہلے روم اور ایران دنیا کے مہذب ممالک سمجھے جاتے تھے۔ لیکن وہ اپنی بربریت میں سب سے آگے تھے۔ ان کے سامنے بھی جنگ کا کوئی اخلاقی نصب العین موجود نہیں تھا۔ ان کی باہمی جنگیں صدیوں جاری رہیں۔ لڑائی میں جس

---

[1] اشنا باب 2-اعداد باب 33

[2] Encyclopaedia of Religions & Ethics Viana texts. Vol.1 P.94to97.

فریق کو فتح ہوتی وہ دوسرے فریق کے مذہب ہی کو سب سے زیادہ تختۂ ستم بناتا تھا۔ اسیران جنگ کو قتل کیا جاتا یا انہیں غلام بنالیا جاتا تھا۔ اور لوٹ وغارت گری کے لئے فاتح ملک کے عام جنگجو باشندے مفتوحین پر درندوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے۔ جنگ میں بد عہدی اور دھوکہ بازی جائز سمجھی جاتی تھی اور مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز بالکل مفقود تھا۔ دونوں ممالک لڑائی میں انتہائی وحشیانہ طریقے استعمال کرتے تھے۔ فصلوں کو تباہ کرنا، باغوں کو تہس نہس اور عمارتوں کو مسمار کرنا۔ بستیوں کو لوٹنا اور نذر آتش کر دینا ان کی لڑائیوں کا ایک ضروری جزو تھا اور عورتوں، بچوں، بوڑھوں، زخمیوں، بیماروں اور مذہبی پیشواؤں کو بلا امتیاز تہہ تیغ کرنا یا غلام بنالینا ان کے ہاں بالکل جائز سمجھا جاتا تھا۔ [۱]

سکندر اعظم نے شام کے قدیم شہر صور کو فتح کیا تو آٹھ ہزار بے گناہ انسانوں کو قتل کیا اور تیس ہزار کو غلام بنالیا۔ مفتوحین کے لئے اس زمانہ میں صرف دو ہی صورتیں تھیں یا قتل کئے جاتے تھے یا غلام بنالئے جاتے تھے۔ 70ء میں طیطس رومی نے بیت المقدس کو فتح کر کے شہر کی تمام حسین لڑکیوں کو فاتحین میں تقسیم کر دیا۔ ہر جوان مرد کو مصر کی کانوں میں کام کرنے کیلئے یا روم کے ایمفی تھیٹروں میں قتل کر دیئے جانے کے لئے یا وہاں کے کلوسیمز (COLOSSIUMS) میں جنگی جانوروں سے پھڑوانے کے لئے بھیج دیا۔ اس نے وہاں ستانوے ہزار آدمی گرفتار کئے جن میں سے گیارہ ہزار بھوک کی تاب نہ لا کر مر گئے اور ہلاک ہونیوالوں کی تعداد ایک لاکھ تین ہزار بتائی جاتی ہے۔ [۲]

نوشیرواں نے 540ء میں انطاکیہ کو لوٹ کر آگ لگادی اور 576ء میں کپڈوسیا اور میلطائن کو جلا کر راکھ کر دیا۔ [۳]

خسرو پرویز نے بیت المقدس کو فتح کر کے نوے ہزار انسانوں کو قتل کیا اور عبادت گاہوں کو آگ لگادی اور اس کے جواب میں ہر قل نے جب ایران پر حملہ کیا تو زرتشت کے وطن ارمیان ہی کو پیوند خاک کر دیا......!

دوسری جنگ عظیم میں 1942ء اور 1945ء کے درمیان غیر محاربین اور جنگی قیدیوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کیا گیا یا انہیں کام کا ناقابل برداشت بوجھ ڈال کر یا زہریلے

۱۔ Decline & Fall of the Roman Empire.

۲۔ Ferrar. Early Days of Christianity. Pages 488,489)

۳۔ الجہاد فی الاسلام ص 213

زات سے مار دیا گیا۔ ان کے جسم سے کھاد، روغنیات اور صابن بنائے گئے۔ ہزاروں بمبار
وائی جہازوں نے بے شمار شہر تباہ کیئے، لاکھوں انسان زندہ دفن ہوئے۔ امریکہ کی آبدوز
شتیوں نے ایک ہزار نو سو چالیس جاپانی تجارتی جہاز غرق کیئے۔ جرمنی اور اٹلی نے متحدین کے
ار ہزار سات سو ستر جہاز ڈبو دیئے جن کا مجموعی وزن اکیس لاکھ ٹن تھا..... اور بالآخر ایٹم
م پھینک کر جاپان کے دو بڑے صنعتی شہر ہیروشیما اور ناگاساکی کو صفحہ ہستی سے ہی مٹا دیا گیا
ر اعلان کیا گیا کہ یہ طریقے "زندگی" اور تہذیب کے تحفظ اور جنگ کو جلد ختم کرنے کے
لئے ضروری تھے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد انسان کے ہوش اڑ گئے۔ بڑی قوموں نے انسانیت پر
یسے مظالم ڈھائے کہ اعلان حقوق انسانی اور منشور اوقیانوس سے دنیا کا اعتماد اٹھ گیا۔ متحدین
نے کوریا میں قوانین جنگ کی بے رحمانہ بے حرمتی کی۔ وہاں غیر فوجی آبادیوں کو بلا امتیاز ہلاک
کیا۔ خوفناک بمباری، زہریلی گیس اور ممنوعہ اسلحہ کے بہیمانہ استعمال سے خدا کی اس زمین پر
قیامت برپا کی گئی۔ شمالی افریقہ میں استعماریت کے تحفظ اور چھوٹی چھوٹی قوموں کو غلام رکھنے
کے لیئے انسان نما درندوں کو حریت پسندوں کی آبادیوں میں آزاد چھوڑ دیا۔ اور دوسری
طرف اس صدی کی ساتویں اور آٹھویں دہائی میں ایک سپر طاقت روس نے فوجی مداخلت کر
کے بارہ لاکھ افغانوں کو ہلاک کیا.....!

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں　　سو بار ہوئی حضرت انسان کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے　　صاحب نظراں نشہء قوت ہے خطرناک
اس سیل سبک سیر و زمیں گیر کے آگے　　عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک [1]

ان حالات میں کوئی شبہ نہیں کہ تیسری جنگ عظیم میں دنیا کے بڑے بڑے شہر
راکھ کے ڈھیر ہو جائیں گے۔ کروڑوں انسان اور اربوں دوسرے جاندار ہلاک ہو جائیں گے
اور شاید کرہء ارض ہی ایٹمی دھماکوں سے اپنے مدار سے ہٹ جائے اور ٹوٹ پھوٹ کر خلا میں
منتشر ہو جائے!

بعثت رسول ﷺ سے قبل عرب کی تمام جنگیں لوٹ اور غارت گری اور انتقام

---

[1] ضرب کلیم ص 23

اور تفاخر کے لئے ہوتی تھیں۔ بغض وعداوت کی آگ ان کے وحشیانہ افعال کو ہلاکت آفریں اور قیامت خیز بنادیتی تھی۔ ان کی جنگیں ہولناک اور غیض و غضب کا مظہر ہوتی تھیں۔ عوام لڑائی کو آگ سے تشبیہ دیتے تھے، جنگ کو "روع" یعنی خوف سے تعبیر کرتے تھے۔ لڑائی کے دن کو "یوم کریہہ" یعنی مصیبت کا دن کہتے تھے! اس کے باوجود عربوں کے لئے جنگ اور خونریزی بہت پسندیدہ بات تھی۔ لوٹ اور غارت گری اکثریت کا پیشہ تھی اور اس پیشے کو بہادروں کے شایان شان سمجھا جاتا تھا۔ ان کا طریقہء جنگ بھی سخت انسانیت سوز تھا۔ عورتوں کو بے پردہ کرنا، دشمن کی نعشوں کو گھسیٹنا، دشمن کے کان اور ناک کاٹ ڈالنا اور انہیں آگ میں زندہ جلادینا، ان کی جنگوں میں معمولی باتیں سمجھی جاتی تھیں۔

اس طرح سید الثقلین ﷺ کی نبوت سے پہلے ہمیں زندگی کی نہایت دردناک کیفیت نظر آتی ہے۔ انسانی عظمت مفلوج ہو چکی ہے۔ امن عالم خون کی چادروں میں لپیٹ دیا گیا ہے اور جنگ و جدال اور لوٹ و غارت گری کے خوفناک اندھیروں میں شعور انسانی چھپ گیا ہے......!

پیغام امن

ان حالات میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دنیا کو اللہ کا یہ پیغام دیتے ہیں کہ:-

لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ (33:17)

"مت مارو کسی جان کو جو اللہ نے منع کردی ہے"۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا۔

"قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے نماز کا حساب لیا جائے گا اور پہلی چیز جس کا فیصلہ لوگوں کے درمیان کیا جائے گا وہ خون کے دعوے ہوں گے"۔

اور اعلان کیا گیا کہ اسلام محض امن و سلامتی کا پیغام ہے قرآن خیر و برکت کی رات میں انسان کو عطا ہوا ہے، امن و سلامتی کے جلو میں نازل ہوا ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ (القدر:

"فرشتے اور روح اس میں (اس رات میں) اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر

اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے"۔

اس پیغام نے انسانی عظمت کا ایک پاکیزہ تصور پیش کیا اور دفعتاً لڑائی کے حلق کی شہ رگ کاٹ دی۔

جہاد

لیکن دنیا ہمیشہ قوت کے آگے سر تسلیم خم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر رحمت ﷺ نے جو پیغام نہایت لطف و کرم سے دیا، عرب نے تیرہ برس تک اس کو نہیں سنا اور اسی وجہ سے آپ ﷺ کو جنگ کا سہارا لینا پڑا۔ لیکن اس معرکہ کی نوعیت عرب کی جنگوں سے بالکل مختلف تھی۔ کیونکہ اس کے ذریعے سے آپ ﷺ نے اس گراں قدر خون انسانی کو محفوظ رکھنا چاہا جس کو عرب کے ریگستانوں میں نہایت بیدردی سے بہایا جا رہا تھا۔ ان معرکوں سے آپ ﷺ کی غرض امن و سلامتی کا قیام اور خون انسانی کی حفاظت تھی۔ دراصل آپ ﷺ نے جنگ کی حقیقت میں جو انقلاب پیدا کیا ہے اس میں سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ جنگ کے مقصد کو متعین کرنا اور اسے محض خون آشامی و غارت گری کے دائرے سے نکال کر ایک اعلیٰ اخلاقی اور مدنی نصب العین کی سطح تک لانا ہے۔ آپ ﷺ کی جنگوں کا اصول یہ ہے کہ افراد کی طرح جماعتیں بھی سرکش اور فتنہ پرداز ہو جاتی ہیں۔ اس لئے جس طرح خاطی انسان کو سزائے موت دی جاتی ہے اسی طرح اجتماعی فتنہ کی صورت میں نظام تمدن کے تحفظ کے لئے خون بھی بہانا پڑتا ہے اور عقل و مصلحت کا تقاضہ یہی ہوتا ہے کہ ایک قابل سرجن کے عمل جراحی کی طرح اس فاسد اور مفسد عضو ہی کو کاٹ کر پھینک دیا جائے جو اجتماعی نظام میں زہریلے اثرات پھیلانے کا باعث ہو رہا ہے۔

لہٰذا نبی کریم ﷺ کی جنگوں کا مدعا فتنہ و فساد سے سطح ارض کو پاک کرنا ہے اور انسان کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ باطل اور ظلم کے تسلط کو کبھی قبول نہ کرے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے صرف مدافعت، حقوق کی حفاظت، ظلم کے انسداد، راہ حق کے تحفظ، فتنہ و فساد کے انسداد، قیام امن اور "امر بالمعروف" "نہی عن المنکر" کے لئے جنگ کا جواز عطا فرمایا ہے!

اصلاحات

محسن انسانیت ﷺ نے عربوں، ہندوؤں، رومیوں اور ایرانیوں کے متذکرہ بالا تمام وحشیانہ طریقوں کو منسوخ کر دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی

مجلس اقوام متحدہ کا کوئی دستور ان سے بہتر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ کا اصول ہے کہ جنگ میں صرف اتنی ہی، کم سے کم قوت استعمال ہونی چاہئے جو فتنہ کے انسداد کے لئے انتہائی ضروری ہو اور اس قوت کے استعمال کی زد میں صرف ان ہی لوگوں کو آنا چاہئے جو عملاً بر سر پیکار ہوں...... آپ ﷺ نے جنگ کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دے کر مقصد جنگ کی تطہیر کی اور اس پاکیزہ تصور کے تحت جنگ کا ایک مکمل ضابطہ قانون وضع فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وحشیانہ افعال کی ممانعت کی۔ غیر محاربین کی حفاظت کا حکم دیا۔ غیر جانبداری کو تحفظ دیا۔ غلامی کے انسداد کی تدبیریں کیں۔ اعلان کیا کہ جو شخص مال غنیمت کی نیت سے جنگ کرے گا اس کا جہاد بارگاہ ایزدی میں قبول نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ نے اصطلاح مال غنیمت کو بھی محدود کر دیا اور اس کا اطلاق صرف ایسے مال پر کیا جو میدان جنگ میں دشمن کی افواج سے فاتح افواج کے ہاتھ آئے۔ اس اصول کی بدولت پرامن غیر فوجی بستیاں سپاہیوں کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ ہو گئیں۔ نیز آپ ﷺ نے حکم دیا کہ دشمن اگر صلح کی درخواست کرے تو اسے مان لیا جائے۔[1]

قوانین جنگ

مغربی قوانین جنگ کی عمر تقریباً ڈیڑھ سو سال ہے۔ لیکن ابتداء ہی سے قومیں ان کی خلاف ورزی کرتی آئی ہیں۔ چنانچہ یہ قوانین انسانیت کے تحفظ میں بڑی حد تک ناکام ہوئے ہیں۔ اس ناکامی کی وجوہ یہ ہیں :۔

1۔ ان قوانین نے جنگ کے جواز یا عدم جواز پر کوئی توجہ نہیں کی ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ کن صورتوں میں جنگ جائز ہے اور کن میں ان کی ممانعت ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے جنگ کے مقاصد کا تعین کیا ہے اور جدال و قتال کی حدیں مقرر کر دی ہیں جس کے باہر خونریزی بدترین گناہ اور سنگین جرم ہے۔

2۔ مغربی قوانین جنگ پر "قانون" کی تعریف صادق ہی نہیں آتی۔ کیونکہ ان میں وہ پائیداری نہیں ہے جو کسی قانون کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ بڑی قومیں ان میں رد و بدل کرتی رہتی ہیں...... اس کے برعکس اسلامی قانون جنگ ایک مضبوط قانون ہے کیونکہ اسے

---

[1] "رسول ﷺ میدان جنگ میں" ص 275

خدائے ذوالجلال نے مدون فرمایا ہے جس کے اصولوں میں کوئی انسان سر مو فرق پیدا کرنے کا مجاز نہیں ہے۔

3۔ ان قوانین کا انحصار لڑنے والی قوموں کی باہمی مفاہمت پر ہے۔ جو قومیں آپس میں طے کرتی ہیں کہ جنگ کی صورت میں ان قوانین پر عمل کیا جائے گا صرف وہی ان کی پابند ہوتی ہیں ...... لیکن اسلامی قانون فرض کے احساس پر قائم ہے جس کی پابندی ہر صورت اور ہر حالت میں مسلمانوں پر واجب ہے۔

نتائج

رسول لطف و کرم ﷺ کی ان اصلاحات نے تاریخ جنگ کا ڈھانچہ بدل دیا۔ درندگی کا انسداد کر کے انسانی ذہن کو صداقت اور انسانیت کے سانچے میں ڈھال دیا۔ پھر خونخواروں نے انسانی خون کی حرمت کی مثال قائم کی۔ وحشت کے حامیوں نے امن اور آشتی کا پیام دیا۔ بربریت کے مجسموں نے عدل و انصاف کا درس دیا اور غارت گروں نے نوع انسانی کے تحفظ کا اعلان کیا...... !اور آپ ﷺ جب مکہ فتح کر کے شہر کے اندر داخل ہوئے تو سکندر اعظم، طیطس رومی اور نوشیروان کی طرح قتل عام کرنے اور آگ لگانے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے اور ہمہ اس لئے کہ انسانی خون کی حرمت کو قائم کریں، باہمی اخوت اور محبت کو بحال فرمائیں اور خدا اور اس کے بندوں کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ دیں ...... ! آپ ﷺ ایک فاتح کی طرح شہر میں داخل ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کے بدترین دشمن آپ ﷺ کے سامنے سرنگوں کھڑے ہیں۔ ان میں آپ ﷺ کے خون کا پیاسا ابوسفیان بھی ہے اور ہندا بھی ہے جس نے آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا اور ساتھ ہی دس ہزار خون آشام تلواریں آپ ﷺ کے ایک اشارے کی منتظر کھڑی ہیں۔ لیکن آپ ﷺ کی زبان سے اگر کوئی بات نکلتی ہے تو صرف یہ کہ :-

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف : 92)

"آج تم پر کوئی ملامت نہیں ہے"۔

یعنی آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ تم سے کوئی باز پرس نہیں۔ کوئی مؤاخذہ نہیں ..... جاؤ تم سب آزاد ہو !!....... رحمت للعالمین ﷺ کے درد مند دل سے رحمت کی گھٹائیں اٹھتی ہیں اور فضا کی پریشانی کو رفع کر کے انسانی قصور کی پردہ داری کرتی ہیں۔ آپ ﷺ کا عفو عام وحشت کو دور کرتا ہے، حیات نو کا پیغام دیتا ہے اور انسانی قلوب کو انسانی خوف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیتا ہے.....!

آجر اور اجیر

بیسویں صدی کے آغاز تک مزدور اور اجیر کو مالک اور آجر سے ڈر لگا رہتا تھا۔ لیکن آج کل ایک کو دوسرے سے خطرہ لگا رہتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے خلاف جائز اور ناجائز مہم چلانے میں مصروف رہتے ہیں۔

زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے؟ اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش؟[1]

حقیقت یہ ہے کہ بڑی بڑی ملوں اور کارخانوں میں جو بہترین صناع، انجینئر، سائنس داں اور دستکار ہیں وہ دنیا کے محسن ہیں۔ لیکن باہمی کشمکش کے باعث اکثر کی صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں اور صنعت کی ترقی پر برا اثر پڑ رہا ہے۔ اس غرض کے لئے آجر اور اجیر کے درمیان عادلانہ اصولوں کا متعین ہونا ضروری ہے تاکہ اجیر اور مزدور کو اس کی محنت کا پورا معاوضہ مل سکے اور وہ انسانیت کے شایان شان زندگی بسر کر سکے! اور تمدن کے ارتقا میں بھی کوئی خلل نہ پڑ سکے۔

مزدور کی محنت مادے سے ٹکراتی ہے انسانی معاشرے کی افادیت کی خاطر پہاڑوں کا سینہ چیرتی ہے، گھنے جنگلوں کا طلسم توڑتی ہے، زمین کے تمام پوشیدہ خزانوں کو باہر لاتی ہے، دیو ہیکل مشینوں کو چلاتی ہے اور ان سے انسان کے فائدے، آرام اور ترقی کے لئے اشیا کی تخلیق کرتی ہے۔ مزدور ہی کے ہاتھ خون کہسار سے رنگین ہوتے ہیں اور وہی دریا سے گوہر نکال لیتا ہے۔

دست رنگیں کن زخون کوہسار جوئے آب گوہر از دریا بر آر[2]

اسی سبب سے اسلام محنت کشوں کو معاشرے میں ایک ایسا جائز مقام دینے کی تلقین کرتا ہے

---

[1] بانگ درا ص 290 [2] اسرار رموز ص 122

جس میں ان کو پوری قوم کا ایک قابل احترام جزو سمجھا جائے۔ اسلام محنت کو انسانی ترقی کی بنیاد قرار دیتا ہے اور سرمایہ کے ساتھ ساتھ اس کی عزت کو لازم گردانتا ہے۔ لہٰذا وہ مزدور کو انفعالی حیثیت دینے کی بجائے ایک بنیادی فعال قوت تصور کرتا ہے۔

عبد مسلم کمتراز احرار نیست　　خون شہ رنگین تراز معمار نیست
چیست قرآں؟ خواجہ راپیغام مرگ!　　دستگیرِ بندہ بے ساز و برگ! [۳]

قرآن حکیم نے محنت کے باب میں پیغمبروں کی زندگیاں بطور مثال پیش کی ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کو خدیو مصر نے ان کے علم اور صلاحیت کے مطابق محکمہ مالیات کا سربراہ مقرر کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی سے شادی کی اور حق مہر کی ادائیگی میں حضرت شعیب کی بکریاں آٹھ سال تک چرائیں۔ حضرت داؤد زرہ بنا کر اپنی روزی کماتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ نے مزدور کی فلاح اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :-

"مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کی جائے۔ اس کی دلجوئی کی جائے اور اگر اجرت کی ادائیگی ادھار کر دی جائے تو بعد میں کچھ رقم بھی اضافہ کر دی جائے تاکہ مزدور کی خوشی کا باعث ہو"۔ (ابوداؤد)

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ :-

"مزدور تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو خدا نے تمہارے ماتحت کیا ہے۔ پس جو تم کھاؤ وہی انکو بھی کھلاؤ۔ جو کام ان کی طاقت سے باہر ہو اس کام کی ان کو تکلیف نہ دو۔ دشوار کام کی انجام دہی میں تم خود بھی ان کی مدد کرو"۔ (بخاری)

آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ اجرت کم نہ دی جائے۔ کم سے کم اجرت دے کر زیادہ سے زیادہ محنت نہ لی جائے۔ مزدوروں کی اجرت پہلے سے مقرر کی جائے۔ مزدوروں کی اجرت ادا کرنے میں حیلہ بہانہ نہ کیا جائے خراب کام کرنے کا الزام لگا کر ان کا حق تلف نہ کیا جائے۔ انسانی فطرت کو ملحوظ رکھا جائے۔ عفو و درگزر سے کام لیا جائے۔ فطری غفلت سے نقصان ہو تو تاوان نہ لیا جائے۔

---

[۳] اسرار رموز 124

تو گویا مسئلہ دراصل محنت کی عزت اور مزدور کے وقار کا ہے۔ تاریخ انسانی میں مزدور ہمیشہ پسماندہ رہا ہے۔ لیکن اسلام مزدور کی عظمت کا علمبردار ہے۔ تمام انبیاء علیہ السلام اور خود آقائے دو جہاں ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ محض یہ بات ہی کہ صحابہ کرام میں سے اکثر اجرت پر بھی مزدوری کیا کرتے تھے، مزدور کی اعلیٰ حیثیت کو متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔ اسلام نے بلا شبہ مالک اور مزدور کے ہر مصنوعی امتیاز کو اٹھا دیا ہے اور مزدوروں کو معاشرے میں مکمل مساوی درجہ دیا ہے۔ اپنے ہاتھ سے مزدوری کرنے والا اسلام میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن ہندو تہذیب کے زیر اثر ہم نے بھی پیشوں کو ذاتوں اور قوموں میں تقسیم کیا ہے اور انسانی شرف کی درجہ بندی کی ہے۔ ہمارے پاکستان میں بھی لوہار، چمار، موچی، دھوبی، حجام، ترکھان، درزی، گوجر (گوالی) سید، مغل، شیخ، پٹھان، اعوان، کڑلال وغیرہ کی علیحدہ علیحدہ قومیں شمار کی جاتی ہیں اور سرکاری کاغذات میں اور عدالتی بیانات میں بھی ان کی الگ الگ قومیتیں اسی طرح درج کی جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ سب مسلمان ہیں اور ایک ہی ملت کے فرد ہیں۔ علیحدہ علیحدہ "قوموں" کو ماننا اسلام کے نام پر بہت بڑا دھبہ ہے۔ اس کا جس قدر جلد ممکن ہو دھو دیا جانا از بس ضروری ہے۔ سلطنت مغلیہ اور سلطنت آصفیہ میں ایسی کوئی تفریق موجود نہیں تھی۔ کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" (ﷺ) پڑھنے والا ہر شخص صرف مسلمان تھا اور "مسلمان" کے سوا کوئی اور نام اس کا نہیں تھا۔ سرکاری کاغذات اور عدالتی بیانات میں بھی اس کی قومیت صرف "مسلمان" ہی درج کی جاتی تھی۔

اسلام سرمایہ دارانہ ذہنیت اور سرمایہ داری کی برائیوں کے خلاف ہے۔ کسی کی جائز معاشی خوشحالی کے خلاف نہیں ہے۔ چنانچہ اسلام میں وہ منعم جو درویشانہ صفات کا حامل ہو معاشرے کے لئے باعث برکت سمجھا جاتا ہے۔

اے خوش آں منعم کہ چوں درویش زیست — در چنیں عصرے خدا اندیش زیست! [1]

اسلام انسانی معاشرے میں توازن قائم کرنے کا داعی ہے اور معاشی نظام میں بھی اعتدال اور توازن کا علمبردار ہے۔ چنانچہ مزدوروں کو بھی تاکید کی گئی ہے کہ دیانتداری اور خلوص سے

---

1. اقبالؒ

کام کریں تاکہ معیشت میں بحران پیدا نہ ہو سکے۔ہادی برحق ﷺ نے فرمایا کہ :-

"جنت میں پہلے جانے والوں میں ایسے مزدور بھی شامل ہیں جو اللہ کی عبادت بھی کرتے ہوں اور اپنے مالک کے وفادار بھی ہوں" (بخاری)

اس اعتبار سے محنت کش کی جدو جہد اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں اعتدال اور انصاف کی راہ پر جاری رہے تو معاشرے کے لئے روشن منزل تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن جب محنت کش راہ اعتدال سے ہٹ جاتا ہے تو وہ بھی انتہا پسندی، نفرت اور ظلم کی راہوں میں بھٹک جاتا ہے اور پھر اس کی بے راہروی مزدور ڈکٹیٹر شپ کو جنم دیتی ہے جس کے لئے اسلامی معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں۔

زمام کار گر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی![1]

نوع انسانی کی موجودہ مشکلات

آج ساری دنیا پریشان ہے۔ انسانی مسائل کی الجھنیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ چین و سکون میسر نہیں ہے ایک دائمی بے اطمینانی ہے جو ساری دنیا پر مسلط ہے۔ جھگڑے ہیں فسادات ہیں۔ دنیا کا امن غارت ہو گیا ہے۔ قومیں، فرقے، طبقے، جماعتیں، افراد ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔ اعتماد، شرافت اور اخلاق کا فقدان ہے۔ مادی وسائل اور آئین فطرت پر انسان کی بے پناہ قدرت تعمیر کی بجائے تخریب کا ذریعہ بن گئی ہے۔ انسانی عقل انسانی ہوس کی غلام بن گئی ہے اور نوع انسانی گہرے اندھیرے میں ڈوب گئی ہے۔ آج اسے خدا کی ہدایت اور الوہی روشنی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

آج انسان کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ نوع انسانی کے لئے کوئی متفقہ اقتدار موجود نہیں ہے۔ کوئی ایسا اقتدار نہیں ہے جس کو سب تسلیم کریں اور جس میں انسانوں کی شیرازہ بندی کی صلاحیت موجود ہو۔ اس معاملہ میں مجلس اقوام متحدہ بھی بے بس ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر طرف تصادم اور کشمکش کا طوفان برپا ہے اور اس کو رفع کرنیوالی کوئی قوت موجود نہیں ہے۔

آقائے دوجہاں ﷺ نے اس مسئلہ کو بڑی دانشمندی سے سلجھایا۔ آپ ﷺ نے

---

[1] بال جبرائیل ص 62

ساری دنیا کے سامنے یہ حقیقت رکھی کہ تمام کائنات اور نوع انسانی کا پیدا کرنے والا، پالنے والا اور مارنے والا صرف اللہ ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیم کا آغاز ہی الحمد اللہ رب العالمین سے ہوتا ہے۔ یعنی ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا مالک اور پالنے والا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے پورا زور اسی بات پر لگایا کہ تمام انسان اللہ کو اپنا مالک اور مقتدر اعلیٰ تسلیم کریں اور اس کی حاکیت پر متفق ہوں کیونکہ وہ سب کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ اسے کوئی نشہء اقتدار نہیں ہے وہ کسی کی اعانت، کسی کے ووٹ کا محتاج نہیں ہے ...... اللہ بے نیاز ہے۔ اس لئے وہ کسی کی بے جا رعایت کا روادار نہیں ہے۔ انصاف کا وہ سرچشمہ ہے عدل اس کا دستور ہے اس لئے سب انسان اس کی عدل گستری پر انحصار کر سکتے ہیں!

انسانیت کی دوسری مشکل یہ ہے کہ نوع انسانی کا کوئی مشترک رشتہ موجود نہیں ہے۔ جب سائنس نے ترقی نہیں کی تھی اور تیز رفتار ذرائع مواصلات معرض وجود میں نہیں آئے تھے، اس وقت مشترکہ رشتہ کی خاص ضرورت نہیں تھی۔ لیکن آج جب کہ فاصلے سکڑ گئے ہیں اور ہر قوم کا دوسری قوم سے روزمرہ کا واسطہ ہے، ان میں ایک صحت مند رشتہ کا ہونا بہت ضروری ہے لیکن بدقسمتی سے آج ایسا رشتہ موجود نہیں ہے۔ اسی وجہ سے مصیبتیں ہیں، پیچیدگیاں ہیں، برتری اور کمتری کی لعنت ہے۔ بدخواہی ہے۔ مخالفت ہے اور دشمنیاں ہیں۔ اس صورت حال نے انسان کی ساری اخلاقی قدریں منقلب کر دی ہیں اور وہ خونخوار درندے کے مقام سے بھی گر گیا ہے......! عصر حاضر نے نسل انسانی کو آفتوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ قوموں کے نظام کو درہم برہم کر دیا ہے۔ شاخسار زندگی اسی کے باعث بے نم ہے۔ اسی کے سبب سے ہم اپنے آپ سے بیگانے ہو گئے ہیں۔ ہمارے ساز اپنی آواز سے محروم ہیں۔ ہمارے ضمیر کو مردہ کر دیا گیا ہے ہمارے دل میں ایمان کی ہر چنگاری کو بجھا دیا گیا ہے۔

عہد حاضر فتنہ ہا زیر سراست — طبع نا پروائے او آفت گر است
جلوہ اش مارا زما بیگانہ کرد — ساز مارا از نوا بیگانہ کرد
از دل ما آتش دیرینہ برد — نور و نار لا الٰہ از سینہ برد! [1]

سرور کائنات ﷺ نے جو انسانیت کے سب سے بڑے محسن ہیں، یہ بات لوگوں کے ذہن

[1] اقبالؒ

نشین کرنے کی سعی فرمائی کہ سب انسانوں کا خالق ایک ہی ہے۔ ایک ہی حاکم ہے اور یہ خالق انسانوں کو متحد و متفق دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے آئین نے اتحاد و اتفاق میں نوع انسانی کے لئے فلاح رکھ دی ہے اور اختلاف و انتشار میں تباہی کی آگ کو مستور کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے اس حقیقت کی بھی وضاحت فرما دی کہ جغرافیائی، معاشی، سیاسی اور نسلی بنیادوں پر انسانیت کی تقسیم بے اصل ہے اور باہمی تصادم کا باعث ہے۔ زمین اللہ کی ہے۔ اس کے سارے وسائل تمام انسانوں کی یکساں پرورش کے لئے ہیں۔ اس زمین کے ہر ذرہ پر، اس کائنات کے ہر حصے پر تمام انسانوں کا مساوی حق ہے، کیونکہ سب انسان ایک ہی ماں باپ آدمؑ اور حوا کی اولاد ہیں اور ایک ہی رشتہ میں پیدائشی اور فطری طور پر منسلک ہیں!

نیز انسان کے لئے کوئی متفقہ نصب العین بھی موجود نہیں ہے۔ انسانیت کی یہ تیسری بڑی مشکل ہے۔ ہر قوم، ہر گروہ، ہر خاندان اور ہر فرقہ کا نصب العین جداگانہ ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا میں منتشر اور مختلف جدوجہد جاری ہے۔ یہی اختلاف اور انتشار باہمی تصادم اور ٹکراؤ کا موجب ہے اور دنیا کو سنگین خطرات سے دوچار کئے ہوئے ہے۔ نیز بالعموم یہ نصب العین غلط اور گمراہ کن بھی ہے اور اس سبب سے انسان کی بہترین صلاحیتیں اور کثیر وسائل ضائع ہو جاتے ہیں اور انسان کی تخریب اور تباہی میں صرف ہو جاتے ہیں ایک اندازہ کے مطابق امریکہ نے ایٹمی ہتھیاروں اور جنگی تیاریوں پر جتنی دولت خرچ کی ہے۔ اس کے صرف پانچ فیصد سے افریقہ کے تمام صحرا، گل و گلزار بن سکتے تھے!

اس کا حل نبی اکرم ﷺ نے نوع انسانی کو یہ عطا فرمایا کہ پروردگار عالم کی اطاعت اور بندگی کر لے اور اپنی صلاحیتیں اور توانائیاں اسی کی رضا کے لئے صرف کر دے۔ یہی نصب العین انسان کی تخلیق کا ہے اور اسی میں سارے عالم کی فلاح مضمر ہے!

چوتھی مشکل یہ ہے کہ آج کوئی مشترک مفاد انسانوں کے درمیان موجود نہیں ہے جو انکو متحد رکھ سکے۔ ہر فرد اور ہر قوم کا مفاد جدا ہے اس کے لئے کشمکش جاری ہے۔ کشمکش میں شدت پیدا ہو رہی ہے۔ جنگیں ہو رہی ہیں ہر طرف بے چینی اور بھوک ہے۔ خوف و ہراس کا عالم ہے اور دنیا مکمل تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی ہے......!

محسن انسانیت ﷺ نے اس مسئلہ کا حل یہ دیا کہ زندگی اس دنیا ہی میں ختم نہیں ہو

جاتی بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے جو دائمی اور ابدی ہے۔ اس زندگی میں غیر محدود نعمتیں ہیں جو انسان کو اس دنیا میں کیئے گئے نیک اعمال کے عوض مل سکتی ہیں۔ ان نعمتوں کے مقابلہ میں اس دنیا کے عارضی مفادات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس عقیدے کو آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ذہن و فکر میں راسخ کر دیا اور یہی عقیدہ غلامان محمد ﷺ کے خون میں گردش کرنے لگا!

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ

"اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ رہا کریں گے اور (وعدہ کیا ہے) ستھرے مکانوں کا اور سکونتی باغوں کا"۔

پانچویں مشکل بنی نوع انسان کی آج یہ ہے کہ کوئی متوازن اور معتدل نظام حیات موجود نہیں ہے۔ جو انسانی فلاح و بہبود کی ضمانت دے سکے، جو تمام شعبہ ہائے حیات میں ہم آہنگی خیر و برکت پیدا کر سکے اور سیاست، معیشت، معاشرت، ذہن اور روح کے ارتقائی عمل کو تیز تر کر سکے، اور افراد اور اقوام کے مسائل کے عادلانہ حل کے لئے موثر ضابطہ اخلاق فراہم کر سکے!

ہادی برحق ﷺ نے دنیا کو بتایا کہ ایسا نظام صرف اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے مل سکتا ہے۔ جس نے ساری کائنات کو اور تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے اور جو ہماری فطرت، طبیعت، ضرورت اور صلاحیت سے واقف ہے! وہی ہماری رہنمائی کر سکتا ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو نظام زندگی قرآن نے عطا فرمایا ہے وہ دنیا کے تمام انسانوں کی قیامت تک رہبری کر سکتا ہے! یہ نظام مکمل ہے۔ عالمگیر ہے، قیامت تک محفوظ ہے، اسرار تکوین حیات کا محافظ ہے۔ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اللہ کی طرف سے پیام آخر ہے!

آں کتاب زندہ قرآن حکیم حکمت او لایزال است و قدیم
نسخہء اسرار تکوین حیات بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

حرف اورا ریب نے تبدیل نے آیہ اش شرمندہء تاویل نے
نوع انساں را پیام آخریں حامل او رحمتہ اللعالمین علیہ السلام! [1]

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ : 3)

"آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا"

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (یونس :1)

"یہی آیتیں ہیں پکی (دوامی) کتاب کی"۔

اس لحاظ سے حقیقی ترقی اور سچی تعمیر قرآن کی بنیادوں ہی پر ہو سکتی ہے۔ ان بنیادوں کو بدستور قائم رکھا جائے تو یہی بنیادیں تغیر حالات کے ساتھ عروج کی نئی راہیں سمجھا سکتی ہیں۔ کیونکہ قرآن کی تعلیم میں انسانی تہذیب کے بے شمار ارتقائی مدارج کے لئے اساسی عناصر موجود ہیں!

صد جہان تازہ در آیات اوست عصر ہا پیچیدہ در آنات اوست
یک جہانش عصر حاضر را بس است گیر اگر در سینہ دل معنی رس است
بندہء مومن ز آیات خداست ہر جہاں اندر بر او چوں قباست
چوں کہن گردد جہانے در برش می دہد قرآں جہانے دیگرش! [2]

غلط نظام ہائے حیات سے انسان کو ہمیشہ نقصان پہنچا ہے۔ اس نقصان کی تلافی قرآنی نظام ہی سے ممکن ہے۔ انسانیت کا یہ سب سے بڑا غم ہے کہ دنیا کے ہر نظام حیات نے انسانی زندگی میں تعمیری انقلاب برپا کرنے کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ ایسا ہر دعوی محض حصول اقتدار کے لئے تھا، جھوٹا اور مبنی بر فریب تھا۔

اس اعتبار سے عصر حاضر کی تمام مشکلات کو ہم قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں حل کر سکتے ہیں۔ سارے بتوں کو توڑ سکتے ہیں انسانیت کو نئی چمک دے سکتے ہیں۔ قدروں کو نئی آب، زندگی کو نئی امنگ بخش سکتے ہیں۔ زخموں کو مندمل اور ضرر کو بے اثر کر سکتے ہیں اور انسان کے معاشرے کو خوف و غم سے پاک کر کے بزم جہان کے لئے ایک نئی طرح ڈال سکتے ہیں!!

---

[1] اسرار رموز ص 140 [2] جاوید نامہ ص 3, 72

مغان و دیر مغاں را نظام تازہ دہیم
بنائے میکدہ ہائے کہن بر اندازیم!
ز رہزنان چمن انتقام لالہ کشیم!
بہ بزم غنچہ و گل طرح دیگر اندازیم!

(اقبالؒ)

حصہ سوئم

بھوک

بھوک

اصول

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھوک اور افلاس کے تین اسباب ہو سکتے ہیں :-

(1) جب اہل ثروت غریبوں اور مسکینوں کے حقوق نہیں لوٹاتے اور اللہ کے ان احکامات کی نافرمانی کرتے ہیں۔

وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ ۝ (الذریت : 19)

"اور ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لئے"

فَـَٔاتِ ذَا ٱلۡقُرۡبَىٰ حَقَّهُۥ وَٱلۡمِسۡكِينَ وَٱبۡنَ ٱلسَّبِيلِۚ (الروم : 38)

(ب) پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین و مسافر کو اس کا حق"

(ج) جائز خرچ کے بعد جو کچھ پیسہ، مال اور دولت بچ جاتا ہے۔ وہ سب محتاجوں اور ضرورت مندوں کا حق ہے۔

وَيَسۡـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَۖ قُلِ ٱلۡعَفۡوَۗ (البقرہ :219)

"لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں (اللہ کی راہ میں) کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ!) کہ جو کچھ بچ رہے، وہ سب خرچ کر ڈالو"۔

تو ایسی نافرمانی عوام میں بھوک اور خوف کو پھیلا دیتی ہے۔

(2) اللہ کی نعمتوں کا کفران بھی بھوک اور خوف کا سبب بنتا ہے۔

وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلٗا قَرۡيَةٗ كَانَتۡ ءَامِنَةٗ مُّطۡمَئِنَّةٗ يَأۡتِيهَا رِزۡقُهَا رَغَدٗا مِّن كُلِّ مَكَانٖ فَكَفَرَتۡ بِأَنۡعُمِ ٱللَّهِ فَأَذَٰقَهَا ٱللَّهُ لِبَاسَ ٱلۡجُوعِ وَٱلۡخَوۡفِ بِمَا كَانُواْ يَصۡنَعُونَ ۝ (النحل : 112)

"اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفراغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا تب اللہ نے

اس کے باشندوں کو ان کے کرتوتوں کا یہ مزا چکھایا کہ بھوک اور خوف کا لباس انکو پہنادیا!

(3) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کسی انسان یا انسانوں کے کسی گروہ کو رحمتیں اور برکتیں عطا کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کو خوف اور بھوک کی آزمائشوں میں ڈال دیتا ہے اور ان برکتوں اور رحمتوں کے لئے اس کو اور اس کے ظرف کو تیار کرتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾ (البقرہ 157-155)

”اور ہم ضرور تمہیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے، تو کہیں کہ ”ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ جانا ہے“۔ انہیں خوشخبری دے دو۔ ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی۔ اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں“۔

بھوک اور خوف کی آزمائشوں میں جو لوگ پورا اترتے ہیں، راضی برضائے الٰہی رہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جو چیز بھی قربان ہوئی وہ ٹھیک اپنے مصرف میں صرف ہوئی، جس کی چیز تھی اسی کے کام آئی، ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی طرف سے بے پایاں عنایات ہوتی ہیں۔ ان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور وہ رحمتوں اور برکتوں کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

انسان کی بھوک کے یہ تین اسباب ہیں۔ پہلے سبب کا خود بخیل انسان اور غافل و سنگدل دولت مند طبقہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور تقسیم دولت اور غریبوں کی کفالت کے متعلق احکام الٰہی سے روگردانی کرتا ہے ...... دوسرا سبب اللہ کی نعمتوں کا کفر ہے۔ جو لوگ گھریلو اطمینان معاشرتی امن اور معاشی فارغ البالی کی حالت میں کفران نعمت کرتے ہیں اور اللہ کے احکام کو رد کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ خوف اور بھوک کے

عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے .... تیسری صورت یہ ہے کہ کبھی رب العزت نیک لوگوں کو حالت اطاعت و عبدیت میں بھی خوف اور بھوک کی صعوبتوں سے دوچار کر دیتا ہے اور ان کے صبر، ایمان اور حوصلے کو آزماتا ہے اور جب یہ لوگ ان آزمائشوں میں صبر کے ساتھ اللہ کی اطاعت اور عبدیت میں ثابت قدم رہتے ہیں تو ان پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہونے لگتی ہیں.......! اگلے صفحات میں ہم پہلی صورت ہی سے بحث کریں گے۔

تاریخ

بھوک کا مسئلہ، روٹی کا غم کبھی زیادہ، کبھی کم، کل بھی تھا اور آج بھی ہے اور اگر انسانی قدریں اسلامی فکر کے سانچے میں ڈھل نہ جائیں تو آئندہ بھی رہے گا۔

ماضی میں یہ مسئلہ ایک طرف نوع انسانی کے لئے بے انتہا مصیبتوں اور پریشانیوں کا موجب رہا ہے۔ تو دوسری طرف اس نے بے شمار خونیں انقلابات کو جنم دیا ہے۔ غربت اور مظلومیت تمام مادی اور دنیوی انقلابات کے محرکات میں زیادہ موثر نظر آتی ہے۔ بھوک کے خوف اور اس کے نتائج نے تاریخ کے اکثر ابواب کو سیاہ کر دیا ہے۔

جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے دنیا کا پہلا انقلاب حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں نمودار ہوا۔ روحانی اقدار سے قطع نظر، انسانی معاشرے کے ظالمانہ دستور کے خلاف یہ پہلا انقلاب تھا۔ زبردست کمزور کو دبائے بیٹھا تھا۔ بالادست، غریبوں اور ناتوانوں کو کچلنے میں مصروف تھا۔ مشیت ایزدی کو یہ حالات گوارا نہ ہوئے۔ چنانچہ طوفان نوحؑ کی شکل میں نافرمانوں کو سزا دی گئی۔[1]

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جابر و ظالم کے خلاف حق و صداقت کی آواز بلند کی جو خلق خدا کا استحصال کر رہا تھا اور غریبوں اور ناداروں کو اپنے سامنے سر جھکانے پر مجبور کر رہا تھا۔ ایک آمرانہ استحصالی حکومت کے خلاف اس تاریک دور میں حضرت ابراہیمؑ نے انقلاب کا جھنڈا بلند کر کے نوع انسانی کے لئے قابل تقلید مثال قائم کی۔

مصر میں امیر اور غریب کے دو طبقے بن گئے تھے۔ جنگی قیدیوں اور غریبوں کو زبردستی غلام بنایا جاتا تھا اور ان کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ ان حالات

---

[1] ادارہ تالیف و تصنیف انقلابات عالم ص 23

میں مصر کے آخری فرعون کے خلاف حضرت موسیٰؑ نے حق....... کا علم پوری قوت سے بلند کیا اور جبر و استبداد کی طوفانی لہروں کا رخ پھیر دیا حضرت موسیٰؑ نے جو دستور دیا وہ مظلوموں اور غریبوں کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ہے۔

ہندوستان میں وسط ایشیا کی آریائی نسل کے لوگوں نے طاقت کے بل پر سارے قدیم باشندوں کو محکوم بنالیا تھا اور ان کو شودر کا نام دے کر ہمیشہ کے لئے ذلیل کر دیا تھا۔ مدتوں عوام غربت اور مظلومیت کی چکی میں پسے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ سو سال قبل مسیح میں گوتم بدھ نے اس نظام زندگی پر کاری ضرب لگائی انہوں نے رنگ و نسل نسب و قومیت کے امتیاز کو ختم کر کے بہت بڑا انقلاب برپا کر دیا۔ ان کی تعلیم عام ہوئی، دور دور تک پھیل گئی اور تقریباً پانچ سو سال ہندوستان پر چھائی رہی۔ [1]

شہنشاہ جمشید کے زمانے میں ایران کی وہی کیفیت تھی جو نمرود کے ایران اور فرعون کے مصر میں تھی۔ زرتشت نے اس کے خلاف انقلاب کی دعوت دی اور ظالم اور طاقتور کے مقابلے میں مفلس اور بے بس کو سہارا دینے کی کوشش کی۔

مرور زمانہ سے پیغمبران دین اور مصلحین کی تعلیم مسخ ہو گئی۔ کمزوروں اور غریبوں کا استحصال شروع ہوا۔ اور خلق خدا کی کثیر تعداد ضروریات زندگی کے حصول کے بارے میں بھی بے بس ہو گئی۔ پھر وہ وقت آیا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بالادستوں کے بہیمانہ طرز عمل کے خلاف آواز اٹھائی۔ ان کی آواز انسانی مصائب پر حاوی تھی چنانچہ لوگ جوق در جوق ان کے گرد جمع ہوتے گئے لیکن ان کی تعلیم میں رومیوں اور یہودیوں کے لئے خطرہ تھا اس لئے وہ ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ اس کے باوجود ان کی دعوت قائم رہی اور دنیا کے دور دراز گوشوں کو بھی روشنی عطا کرتی رہی۔

حضرت عیسیٰؑ کے بعد ان کی اصل تعلیم بھی مسخ ہو گئی اور وقت کے تقاضوں کا ساتھ نہ دے سکی۔ استحصالی قوتوں کو پھر موقع مل گیا اور نوع انسانی پھر ایک مرتبہ مصائب کا شکار ہو گئی۔ ان حالات میں ایک ہمہ گیر انقلاب کی ضرورت تھی جو ساری دنیا کے لئے امن و چین کا سامان فراہم کر سکے اور درد و کرب میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو زندگی اور خوشحالی کا پیغام

---

[1] انقلابات عالم ص 29 تا ص 32

ے سکے! چنانچہ اس آفاقی انقلاب کے لئے خالق کائنات کی طرف سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا!

یورپ میں سترھویں صدی تک بادشاہ مطلق العنان تھے۔ امراء اور روسا کی طرف سے کسانوں، مزدوروں اور غریبوں کا استحصال جاری تھا۔ ٹیکس صرف عوام پر لگائے جاتے تھے۔ خواص مستثنیٰ تھے، پادری جو مذہب کے ٹھیکیدار ہوتے تھے، مفلسوں اور راندے ہوئے انسانوں کو بدحالی میں قناعت کی تعلیم دیتے تھے .... ان حالات میں فرانس کے ایک فلسفی روسو نے بادشاہوں اور جابروں سے نجات حاصل کرنے کی ایک سکیم پیش کی جس کے لئے حالات نہایت سازگار ہو گئے تھے۔ اس نے انسانی مساوات اور حریت پر ایک مقالہ لکھا۔ جس کی ابتداء اس طرح کی کہ :-

"انسان آزاد پیدا ہوا ہے لیکن ہر طرف وہ پابہ زنجیر ہے[1]"

اس کی تعلیم دلوں میں اتر گئی۔ عوام کا ایک طوفان اٹھ آیا اور فرانس کی بادشاہت اور امارت کو تنکے کی طرح بہا لے گیا۔

روس میں زار روس کی شخصی حکومت تھی جو جبر و استحصال کا بدترین نمونہ تھی۔ ملک میں غربت اور افلاس انتہا پر تھے۔ جس کے باعث لوگ حکومت سے سخت متنفر ہو گئے تھے۔ اصلاح حال کے لئے عوامی سطح پر متعدد تحریکیں چلائی گئیں۔ لیکن حکومت نے غداری کا الزام لگا کر انہیں سختی سے کچل دیا۔ چنانچہ حکومت کے خلاف عوام کا غم و غصہ روز بروز بڑھتا چلا گیا اور لینن اور ٹراٹسکی کی قیادت میں حکومت کا تختہ الٹ دینے کا جذبہ شدت اختیار کرتا گیا۔ یہاں تک کہ جب پہلی جنگ عظیم میں روسی فوجوں نے جرمنی سے شکست کھائی تو زار روس کے خلاف ایک عام تحریک چل پڑی اور حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 7 نومبر 1917ء کو لینن اور اس کے ساتھیوں نے اچانک یورش کر کے شاہی محل پر قبضہ کر لیا اور بالشویک حکومت کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے ایک نیا اقتصادی نظام ملک کو دیا جس کی رو سے تمام دولت اور وسائل کو حکومت کی ملکیت قرار دیا گیا..... یہ ایک سخت خونیں انقلاب تھا۔ جن طبقات اور اداروں پر اس کی زد پڑتی تھی، وہ اس کے خلاف صف آراء ہو گئے چنانچہ

---

[1] روسو معاہدہ عمرانی

ملک میں خانہ جنگی ہوئی۔ جس کو بڑی خونریزی کے بعد لینن نے فرو کر دیا۔

چین

چین کے اشتراکی انقلاب کے پس منظر کی وضاحت کرتے ہوئے مشہور امریکی اخبار نویس ایڈگار سنو اپنی کتاب Red Star Over China میں لکھتا ہے کہ چین میں ایک طرف عوام تباہ حال تھے۔ بھوکوں مر رہے تھے اخلاق کی انتہائی پستیوں تک پہنچ گئے تھے تو دوسری طرف سرمایہ دار عوام کا خون چوس رہے تھے۔ ٹیکسوں کا بوجھ صرف غریبوں پر تھا حکام رشوت ستانی اور عیاشی میں مست تھے۔ اور اہل ثروت مظلوم فاقہ کشوں کی بہو بیٹیوں کی عصمت کی خریداری میں مصروف تھے...... ایڈگار سنو کہتا ہے کہ یہ حالات انقلاب کے متقاضی تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب چین کے شمال مغرب میں سرخ ستارہ طلوع ہوا یعنی کمیونسٹ تحریک شروع ہوئی تو عوام اس کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ ان کے نزدیک صرف یہی ایک صورت نجات کا باعث ہو سکتی تھی۔ لیکن امریکی عوام کو حیرت ہوئی کہ امریکہ کی بے حساب امداد اور بھرپور حمایت کے باوجود چیانگ کائی شیک کی حکومت کیوں پسپا ہوئی اور کمیونسٹ کس طرح ملک پر چھا گئے؟...... معروف امریکی مصنف جیک بیلڈن اپنی کتاب China Shakes the World میں لکھتا ہے کہ امریکہ کے لوگوں کو جو اس انقلاب کی صحیح وجہ معلوم کرنا چاہتے ہیں، محمد ﷺ کے ان الفاظ پر غور کرنا چاہئے جو مکہ کے سوداگروں سے کہا کرتے تھے کہ :-

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

(الفجر: 17-18)

"نہیں تمہاری ہلاکت و بربادی کا سبب یہ ہے کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے تھے اور ایک دوسرے کو غریبوں کی روٹی کے انتظام کی ترغیب نہیں دیا کرتے تھے"۔

غور کیجئے کہ اس امریکی مدبر کے نزدیک چین میں اشتراکی انقلاب برپا نہ ہوتا اگر پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیم پر وہاں عمل کیا جاتا۔ بالفاظ دیگر جس ملک کا معاشی نظام رسول اکرم ﷺ کے دیئے ہوئے اصولوں پر مبنی ہو، اس ملک میں کمیونزم داخل نہیں ہو سکتا۔ کسی

بہتر نظام کو کمتر افادیت کا نظام شکست نہیں دے سکتا!

عہد قدیم

قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم ترین زمانے میں انسان کے لئے معاش کا مسئلہ سہل اور آسان تھا۔ تمام روئے ارض پر بے شمار سامان زندگی پھیلا ہوا تھا۔ دوسری مخلوق کی طرح انسان بھی تلاش رزق میں نکلتا تھا اور ضرورت کے مطابق آسانی سے حاصل کر لیتا تھا۔ قدرتی رزق پھلوں یا شکار کے جانوروں اور پرندوں کی شکل میں بافراط میسر تھا۔ انسان پتوں وغیرہ سے بدن ڈھانک لیتا تھا اور دروں اور پہاڑوں کی غاروں میں سر چھپا لیتا تھا۔ لیکن مشیت ایزدی یہ تھی کہ انسان انفرادی زندگی سے اجتماعی زندگی کی طرف آئے اور اپنے علم اور محنت کی بدولت صنعت و حرفت سے بہتر ذرائع زندگی کی تشکیل دے...... چنانچہ عورت اور مرد کی باہمی کشش اور اولاد کی محبت نے انسان کو خاندانی اور اجتماعی زندگی پر مجبور کر دیا...... اور اس طرح انسانی تمدن کی بنیاد رکھ دی گئی۔

آغاز تمدن

تمدن کے آغاز کے ساتھ ہی انسان کی ضروریات بڑھتی چلی گئیں جس کے باعث باہمی تعاون اور امداد کی ضرورت لاحق ہوئی۔ ضروریات زندگی کے تبادلے کی صورت پیدا ہوئی اور اس غرض کے لئے حمل و نقل کے ذرائع میں اضافہ ہوتا گیا۔ ساتھ ہی انسان کا یہ احساس بھی گہرا ہوتا چلا گیا کہ وہ تمام چیزیں جو اس نے بنائی ہیں، اس کا گھر اس کے آلات پیداوار اسی کے قبضہ میں رہیں اور اس کے بعد اس کی اولاد اور ورثاء کی طرف منتقل ہو جائیں۔

ان محرکات کی بدولت مختلف پیشے وجود میں آئے۔ خرید و فروخت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اشیاء کی قیمتیں متعین ہوئیں، روپیہ معیار قیمت ٹھہرا۔ نئے نئے آلات ایجاد ہوئے۔ صنعتیں قائم ہوئیں در آمد و بر آمد کا آغاز ہوا اور حقوق ملکیت اور وراثت کی شکل نکھر کر سامنے آئی۔

تمدن کے نشو و نما کے ساتھ ہی یہ صورت بھی پیدا ہوئی کہ انسانوں کی صلاحیتوں اور قوتوں میں فرق کے باعث بعض انسان اپنی اصلی ضرورت سے زیادہ کمانے لگے، بعض ضرورت کے مطابق اور بعض ضرورت سے کم۔ نیز ہر آبادی میں ایسے افراد بھی پائے جانے

لگے جو کسب معاش کے قابل نہ تھے۔ صنعت و تجارت پھیلتی گئی اور اس کے ساتھ مزدوروں اور ملازموں کی تعداد بھی بڑھتی چلی گئی۔

یہ ارتقائی صورتیں جو تمدن میں پیدا ہوئیں فطرت کے عین مطابق تھیں اور بجائے خود انسان کے لئے مضرت رساں نہیں تھیں، در حقیقت انسان کا اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ بڑھتی ہوئی ناانصافی کے انسداد کے لئے تمدن کے ارتقاء ہی کو روک دیا جائے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کے نشوونما کی فطری رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماعی ظلم کو کس طرح اجتماعی فلاح میں تبدیل کیا جائے اور فطرت کے اس منشاء کو کس طرح پورا کیا جائے کہ ہر انسان کو اس کا رزق پہنچتا رہے اور ان رکاوٹوں کو کس طرح ہٹایا جائے، جس کے باعث انسانی صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں.......... اس غرض کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ انسان کے معاشی انتظام میں خرابی کہاں پیدا ہوئی ہے۔ وہ انسان جو تمدن کے آغاز سے پہلے آسانی سے غذا اور ضروریات زندگی حاصل کر لیتا تھا اور رات کو آرام سے فکر معاش سے بے نیاز ہو کر سو جایا کرتا تھا، آج اس قدر خوفزدہ کیوں ہے؟ بھوک کا مسئلہ اور روٹی کا غم اس کے اعصاب کو کیوں کچلتا جا رہا ہے؟

خرابی کی صورت

غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ معاشی نظام میں خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب افراد کی خود غرضی حد اعتدال سے تجاوز کر جاتی ہے۔ اس خود غرضی کے باعث نظام اخلاق زوال پذیر ہونے لگتا ہے۔ سیاست میں فساد رونما ہوتا ہے اور سارا نظام زندگی زہر آلود ہو جاتا ہے۔ ہوا ایسا کہ جو لوگ فطری اسباب کی بناء پر بہتر معاشی حیثیت رکھتے تھے وہ خود غرضی، تنگ نظری، بخل، بد دیانتی اور نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اصل ضروریات سے زائد جو وسائل معیشت ان کو ملے، ان وسائل کو یا تو اپنی آسائش اور عیاشی میں صرف کرنے لگے یا مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کے لئے ان کو استعمال کرنے لگے اور اس طرح عام انسانوں کے لئے ایک مسئلہ، ایک عذاب بن گئے۔ ان دولت مندوں نے معاشرے کے ان افراد کا حق ماننے سے انکار کر دیا جو مختلف وجوہ سے دولت میں اپنا حصہ پانے سے محروم رہ گئے۔ انہوں نے ان محروموں کو فاقہ کشی اور خستہ حالی میں چھوڑ دیا اور یہ بھی نہ دیکھا کہ اس ناروا سلوک کے باعث

ی معاشرہ جس میں وہ خود بھی رہتے ہیں مجموعی طور پر بہت نقصان اٹھاتا ہے۔ ایسے
عاشرے میں جرائم کی بہتات ہوتی ہے۔ اخلاقی بے راہروی عام ہوتی ہے۔ لوگ جسمانی اور
ہنی امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دولت مندوں کی تفریح اور عیاشی اور نفس پرستی کے
امان مہیا کرنے کے لئے اخلاق باختہ عورتوں اور مردوں کا ایک لشکر تیار ہو جاتا ہے۔ ان کے
اس، زیورات محلات اور آرائش وزیبائش پر کثیر دولت خرچ ہو جاتی ہے جو دراصل محتاجوں
ر غریبوں کا حق ہوتی ہے۔

دولت مندوں نے اس حقیقت کو بھی نظر انداز کر دیا کہ اپنی اصل ضرورت سے
ائد جو وسائل معیشت ان کے قبضے میں آئے ہیں وہ دوسرے مستحقین کا حصہ ہیں جو سامان
یست میں اپنا حصہ حاصل کرنے میں ناکام رہ جاتے ہیں۔ اور اس حصہ کا ان تک پہنچا دیا جانا
اح نوع انسانی کے لئے ضروری ہے۔

ان سرمایہ داروں کے نزدیک ضرورت سے زائد وسائل کا بڑا استعمال یہ ہے کہ
زید اسباب معاش حاصل کرنے کے لئے ان کو استعمال کیا جائے۔ لیکن جو مزید اسباب
عاش حاصل کئے جائیں گے وہ تو ضرورت سے اور بھی زیادہ ہوں گے اور اس طرح حرص و
وس بڑھتی چلی جائے گی اور سرمایہ دار حیوان بلکہ دولت پیدا کرنے کی محض مشین بن
ائیں گے اور اس کے نتائج ہولناک ہوں گے۔

زائد از ضرورت وسائل معیشت کو سرمایہ دار دو طریقوں سے استعمال کرتے ہیں
ان کو سود پر قرض دیا جاتا ہے۔ یا تجارتی اور صنعتی اداروں میں لگایا جاتا ہے۔ اس عمل سے
وسائٹی دو طبقوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک وہ چھوٹا سا طبقہ جو اپنی ضروریات سے زیادہ
سائل معاش رکھتا ہے اور اپنے وسائل کو مزید وسائل کے کھینچنے کے لئے استعمال کرتا ہے،
وسرا وہ بہت بڑا طبقہ جو اپنی ضروریات کے مطابق یا اس سے کم وسائل رکھتا ہے یا ان سے
بالکل محروم ہوتا ہے۔ ان دونوں طبقوں کے مفادات میں تصادم پیدا ہوتا ہے اور فطری نظام
دگرگوں ہو جاتا ہے اور محاربہ (Conflict) اور غیر صحت مند مقابلہ کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

نظام محاربہ [1]

اس نظام محاربہ کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ مالدار طبقہ تعداد میں کم لیکن امیر تر اور

---

[1] معاشیات اسلام ص 48

نادار طبقہ تعداد میں زیادہ لیکن غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور زمین کے اسباب معاش کم سے کم تر حصہ آبادی کے ہاتھوں میں سمٹتے چلے جاتے ہیں اور روز بروز زیادہ سے زیادہ حصہ آبادی مفلس اور مجبور ہوتا چلا جاتا ہے......اور نوع انسانی میں بھوک کی شدت تیز تر ہوتی چلی جات ہے۔

آغاز اس محاربہ کا بہت حقیر ہوتا ہے۔ پھر اس میں وسعت آنا شروع ہوتی ہے اور اس کا دائرہ کار بیرونی ممالک تک پھیل جاتا ہے اور ساری دنیا اسی کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دولت مند اپنی ضرورت سے زائد وسائل کو نفع آور کاموں میں لگاتے ہیں اور اشیائے ضرورت تیار کرتے ہیں لیکن جملہ پیداوار کو اپنے ہی ملک میں فروخت نہیں کر پاتے کیونکہ غریب اور مفلس لوگوں کی قوت خرید بہت کم ہوتی ہے۔ اس طرح تیار کردہ مال کا ایک حصہ فروخت ہوئے بغیر رہ جاتا ہے اور دولت مندوں کی لگائی ہوئی رقم کا ایک حصہ بازیافت ہونے سے رہ جاتا ہے اور اس کا بوجھ ملک کی انڈسٹری کے ذمہ ہو جاتا ہے۔ یہ صرف ایک چکر (Turn Over) کی بات ہوئی۔ ایسے چکر مسلسل چلتے رہتے ہیں اور انڈسٹری پر اس کا بار بڑھتا چلا جاتا ہے۔ جس کو خود مالک بھی ادا نہیں کر سکتا۔ بچنے کی ایک ہی صورت ہوتی ہے کہ جو مال اس طور سٹاک ہوتا چلا جائے اسے ملک سے باہر برآمد کیا جائے اور اپنی ذمہ داریوں اور دیوالیہ پن کو دوسری قوم کے سر تھوپ دیا جائے۔

اس طریقے سے محاربہ بین الاقوامی ہو جاتا ہے اور بین الممالک مسابقت شروع ہو جاتی ہے یہ مسابقت اپنی جلو میں بے شمار تباہیوں کو لئے چلتی ہے اور اس کی کئی صورتیں ہوتی ہیں :-

1- صنعت کار کو بین الاقوامی منڈی میں مال کم سے کم قیمت پر بیچنا پڑتا ہے اس غرض کے لئے وہ خرچہ ء پیداوار کو ممکنہ حد تک گھٹانے کی سعی کرتا ہے۔ اس عمل میں مزدور ہی سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ان کو اتنی کم اجرت نصیب ہوتی ہے کہ ان کی اصلی ضروریات زندگی کی تکمیل بھی ممکن نہیں ہوتی۔ اور بھوک کا مسئلہ شدت اختیار کر جاتا ہے۔

2- ہر ملک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے حدود میں وہ اپنے زیر اثر ممالک کے اندر دوسرے ملک کا مال درآمد نہ ہونے پائے اور خام مال کی بھی حریف ملک کو برآمد مسدود

ی جائے۔ اس سے بین الممالک کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ کشمکش شروع ہوتی ہے جو بسا اوقات جنگ پر منتج ہوتی ہے۔

3- بڑے ترقی یافتہ ممالک نہ صرف اپنے بچے ہوئے مال دوسرے غیر ترقی یافتہ ممالک کو برآمد کرتے ہیں بلکہ اپنی فالتو دولت بھی جو نفع آور کاموں میں نہیں لگائی جاسکتی ان ممالک میں لگادیتے ہیں۔ اس طرح ان غیر ترقی یافتہ ممالک میں بھی وہی مسائل پیدا ہوتے ہیں جو بتدا خود روپیہ لگانے والے ممالک میں پیدا ہوئے تھے۔ وہاں بھی انڈسٹری پر قرض کا بوجھ بڑھ جاتا ہے جس کی واپسی کسی صورت میں ممکن نہیں ہوتی...... اس وضاحت سے ظاہر ہے کہ سرمایہ کاری کا یہ چکر اسی طرح چلتا رہے تو تمام دنیا دیوالیہ ہو جائے گی۔ اور ناقابل حل قتصادی وسیاسی بحران میں مبتلا ہو جائے گی۔

اس بین الممالک محاربہ میں بنکروں، آڑھتیوں اور سوداگروں اور تاجروں کی ایک مختصر جماعت دنیا کے تمام معاشی وسائل پر حاوی ہو گئی ہے۔ ساری نوع انسانی اس کے مقابلہ میں بے بس ہو گئی ہے۔ اس کی محتاج اور غلام بن کر رہ گئی ہے۔ عام انسان جو اس معاشی کشمکش میں الجھ گیا ہے۔ محض معاشی حیوان نظر آتا ہے ساری عمر ضروریات زندگی کی فکر اور بھوک کا خوف غالب رہتا ہے۔ اسے اتنی فرصت بھی نہیں ملتی کہ اپنے اور اپنے بچوں کے اخلاقی اور روحانی ارتقاء کے لئے کچھ کر سکے ...... غم روزگار اس کی تمام صلاحیتوں کو چاٹتا چلا جاتا ہے۔

دنیا کا اخلاقی فلسفہ، سیاسی نظام اور قانونی اصول بھی اسی خطرناک صورت حالات سے متاثر ہوئے ہیں۔ اخلاقی معلمین بھی اس رو میں بہے جا رہے ہیں۔ وہ پرچار کرتے ہیں کہ ہر شخص اپنی آمدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ پس انداز کر کے بنک میں ڈپازٹ کیا کرے یا انشورنس کی پالیسی خریدے یا کمپنیوں کے حصص حاصل کرلے اور اس طرح جو معاشی نظام انسانیت کو تباہ کر رہا ہے، اسی کو تقویت پہنچائے۔ اس کے ساتھ ہی تمام دنیا کی سیاسی طاقت اسی معاشی نظام کی تابع مہمل ہو کے رہ گئی ہے۔ دنیا کے قوانین بھی اسی نظام کے زیر اثر مرتب ہو رہے ہیں۔ ان قوانین نے عملاً سرمایہ داروں کو پوری آزادی دے رکھی ہے کہ جس طرح چاہیں روپیہ کمائیں اور جس بے رحمی سے چاہیں انسان کا خون چوسیں۔ ان سرمایہ داروں کے لئے

قانون نے تمام اخلاقی حدوں کو توڑ دیا ہے، روحانی قدروں کو پامال کر دیا ہے اور ذہن کے پاکیز
ارتقا کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں!

یہ اسباب ہیں جن سے بھوک کا مسئلہ انسان کے لئے انتہائی خوفناک ہو گیا ہے او
روٹی کا غم ہیئت اجتماعی کا رستا ہوا ناسور بن گیا ہے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں:-

"غریبی قوائے انسانی پر بہت برا اثر ڈالتی ہے بلکہ بسا اوقات انسانی روح کے مجلّہ آئینہ کو اس قدر زنگ آلود کر دیتی ہے کہ اخلاقی اور تمدنی لحاظ سے اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہو جاتا ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے کراہنے والوں کی دل خراش صدائیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں اور ایک درد مند دل کو ہلا دینے والے افلاس کا دردناک نظارہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفحہ عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے" ۔[1]

اشتراکیت

انسان کی بھوک کے اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے انسانی فکر نے متعدد اسکیمیں
دنیا کے سامنے پیش کی ہیں۔ ان میں سر فہرست اشتراکیت ہے۔ کارل مارکس کا خیال ہے کہ د
میں نہ خدا ہے نہ روح ہے۔ کائنات کی حقیقت فقط مادہ ہے اور انسان مادہ کی ایک ارتقائی شکل
ہے۔ انسانی مرحلے پر پہنچنے کے بعد مادہ کے ارتقا نے معاشی ارتقا کی صورت اختیار کی ہے۔ نفس
انسانی بھی مادہ ہی کی ایک خاص ترتیب اور ترقی یافتہ شکل کا نام ہے انسان چونکہ مادہ سے بنا ہے
اس لئے اس کو صرف روٹی، کپڑا، مکان اور دوسری مادی اشیاء کی ضرورت ہے، لہٰذا اشتراکیت کا
حل یہ ہے کہ پیدائش دولت کے تمام وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعت کی ملکیت میں
دیئے جائیں اور ضروریات زندگی کو افراد میں تقسیم کرنے کا انتظام بھی جماعت ہی کے سپر

---

1 ملت بیضا پر عمرانی نظر

کیا جائے[1]۔ لیکن اس علاج کے نتائج مرض سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ :۔

1- وسائل پیدائش سے کام لینے اور پیداوار کو تقسیم کرنے کی ذمہ داری نظری طور پر تو پوری جماعت کے حوالے کی جاسکتی ہے لیکن عملاً ایک مختصر سی انتظامیہ ہی اس فرض کو انجام دے سکے گی۔ اسی کے ہاتھ میں تمام وسائل پیداوار ہوں گے اور اسی کے ذریعے تمام ضروریات زندگی لوگوں تک پہنچ سکیں گی، ایسی صورت میں انتظامیہ مطلق العنان فرعون بن جائے گی۔ تمام آبادی اس کی مٹھی میں ہوگی۔ اس کے مقابلے میں کوئی اف بھی نہیں کر سکے گا اور مخالفت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکے گا۔ مزدور کی حالت بہت کمزور ہو جائے گی وہ ہڑتال بھی نہیں کر سکے گا کیونکہ کمیونزم میں تمام کارخانوں کا ایک ہی مالک ہوگا اور وہی حکمران بھی ہوگا۔۔۔ تو گویا کمیونزم میں صورت یہ ہوگی کہ تمام کارخانہ داروں کی جگہ ایک ہی کارخانہ دار، تمام سرمایہ داروں کی جگہ وہی ایک سرمایہ دار ہوگا اور تمام زمینداری کو مٹا کر ایک ہی بڑا زمیندار لوگوں پر مسلط ہو جائے گا۔

2- اس نظام میں کسی خدا اور اس کے سامنے جوابدہی کا کوئی اعتقاد نہیں ہوتا۔ اس لئے ہیئت حاکمیہ نشہء اقتدار میں ظالم و جابر بن جاتی ہے۔ عدل و انصاف کے تقاضے اوجھل ہو جاتے ہیں اور عام انسان کی وہ شخصی آزادی مفقود ہو جاتی ہے جو شخصیت اور خودی کے نشو و نما کے لئے بنیاد اور انسانیت کا جوہر ہوتی ہے اور اسے چوپایوں سے ممتاز کرتی ہے۔ خودی کا ارتقا اس امر کا طالب ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس کچھ وسائل کار ہوں جن کو وہ اپنے انفرادی رجحان اور اختیار سے استعمال کر سکے اور اپنی اندرونی مخفی قوتوں کو اجاگر کرے۔ اور ان کو نوع انسانی کی فلاح کے لئے استعمال کر سکے۔۔۔ لیکن کمیونزم میں انفرادی رائے اور انفرادی آزادی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے عملاً تمام سوسائٹی بے شعور جانوروں کی طرح انتظامیہ کے قبضہ میں ہوتی ہے اور کسی بات میں بھی اس کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

3- کمیونزم میں انتظامیہ انسانوں کی پلاننگ کرتی ہے جیسے ایک مالی چمن کی گھاس اور بیل بوٹوں کی کانٹ چھانٹ کر کے ان میں اپنی مرضی کے مطابق ترتیب پیدا کرتا ہے۔ لیکن چند انسان

---

[1] Karl Marx. The Capital - Encyclopaedia Britiniea.

خواہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں کروڑوں انسانوں کی پیدائشی قابلیت اور فطری رجحانات کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ ان سے بشری غلطی بھی ہوتی ہے اور وہ جماعتی تعصبات کے زیر اثر ساری آبادی کو ایک ہی جماعت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے تمام حربے بھی استعمال کرنے لگتے ہیں۔ اس سے تمدن کی حرارت ختم ہوتی ہے۔ جس میں ذہن کی تمام توانائیاں مرجھا جاتی ہیں۔ آدمی کا تشخص مٹ جاتا ہے اور تمدن کا فطری ارتقا رک جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک مصنوعی ارتقا شروع ہوتا ہے اور سوسائٹی شدید ذہنی و اخلاقی انحطاط سے دوچار ہو جاتی ہے۔

4- کمیونزم میں زندگی کی اساس محض پیٹ ہے۔ وہ تمام مسائل اور شعبہ ہائے حیات کو گہری معاشی تعصب کی عینک سے دیکھتا ہے اور تمام قدروں اور علوم کو مابعد الطبیعات، اخلاق، تاریخ، سائنس، فلسفہ، نفسیات ان سب کو معاشی مسائل کے تابع کر دیتا ہے جس کے باعث زندگی کا توازن بری طرح بگڑ جاتا ہے --- تو گویا کارل مارکس کے سامنے پوری زندگی نہیں بلکہ زندگی کا محض ایک ظاہری پہلو تھا۔ وہ نیک نیتی سے انسان کی روٹی کا انتظام کرنا چاہتا تھا اور صرف روٹی ہی کا روادار تھا اور اپنے اس مقصد میں اس قدر غلو کر گیا تھا کہ انسانی زندگی کے دوسرے تمام اعلیٰ تصورات اس کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے تھے ......! اقبالؒ کہتے ہیں کہ :-

زانکہ حق در باطل او مضمر است   قلب او مومن، دماغش کافر است

دین آں پیغمبر حق ناشناس   بر مساوات شکم دارد اساس

اس طرح ظاہر ہوا کہ اشتراکیت انسان کے معاشی مسئلے کا کوئی فطری حل نہیں ہے۔ اس حقیقت کو کمیونسٹ دنیا ابتدا ہی سے محسوس کرتی آئی ہے لیکن آج روس کے رہنما میخائل گورباچوف نے اس کا علانیہ اعتراف کر لیا ہے اور اپنے نظام حکومت میں ایسی تبدیلیاں داخل کی ہیں جو بنیادی نوعیت کی حامل ہیں۔ ان اصلاحات کی بدولت روسی سوسائٹی نے نئے راستوں پر سفر کا آغاز کیا ہے اور اس کو اعتدال، انصاف، آزادئ ذہن و فکر کی منزل صاف دکھائی دے رہی ہے! حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ کارل مارکس کا تاریخی مادیات کا نظریہ باطل ہے جس کا دعویٰ ہے کہ کائنات ایک عالمگیر سوشلسٹ انقلاب کی طرف حرکت کر رہی ہے۔ درحقیقت اب یہ حرکت

اس فطری اور معتدل نظام کی طرف شروع ہو گئی ہے جس کو اسلام نے وضع کیا ہے!!

اقتصادی مساوات

اسلامی نقطہ نظر سے اقتصادی مساوات سے مراد دولت کی ایسی تقسیم ہے جو ہر شخص کی اقتصادی ضروریات کے مساوی ہو۔ اس کو اقتصادی عدل بھی کہا جاتا ہے جس کا اصل مقصد انسان کی خودی یا خود شعوری کی آزادانہ نشو و نما ہوتا ہے۔ سوشلزم کی خرابی یہ ہے کہ اقتصادی مساوات کو قائم کرنیکے لئے غلط طریقہ کار اختیار کرتا ہے۔ وہ اس غرض کے لئے انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں اور ضمیر کی آواز ہی کو کچل دیتا ہے۔ حالانکہ پائیدار اقتصادی مساوات انسان کے ضمیر کے اندر ہی سے پیدا ہو سکتی ہے اس حقیقت کو سوشلزم نظر انداز کر دیتا ہے اور طاقت اور جبر کا استعمال بھی غلط طور پر کرتا ہے وہ جبر کو روحانی ارتقا کی تمام راہوں کو مسدود کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اسکے برعکس اسلام جبر کو نفس کی برائیوں کے انسداد کے لئے استعمال کرتا ہے تاکہ انسان کی مخفی اور روحانی صلاحیتیں بیدار ہو سکیں۔ [1]

انسانی معاشرہ کی ترقی یافتہ حالت میں اقتصادی مساوات نافذ ہو جاتی ہے۔ ایسی اقتصادی مساوات کو کارل مارکس مصنوعی طریقے سے اور طاقت کے بل پر نافذ کرنا چاہتا ہے، لیکن اسلام کے نزدیک یہ مساوات فرد کی روحانی تعلیم و تربیت اور انسانی ہمدردی کے جذبہ کی نشو و نما سے پیدا ہوتی ہے۔

سوشلزم اقتصادی مساوات کے لئے خودی اور خود شعوری کی قیمت پر جسم کی پرورش کرنا چاہتا ہے۔ دراصل خود شعوری کا جذبہ ایک دریائے تند و تیز ہوتا ہے جس کے آگے سوشلزم بند باندھنا چاہتا ہے۔ لیکن اس دریا کا سیل بے پناہ بند کے اوپر سے گزر جاتا ہے۔ یا بند ہی کو بہالے جاتا ہے......! آج روس اور چین اور دوسرے سوشلسٹ ممالک میں خود شعوری کی اٹھتی ہوئی موجیں، اس حقیقت کا بین ثبوت ہیں کہ سوشلزم کا نظریہ عارضی،

---

[1] ڈاکٹر محمد رفیع الدین، قرآن و علم جدید ص ۴۱۱

جذباتی اور انتقامی تو ہو سکتا ہے، انسانی دکھ اور درد کا مداوا نہیں ہو سکتا!! [1]

فاشزم

ایک اور حل انسان کے معاشی مسئلے کا فاشزم کی صورت میں انسانی ذہن نے پیش کیا ہے اس کے مطابق وسائل معیشت پر تو شخصی تصرف باقی رہتا ہے، لیکن جماعتی مفاد کی خاطر اس تصرف کو ریاست کے سخت کنٹرول میں دے دیا جاتا ہے۔ اس طرح عملاً اس کے نتائج وہی ہوتے ہیں جو اشتراکی نظریئے کے نتائج ہوتے ہیں۔ اس میں بھی انفرادیت باقی نہیں رہتی۔ فرد کی خودی زائل ہو جاتی ہے۔ شخصیت گم ہو جاتی ہے۔ اس کی انتظامیہ بھی اشتراکی انتظامیہ کی طرح جابر و قاہر ہوتی ہے اور اس قوت قاہرہ کے سامنے عوام بے بس ہو کر عملاً حکمرانوں کے غلام بن جاتے ہیں۔

اسلام

سید المرسلین محبّ المساکین ﷺ نے اس مسئلے کے حل کے لئے زندگی کے فطری اصولوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ آپ ﷺ کی معاشی اصلاحات کے چار ستون ہیں۔ [2]

1- زندگی کے فطری اصولوں کو درہم برہم نہ کیا جائے۔ البتہ فطرت کے راستے سے جہاں انحراف ہوا ہے وہیں سے اس کو موڑ کر فطرت ہی کے راستے پر ڈال دیا جائے۔

2- اس غرض کے لئے خارجی طور پر نظام تمدن میں قوانین نافذ کرنے کے ساتھ ساتھ اخلاق اور ذہنیت کی اصلاح پر پورا پورا زور لگایا جائے اور نفس انسانی کی تطہیر کی جائے۔

3- حکومت کی طاقت کو اس معاملہ میں صرف ناگزیر صورتوں میں استعمال کیا جائے۔

4- انسانوں کے درمیان صلاحیتوں اور قابلیتوں کا جو تفاوت موجود ہوتا ہے۔ اس کو حد فطرت سے تجاوز کر کے ظلم اور بے انصافی کا سبب نہ بننے دیا جائے۔

---

[1] قرآن و علم جدید ص ۴۱۲ [2] معاشیات اسلام ص ۵۷

اسلام کی معاشی سکیم

اس غرض کے لئے آپ ﷺ نے جو سکیم مرتب فرمائی ہے وہ دنیا کی تمام سکیموں سے ممتاز و ممیز ہے۔اس کی خصوصیات یہ ہیں :-

1- معاشی ظلم اور بے جا استحصال کے سد باب اور اخلاقی فضائل کے نشو و نما کے لئے اسباب پیدا کئے گئے۔

2- معاشی اقدار کو اخلاقی اقدار سے علیحدہ نہیں کیا گیا بلکہ مجموعی نظام حیات میں معاشی مسئلے کو رکھ کر اس کا حل دریافت کیا گیا۔

3- بنی نوع انسان کو اکتساب رزق کے کھلے مواقع دیئے گئے۔

4- افراد کے شخصی ملکیت کے حقوق کو محدود کر دیا گیا اور دوسرے افراد معاشرہ کے مفاد کی خاطر ضروری اور لازمی پابندیاں عائد کی گئیں تا کہ رشتہ داروں، ہمسایوں، دوستوں، حاجت مندوں اور معذوروں کی کفالت ہو سکے۔

5- معاشی توازن کو برقرار رکھا گیا۔ایک طرف بخیلی سے روکا گیا تو دوسری طرف اسراف اور فضول خرچی اور عیاشی سے منع کیا گیا۔

6- دولت کو زیادہ سے زیادہ گردش میں رکھنے کا انتظام کیا گیا اور اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ اس گردش میں ان لوگوں کو ضرور حصہ ملے جو کسی نہ کسی وجہ سے اپنا مناسب حصہ حاصل کرنے سے محروم رہ گئے ہیں۔

7- اصول یہ بنایا گیا کہ صرف ناگزیر حالات میں حکومت کی مداخلت پر حصر کیا جائے اور بطور پالیسی افراد کی ذہنی و اخلاقی تربیت اور معاشرے کی اصلاح کے ذریعے معاشی انصاف کا نفاذ کیا جائے اور اخلاقی و مادی ترقی میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔

8- معاشرے میں طبقاتی کشمکش کے اسباب کی بیخ کنی کر کے تعاون اور رفاقت کی روح پیدا کی جائے۔

بلاشبہ سرور کونین ﷺ نے جو معاشی سکیم مرتب فرمائی ہے۔اس کی بنیاد وحی الٰہی ہے اور اس کی روشنی میں آپ ﷺ نے انسان کی رہنمائی فرمائی ہے۔اس اعتبار سے اس سکیم کو پوری طرح سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ بنیاد کیا ہے اور یہ روشنی کیسی ہے؟۔

اسلام کے رہنما اصولوں کے درخشاں پہلو [1]

1- حضور اکرم ﷺ نے انسانی تاریخ میں سب سے پہلے اعلان فرمایا کہ تمام ذرائع پیداوار جن پر انسانی معاش کا انحصار ہے، اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور انسان کے پاس امانت ہیں۔ انسان ان سے صرف بطریق شریعت چند حدود کے اندر تمتع اور استفادہ تو کر سکتا ہے لیکن ان کا مالک نہیں بن سکتا۔ قرآن فرماتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

(الحدید : 10)

یعنی آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ زمین اور آسمان کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ

(الملک : 15)

یعنی وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مسخر کر دیا، پس چلو (زمین) کی پہنائیوں میں اور کھاؤ اس (خدا) کا رزق اور اسی کی طرف تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر واپس جانا ہے۔

اس طرح پیغمبر انقلاب ﷺ نے انسانی معاشیات میں بنیادی انقلاب بپا فرمایا۔ سرور کائنات ﷺ نے اس متاع سے استفادہ کرنے پر حدود اور شرائط عائد کی ہیں تاکہ ان پر کسی فرد یا طبقہ کی اجارہ داری قائم نہ ہو سکے اور ہر شخص کے زندہ رہنے اور ضروریات زندگی حاصل کرنے کا حق برقرار رہ سکے۔ قرآن کا حکم بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی کے متعلق یہ ہے کہ والدین کے ساتھ احسان لازم ہے۔ یتیموں، بیواؤں، مسکینوں، رشتہ داروں، دوستوں، ہم وطنوں، مسافروں، بیماروں اور معذوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک لازم ہے۔ ان میں سب مسلم اور غیر مسلم اہل حاجت شامل ہیں! چنانچہ قرآن نے ہدایت کی کہ:-

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾ (الذاریت : 19)

"اور ان کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لئے"

اور فرمایا :-

---

[1] سید واجد رضوی، پاکستان کے لئے معاشی و سیاسی نظام ص ۸

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ (الروم :38)

"پس (اے مومن) رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین مسافر کو اس کا حق"۔

گویا یہ بھیک یا خیرات نہیں ہے، بلکہ حق ہے۔ یہ کوئی احسان نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی طرف سے دیا ہوا حق ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ :-

"دولت چند ہاتھوں میں جمع رہنے سے لوگ بھوکے رہتے ہیں۔ اس بھوک کی ذمہ داری دولت مندوں پر عائد ہوتی ہے"۔

اس طرح حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے وصال سے قبل فرمایا کہ :-

"اگر مجھے حاجت مندوں اور غریبوں کی تکلیف کا پہلے سے علم ہوتا تو میں اہل ثروت سے ان کے تمام زائد اموال لے کر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتا"۔

2- اسلام نے دولت جمع کرنے کی بار بار مذمت کی ہے۔ فرمایا گیا کہ :-

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۙ ۝ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ (الھمزہ : 201)

"وائے ہے ہر عیب اور غیبت کرنے والے پر جو دولت جمع کرتا ہے اور اسے گنتا رہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ ہرگز نہیں وہ پھینکا جائے گا توڑ ڈالنے والی آگ میں"۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (التوبہ : 34)

"اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک سزا کی خبر دے دو"۔

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

ایک دن آئے گا اسی سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور اسی سے

ان کی پیشانیوں اور پٹھوں اور پہلوؤں کو داغا جائے گا۔ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو"۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (آل عمران : 180)

"اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے فضل کے معاملے میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہ ان کے لئے اچھا ہے بلکہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل کیا ہے اسی کا طوق قیامت کے روز ان کے گلے میں ڈالا جائے گا"۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ﴿١﴾ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ﴿٢﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣﴾ (الماعون : 1 : 3)

"تم نے دیکھا دین کے جھٹلانے والے کو؟ یہ وہ ہے جو یتیم کو جھڑکتا ہے اور غریبوں کی روٹی کے انتظام پر زور نہیں دیتا"۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ط (آل عمران : 92)

"تم نیکی کا مقام ہرگز نہیں پا سکتے جب تک کہ اپنے پسندیدہ مال سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو"۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿٣٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ (الحاقہ : 30-34)

"پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے جہنم میں جھونک دو۔ پھر اسے ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا"۔

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾ كَلَّا بَلْ لَّا

تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحٰٓضُّونَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ (الفجر : 16-20)

"اور جب وہ اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا(یعنی بلاوجہ یہ مصیبت اور آزمائش عائد کی) لیکن بات ایسی نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے کے لئے ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے"۔

یعنی تمہارے معاشرے میں غریبوں اور مفلسوں کے مسائل کا کوئی حل نہیں ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ

"ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے"۔

یعنی جو مال تمہارے پاس ہے وہ دراصل تمہارا ذاتی مال نہیں ہے۔ تم بذات خود اس کے مالک نہیں ہو۔ اللہ نے اپنے خلیفہ کی حیثیت سے تمہارے تصرف ہیں، تمہاری امانت میں دیا ہے۔ ساری دولت جو تمہارے پاس ہے، وہ تمام ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں جو اللہ تبارک تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں اور جن کی بدولت تم اشیائے ضرورت حاصل کرتے ہو اور دولت کماتے ہو، یہ سب تمہارے پاس امانت ہیں۔ ان میں سے تم اپنی ذاتی ضروریات کے مطابق خرچ کرو اور باقی سب اصل مالک کی راہ میں، اس کے محروم و معذور بندوں کے لئے صرف کرو جو اس امانت کے حقدار ہیں۔ یہ امانت ان بندوں کو لوٹا دو۔ نائب اور خلیفہ کا یہ حق نہیں کہ اس پر سانپ بن کر بیٹھ جائے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ :-

"تمہارے پاس جو فالتو سواری ہے۔ اس شخص کو لوٹا دو جس کے پاس سواری نہیں ہے اور فالتو غذا اس کو لوٹا دو جس کے پاس کھانے کو نہیں ہے"۔ (ترمذی)

قرآن نے فرمایا :- مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾

(المدثر : 42-43-44)

"جب اہل دوزخ سے پوچھا جائے گا کہ تم کو جہنم میں لانے کے کیا اسباب ہوئے تو وہ جواب دیں گے کہ ہم خدا کے آگے جھکتے نہیں تھے اور مساکین کے پیٹ بھرنے کا سامان نہیں کرتے تھے"۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡكُمۡ اِلَی التَّهۡلُكَةِ ۛۚ وَاَحۡسِنُوۡا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۝ (البقرہ : 195)

"خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔

حضور اکرم ﷺ دنرات حاجت مندوں میں مال خرچ کرنے کی تاکید فرماتے تھے کہ :-

"تم جو اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ مجھ پر قرض ہو گا"۔

اس ایک جملے سے آپ ﷺ نے نہ صرف دینے والے کی حوصلہ افزائی فرمائی بلکہ لینے والے کی عزت نفس کا بھی تحفظ فرمایا۔ آپ ﷺ نے نظام معیشت میں اس طرح کا آغاز خود اپنی ذات سے فرمایا۔ اسباب راحت کو آپ ﷺ چھوڑ کر بنیادی ضروریات زندگی بھی مستحقین کے حوالے فرماتے رہے، خود فاقہ اور فقر کی سختیاں جھیلتے رہے اور غریبوں اور مسکینوں کی چارہ سازی کرتے رہے۔ مشکیزے اٹھانے سے آپ ﷺ کے کندھوں پر نشان پڑ گئے تھے۔ چکی چلانے سے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں پر چھالے پڑ گئے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ :-

"قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے آدمؑ کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا۔ تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ وہ کہے گا اے پروردگار! میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا تو تو خود رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا۔ کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا"۔ (مشکوٰۃ)

مزید ارشاد ہوا کہ :-

"مومن وہ نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے مگر اس کا پڑوسی اس کے قرب میں بھوکا رہے"۔ (مشکوٰۃ)

قرآن حکیم نے بھی انفاق فی سبیل اللہ کی بڑی ترغیب دی ہے اور اس کے اجر عظیم کا اعلان فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

"جو لوگ اپنے مال شب و روز، کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں، ان کا اجر انکے رب کے پاس ہے اور ان کے لئے کسی خوف و رنج کا مقام نہیں"۔ (البقرہ : 274)

مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ (البقرہ : 161)

"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے تو اس سے سات بالیں نکلیں"۔

حضور اکرم ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ جس انفاق کی آپ ﷺ ہدایت فرماتے ہیں اس کی آخری حد کیا ہے؟ اس کا جواب قرآن نے دیا کہ :-

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (البقرہ : 219)

"لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں۔ کہہ دیجئے کہ جو کچھ بچ رہے، وہ سب خرچ کر ڈالو"۔

اسلام میں جائز حدود کے اندر کھانے پینے کی اجازت ہے لیکن ناجائز اسراف اور فضول خرچی کی سخت ممانعت ہے۔

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ (الاعراف : 31)

"کھاؤ اور پیو۔ مگر حد سے مت گزرو"۔

وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ ۙ (الانعام : 141)

"خرچ میں حد سے نہ گزرو۔ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس طرح فضول خرچی نہ کرتے ہوئے جو کچھ بچ رہے وہ سب اللہ کی راہ میں اس کے حاجت مند بندوں کے لئے خرچ کر دو تاکہ اس دنیا میں کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے!

کس نہ گردو درجہاں محتاج کس
نکتہء شرع مبیں این است و بس![1]

اس طرح اسلام میں انسان پر ہر دوسرے انسان کا حق لازمی ٹھہرایا گیا۔ بنیادی ضروریات کے بارے میں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ ہر شخص کو ایسی غذا، ایسا لباس اور ایسا مکان میسر ہونا چاہئے جو اس کے زندہ رہنے اور اس کی کارکردگی کو اجاگر کرنے کے لئے ضروری ہو۔ انسانی احتیاجات کی مزید صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ تعلیم اور طبی امداد بھی اس میں شامل ہے۔ دراصل ضروریات زندگی کی فہرست کا انحصار معاشرے کے ترقی پذیر شعور اور معیار زندگی پر ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لیۓ اسلام نے کئی اقدامات کیۓ ہیں۔

بہرحال محسن اعظم ﷺ نے انسان کے اس حق کو تسلیم کیا ہے کہ وہ اپنے رجحان اور اپنی استعداد کے مطابق خود اپنی زندگی کا سامان تلاش کرے۔ لیکن آپ ﷺ نے اس سلسلے میں حلال و حرام کی حدیں مقرر کیں اور تفصیل سے ایک ایک نقصان رساں طریقے کو حرام ٹھہرایا۔ آج جن ذرائع سے لوگ راتوں رات دولت کے ڈھیر لگا لیتے ہیں اور معاشرتی اور معاشی توازن کو درہم برہم کر دیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر طریقے وہ ہیں جن پر آپ ﷺ نے سخت قانونی بندشیں عائد کی ہیں۔ آپ ﷺ نے جن وسائل معاش کو جائز ٹھہرایا ہے، ان کے دائرے کے اندر رہ کر کسی شخص کے لئے ایسی بے اندازہ دولت سمیٹنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

آپ ﷺ نے فرد کو اپنی کمائی ہوئی دولت میں بالکل آزاد نہیں چھوڑا ہے۔ اس پر کئی پابندیاں عائد کی ہیں۔ دولت کے استعمال کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

دولت خرچ کی جائے۔

دولت کو مزید نفع آور کاموں میں لگایا جائے۔

دولت کو جمع کیا جائے۔

آپ ﷺ نے خرچ کے ان تمام طریقوں کو ممنوع اور حرام قرار دیا جو اخلاق اور

---

[1] پس چہ باید کرد ص ۴۱

سوسائٹی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ مثلاً جوئے، شراب، زنا، رقص، موسیقی، عیاشی، ریشمی لباس، سونے اور چاندی کے زیورات اور برتن اور بڑے بڑے محلات پر روپیہ خرچ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور ان تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جن سے انسان کی دولت اس کی اپنی نفس پرستی پر صرف ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے خرچ کی جن صورتوں کو جائز رکھا ہے ان میں اوسط درجہ کی صاف ستھری زندگی اور اس کے ناگزیر لوازم شامل ہیں۔ لیکن اس خرچ سے جو زائد روپیہ بچے اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں، رفاہ عامہ میں اور ان لوگوں کی امداد کے لئے صرف کرنے کی ہدایت فرمائی ہے جو معاشی دولت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس پر اتنا زور دیا ہے کہ حقیقی اسلامی سوسائٹی میں وہ لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں جو کماتے بھی ہیں اور نیک کاموں میں خرچ بھی کرتے جاتے ہیں اور ان لوگوں کو برا سمجھا جاتا ہے جو دولت سمیٹتے ہیں لیکن حاجت مندوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

انفرادی زندگی میں فساد کی جڑ مال و دولت کی ہوس ہوتی ہے۔ جو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آدمی اپنی قبر میں جھانکنے لگتا ہے۔

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ (التکاثر : 1-2)

"تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے کی فکر نے مستغرق کر رکھا ہے، قبر میں جانے تک تم اسی فکر میں منہمک ہوتے ہو"۔

خوشحالی اگر سارے معاشرے میں ہو تو یہ بہت بڑی برکت ہے۔ اور اگر صرف چند ہاتھوں میں سمٹی ہوئی ہو تو یہ سب سے بڑی لعنت ہے کیونکہ دولت چند افراد کے قبضہ میں آتی ہے تو باقی افراد جماعت محروم رہ جاتے ہیں اور نتیجتاً سیاسی، معاشی، اور معاشرتی تسلط چند افراد کے ہاتھوں میں آجاتا ہے اور ایسے ہی تسلط کا نتیجہ فتنہ و فساد، باطل، غرور اور تکبر ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن جماعتی خوشحالی کو اللہ کا سب سے بڑا فضل اور انفرادی حالت میں اس کو "فتنہ" اور "متاع غرور" قرار دیتا ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (آل عمران : 184)

''رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک فتنہ و فریب ہے''۔

چنانچہ ان برائیوں کی روک تھام کے لئے رسول اکرم ﷺ نے اللہ کے حکم سے چند قانونی پابندیاں بھی اکتساب و صرف دولت پر عائد فرمائی ہیں۔

قانونی پابندیاں

(1) سود

انسانی نفسیات اور خواہشات میں نفس امارہ اس قدر دخیل اور فعال رہتا ہے کہ مجرد اخلاقی تعلیم اور معاشرہ کے اخلاقی دباؤ سے حرص و طمع کا مکمل استیصال کسی طرح بھی ممکن نہیں ہوتا اور حصول دولت میں ھل من مزید کی کار فرمائی کسی نہ کسی صورت میں اور کسی نہ کسی حد تک ضرور جاری رہتی ہے۔ اس لئے سرور کونین ﷺ نے دولت کے استعمال پر چند قانونی پابندیاں بھی عائد فرمادی ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دولت کو سود پر چلانے کی ممانعت فرمائی ہے اور سود کو قطعی حرام قرار دیا ہے۔ قرآن نے فرمایا۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ : 275)

"اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا"۔

اس طرح آپ ﷺ نے ظالم سرمایہ داری کی کمر توڑ دی جو عہد حاضر میں معاشی نظام کی بنیاد ہے اس کے برعکس اپنی دولت کو اپنے ہی کاروبار میں لگانے یا نفع نقصان میں شراکت کی اساس پر دوسروں کے ساتھ کام کرنے کی اجازت دی ہے۔

(2) زکوٰۃ

آپ ﷺ نے ضرورت سے زائد دولت جمع کرنے کو معیوب قرار دیا اور دولت کو مسلسل گردش میں رکھنے کی تاکید فرمائی۔ اس غرض کے لئے دولت اپنی ہی ضروریات پر صرف کی جاسکتی ہے یا کسی جائز کاروبار میں لگائی جاسکتی ہے یا حاجت مندوب کو دی جاسکتی ہے لیکن اگر ایسا نہیں کیا جاتا اور دولت جمع ہو جاتی ہے تو قانون اس دولت سے مقررہ شرح سے اپنا حصہ نکال لیتا ہے۔ قرآن کا حکم ہے:۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً (التوبہ : 103)

"(اے نبی ﷺ) ان کے اموال میں سے ایک صدقہ وصول کرو"۔

یہ "ایک صدقہ" کا لفظ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عام صدقات جو فرداً فرداً بطور خود لوگ دیتے ہیں، ان کے علاوہ ایک خاص مقدار صدقہ ان پر فرض کر دی جائے اس کا تعین

رسول اکرم ﷺ نے خود فرمایا ہے۔اس کے مطابق زکوٰۃ کی حسب ذیل شرح ہے۔

1- سونے چاندی اور زر نقد کی صورت میں ڈھائی فیصد سالانہ

2- زرعی پیداوار پر جب کہ بارانی زمین سے ہو۔دس فیصد

3- زرعی پیداوار جو مصنوعی آب پاشی سے ہو پانچ فیصد

4- معدنیات پر جو نجی ملکیت میں ہوں اور دفینوں پر بیس فیصد

5- مویشی پر جو افزائش نسل اور کاروبار کی غرض سے پالے جائیں۔زکوٰۃ کی شرح بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے وغیرہ پر مختلف ہے۔

یہ زکوٰۃ آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اسی طرح فرض کی ہے جس طرح آپ ﷺ نے اللہ ہی کے حکم سے روزانہ پانچ وقت کی چند رکعت نمازیں فرض کی ہیں۔

زکوٰۃ کو سرکاری خزانہ میں جمع کیا جاتا ہے جس کو بیت المال کہا جاتا ہے یہ بیت المال تمام ضرورت مندوں کا کفیل ہوتا ہے اور سوسائٹی کے لئے انشورنس کے فرائض انجام دیتا ہے اور ساری خرابیوں کا استیصال کرتا ہے جو معاشرے میں بھوک اور حاجت مندی کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں۔ بیت المال کی موجودگی میں معذور اور بوڑھے بھوکوں نہیں مرتے، نادار بیوائیں اور یتیم بچے دربدر کی ٹھوکریں نہیں کھاتے، بیمار ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہیں مرتے، آفت زدہ لوگ بے سہارا نہیں ہوتے اور محنت پیشہ لوگ سرمایہ داروں کے غلام نہیں بن جاتے۔اس طرح زکوٰۃ اور بیت المال کی بدولت تمام سوسائٹی کو احساس تحفظ میسر ہوتا ہے جو آج پسماندہ ممالک میں عنقا ہے اور جس کے میسر نہ آنے سے انسان پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔

زکوٰۃ اور بیت المال ناداروں میں قوت خریداری پیدا کرتے ہیں جس کی بدولت صنعت، تجارت اور زراعت پھولتی پھلتی ہے اور معاشی بحران سے محفوظ رہتی ہے اور مال کی تیاری اور اس کی کھپت میں توازن قائم رہتا ہے۔

لیکن اس حقیقت کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ اسلام ایسے اقتصادی نظام کا حامی نہیں ہے جن میں ہمیشہ کے لئے دولت مندوں سے کچھ روپیہ لے کر معاشرہ کے مفلسوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔دراصل تکمیل ضروریات کا معاملہ اضافی نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔غریب کی ضرورت اگر دس روپیہ میں پوری ہوتی ہو تو امیر کی اسی ضرورت کی

تکمیل کے لئے پانچ سو روپیہ بھی لگ سکتا ہے۔ ضرورت کی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ پہلی سطح بنائے حیات سے تعلق رکھتی ہے جسے حیاتیاتی سطح کہا جا سکتا ہے دوسری سطح تزئین حیات اور افزائش حسن سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کو اقتصادی ضروریات کا تعیشاتی پہلو بھی کہا جاتا ہے۔

زکوٰۃ اور صدقات وغیرہ کی صورت میں دولت مندوں کی دولت کا نہایت قلیل حصہ لے کر مفلسوں کی حیاتیاتی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے اور یہ فوری ابتدائی تدبیر ہوتی ہے لیکن یہ اسلام کا پورا مطالبہ اور آخری نصب العین نہیں ہے۔ حقیقی اسلامی اقتصادی نظام کی روح یہ ہے کہ دولت مند کی آرزو یہی ہو کہ اپنے مفلس بھائیوں کے لئے بھی ایسی ہی خوبصورت طرز زندگی فراہم کرے جیسی کہ وہ خود اپنے لئے چاہتا ہے--- چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ :-

"مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے قبضہء قدرت میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن کامل اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی کچھ نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہے"۔ (بخاری)

اگر آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ دولت کی مساوی تقسیم ہوگا اور حیاتیاتی ضرورت کی سطح سے اوپر کی تمام دولت کا سب میں برابر تقسیم ہونا لازم ہو جائے گا---!

(3) وراثت

دولت کے ارتکاز کو روکنے کے لئے رسول ﷺ نے ایک اور تدبیر اختیار فرمائی ہے یہ تدبیر اسلام کا قانون وراثت ہے۔ اس کی رو سے وہ ساری دولت جو کوئی شخص عمر بھر سمیٹتا رہتا ہے اس کے فوت ہوتے ہی اس کے تمام ورثاء، ماں، باپ بیٹے، بیٹیوں، بھائی، بہنوں میں پھیلا دی جاتی ہے۔ اگر یہ موجود نہ ہوں تو دور دور کے رشتہ دار تلاش کئے جاتے ہیں اگر وہ بھی سرے سے موجود ہی نہ ہوں تو متوفی کی وارث پوری سوسائٹی ہو جاتی ہے اور تمام دولت بیت المال میں جمع کر لی جاتی ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص دولت کے ڈھیر بھی لگا لے تو دو، تین پشتوں کے اندر ہی یہ سب دولت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر پھیل جاتی ہے اور دولت کا پیہم ارتکاز ناممکن ہو جاتا ہے۔

قرآن اس کے ساتھ ہی حقیقی ورثاء کو یہ بھی ہدایت کرتا ہے کہ تقسیم میراث کے موقع پر جو غیر وارث رشتہ دار، یتیم اور مسکین آئیں ان کو بھی وہ اپنی خوشی سے کچھ نہ کچھ دیں۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ (النساء : 8-9)

"اور جب تقسیم کے موقع پر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین لوگ آئیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دو اور ان سے اچھی طرح بات کرو۔ لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ رہے ہوتے تو انہیں کیسے کیسے اندیشے لاحق ہوتے۔ پس چاہئے کہ لوگ اللہ سے ڈریں"۔

مزید تدبیریں

پیدائش دولت، تقسیم دولت اور صرف دولت پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ سود کو حرام قرار دیا گیا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی، ذخیرہ اندوزی اور بے جا نفع اندوزی کے انسداد اور تقسیم وراثت کے لئے قوانین بنائے گئے۔ ان تدابیر سے اگر حاجت مندوں کی ضروریات کی فراہمی ممکن نہ ہو تو مزید اقدامات کا حکم دیا گیا کیونکہ ہر حالت میں مال و دولت میں ضرورت مندوں اور محروموں کا حق تسلیم کیا گیا چنانچہ طے کیا گیا کہ مندرجہ بالا تدابیر کے نفاذ کے باوجود اقتصادی نظام میں فساد پیدا ہونے لگے اور اقتصادی عدل متزلزل ہونے لگے تو سٹیٹ کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ دولت اور سرمایہ حاصل کرے اور حاجتمندوں میں اور رفاہی کاموں میں صرف کرے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے :-

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ (النساء : 5)

"اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے قیام زندگی کا ذریعہ بنایا ہے۔ نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو۔ البتہ انہیں کھانے اور پینے کے لئے دو اور انہیں نیک ہدایت کرو"۔

مولانا مودودی مرحوم جو خانگی اور انفرادی ملکیت کے تصور میں کافی فراخد

سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اس آیت کی تفسیر تفہیم القرآن میں اس طرح کرتے ہیں!

"یہ آیت وسیع معنی کی حامل ہے۔اس میں امت کو یہ جامع ہدایت کی گئی ہے کہ مال جو ذریعہ قیام زندگی ہے، بہر حال ایسے نادان لوگوں کے اختیار و تصرف میں نہیں رہنا چاہئے جو اسے غلط طریقے سے استعمال کر کے نظام تمدن و معیشت اور بالآخر نظام اخلاق کو خراب کر دیں۔ حقوق ملکیت جو کسی شخص کو اپنے املاک پر حاصل ہیں اس قدر غیر محدود نہیں ہیں کہ اگر وہ ان حقوق کو صحیح طور پر استعمال کرنیکا اہل نہ ہو اور ان کے استعمال سے اجتماعی فساد برپا کر دے تب بھی اس کے وہ حقوق سلب نہ کئے جا سکیں۔ جہاں تک آدمی کی ضروریات زندگی کا تعلق ہے وہ تو ضرور پوری ہونی چاہئیں۔ لیکن جہاں تک حقوق مالکانہ کے آزادانہ استعمال کا تعلق ہے اس پر یہ پابندی عائد ہونی چاہئے کہ یہ استعمال اخلاق و تمدن اور اجتماعی معیشت کے لئے صریحاً مضر نہ ہو۔ اس ہدایت کے مطابق چھوٹے پیمانے پر ہر صاحب مال کو اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ وہ اپنا مال جس کے حوالہ کر رہا ہے وہ اس کے استعمال کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔ اور بڑے پیمانہ پر حکومت اسلامی کو اس امر کا انتظام کرنا چاہئے کہ جو لوگ اپنی دولت کو برے طریقے سے استعمال کر رہے ہوں ان کی املاک کو اپنے انتظام میں لے لے اور ان کی ضروریات زندگی کا بندوبست کرے" (تفہیم القرآن)

سیدنا حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اسلامی فتوحات کی بدولت مفتوحہ اراضیات جب پیداوار اور آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئیں تو سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا اس بڑے ذریعے کو شخصی ملکیتوں میں دیا جائے یا حکومت اس کو اپنی نگرانی میں لے لے؟ چند صحابہ کے اختلاف پر جلیل القدر اصحاب حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ، حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح وغیرہ کی تائید سے حضرت عمرؓ نے اس فیصلہ کو نافذ فرمایا کہ آج اگر اشخاص میں اراضیات کو تقسیم کر دیا جائے گا تو مسلمانوں کی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے سب سے بڑے ذریعہ پیداوار کو حکومت کا اپنے ہاتھ میں لے لینا لازمی ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کے پیش نظر حضرت امام مالکؒ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے کہ معدنیات کی طرح بڑے ذرائع پیداوار کو حکومت اپنی نگرانی میں لے کر آمدنی بیت المال میں جمع کر سکتی ہے۔

امام حافظ ابن حزمؒ نے ان معاشی مسائل و نظریات کو اپنی شہرۂ آفاق کتاب المحلی میں بڑی وضاحت اور شرح وبسط سے بیان فرمایا ہے جن کو عصر حاضر کی خصوصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ کی آمدنی اور حکومت کی آمدنی غریبوں کی ضروریات کی پابجائی میں ناکافی ہو تو امیروں پر جدید ٹیکس عائد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔

ایثار

حاجت مندوں کی دستگیری کے لئے اس سے بھی آگے ایک منزل ہے۔ امام ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ یہ منزل انتہائی ایثار کی ہے۔ جہاں انسان دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتا ہے، یہ مقام رسول اکرم ﷺ، خلفائے راشدین اور سچے اور باعمل مسلمانوں کا ہے۔ اسی ایثار کے جذبے کی بدولت آقائے دوجہاں ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال کئی کئی رات بھوکے رہتے تھے اور آپ ﷺ کے پاس کوئی فالتو کپڑا نہیں ہوتا تھا جس کو تہہ کر کے رکھا جاسکے۔ (المحلی)

جبر

ایثار سے آگے ایک اور مرحلہ ہے جس کے جواز پر فقہا کا عام اتفاق پایا جاتا ہے۔ جب اصلاح حال کی اور صورتیں ممکن نہ ہوں، جب سرمایہ دار طبقہ سوسائٹی کی خوشحالی اور حاجت روائی کے خلاف ہو جائے اور حکومت بھی ایسی سرمایہ پرست ہو جو اپنی طاقت سے اسے راہ راست پر لانے کی کوشش نہ کرے اور اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے تو اسلام اہل حاجت کو جو مجبور اور مضطرب ہوں تشدد کا حق دیتا ہے کہ اہل ثروت سے ضروریات زندگی چھین لیں (المحلی)

علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ جب قرآن مجید میں غریبوں اور حاجت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کا بار بار حکم دیا گیا ہے تو امداد کی قدرت رکھتے ہوئے ان کی اعانت سے لاپروائی قابل مواخذہ جرم ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ..۔

> "احسان (یعنی حسن سلوک) میں وہ ساری باتیں داخل ہیں جن کا میں نے تذکرہ کیا ہے۔ ان کو روکنا یقیناً غرباء کے ساتھ بدسلوکی ہے۔ جس شخص نے غریب کو بھوکا ننگا چھوڑ دیا حالانکہ اس کو کھلانے اور کپڑے پہنانے پر قادر ہے تو یقیناً اس نے اس کو

بربادی کے سپرد کردیا"۔(المحلی)

علامہ موصوف اپنی تائید میں حضرت علیؓ کی اس روایت کو بھی پیش کرتے ہیں کہ امیروں کے اموال میں خدا نے فقیروں کا اتنا حصہ مقرر کیا ہے جس سے ان کی ضروریات زندگی کی فراہمی ممکن ہو۔ اسکے علاوہ ابن عمرؓ اس فتوے کو بھی پیش کرتے ہیں کہ "تیرے مال میں زکوۃ کے سوا بھی حق ہے"۔

علامہ ابن حزمؒ نے پھر اس دعوے کو بھی مدلل کر دیا کہ اسلام میں مالی مطالبات صرف زکوۃ ہی کی حد تک محدود نہیں ہیں۔ بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ حسن سلوک کے احکام کی وسعت پر تبصرہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حسن سلوک صرف والدین اور رشتہ داروں ہی کے متعلق واجب نہیں ہے بلکہ اس دائرے میں ملک میں رہنے والا ہر باشندہ شامل ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا نہ ہو۔

اس سوال کے متعلق کہ حاجت مندوں کے حقوق کی تکمیل کے لئے اہل ثروت کے مال سے زکوۃ کے علاوہ مال لینے کا جو حکم ہے اس کی آخری حد کیا ہے، امام ابن حزمؒ نے اپنی کتاب میں بہت مواد جمع کیا ہے اور تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس بارے میں حنفی کتابوں میں حضرت امام محمد کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ہر شخص سے روز کی کمائی سے جو کچھ بچ جائے وہ سب لیا جاسکتا ہے حتی کہ اگر اس کی کمائی چھ پیسے روز ہو اور اس کی ضرورتیں چار پیسے میں پوری ہو جاتی ہوں تو باقی دو پیسوں کو وہ اپنے قریبی رشتہ دار یعنی جس کا نفقہ واجب ہو، اسے دے دیا کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی ضروریات سے بچا ہو جو کچھ بھی اہل ثروت کے پاس رہ جائے وہ سب اہل حاجت کے مصارف کی تکمیل کے لئے لیا جاسکتا ہے بلکہ ضرورت کے وقت اس سارے بچے ہوئے مال کے لینے کی اسلام تاکید کرتا ہے۔

سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال کی آمدنی کی تقسیم میں مساوات کے قانون کو پسند فرمایا تھا۔ حنفی مذہب کے علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص پیاس یا بھوک سے مر رہا ہو تو جہاں سے بھی پانی یا غذا مل سکتی ہے حاصل کرنی چاہئے اور اگر اس سلسلے میں لڑائی کی ضرورت ہو تو لڑنا بھی چاہئے۔ امام ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت مند اس لڑائی میں قتل ہو جائے تو قتل کرنیوالوں سے قصاص لیا جائے گا اور اگر ضرورت کی

چیز دینے سے انکار کرنے والے ہلاک ہو جائیں تو ان کا ٹھکانہ خدا کی لعنت ہے۔ ایسے ہلا
ہونیوالوں کو وہ "طائفہء باغیہ" قرار دیتے ہیں اور قرآن کی اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں کہ

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات :

"پس مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے گروہ کے مقابلہ میں زیادتی و بغاوت کی راہ اختیار
کرے تو بغاوت کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ بات خدا کے حکم تک لوٹ جائے"۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ حق کا انکار کرنے والا اور اس کو روکنے والا باغی ہے یعنی ا
اس بھائی کے خلاف اس نے بغاوت کی ہے جس کا اس پر حق ہے وہ کہتے ہیں کہ حضر
صدیق اکبرؓ نے اسی لئے تو زکوۃ سے انکار کرنے والوں کے خلاف جنگ کی تھی اپنی بحث کو
کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ غرباء کے حقوق امراء سے بز
حاصل کر کے .... غرباء تک پہنچادے۔ اس راہ میں جنگ و قتال کی بھی ضرورت پیش
جائے تو اسلامی حکومت کو احتراز نہیں کرنا چاہئے بلکہ غرباء کے حقوق سے گریز کر
والوں کو باغی قرار دے کر ان سے بحکم قرآنی جنگ کرنی چاہئے۔ ایسی جنگ واجب ہے اور
وجوب اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک خدا کے حکم کی طرف بات لوٹ نہ جائے
حضرت سید قطب شہید فرماتے ہیں کہ :-

"تمام اجتماعی کفالت کا اصول ہر بستی کے لوگوں کو اس فرد کے بارے میں جوابدہ
قرار دیتا ہے جو وہاں بھوک کی وجہ سے موت کا شکار ہو جاتا ہے یہ جوابدہی فوجداری
قانون کے تحت آتی ہے۔ ہر بستی والوں پر اس طرح مرجانیوالے کی دیت لازم
ہوگی۔ وہ (بستی والے) اس فرد کے قاتل قرار پاتے ہیں جو ان کے درمیان رہتے
ہوئے بھوک کی وجہ سے ہلاک ہو گیا ہو"۔

اسلام انسانی اخوت اور وحدت کا علمبردار ہے اور انتشار و تصادم کا مخالف ہے۔ اسلام نو
انسانی کو طبقات میں تقسیم نہیں کرتا بلکہ طبقاتی تصادم اور چپقلش کا دشمن ہے۔ حضو
اکرم ﷺ انسانوں کو ہمدردی اور تعاون کی راہ دکھاتے ہیں۔ ان طبقات کو ختم کرنا چاہتے ہیں

مصنوعی طور پر پیدا کئے جاتے ہیں اور ان کی جگہ مساوات، محبت اور اخوت کے جذبات کی تشکیل کی ہدایت فرماتے ہیں:-

پس چہ باید کرد

آج پاکستان اور تمام پسماندہ ممالک میں وہ سارے حالات پیدا ہو رہے ہیں جو سرخ انقلاب سے پہلے چین میں موجود تھے۔ ان حالات میں اگر ہم اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق کوئی ایسا معاشی نظام مدون نہیں کریں گے جو عوام کی تکالیف کو رفع کر کے انہیں انسان کے شایان شان زندگی عطا کر سکے تو یقیناً لادینی اشتراکیت یا کسی اور خونی انقلاب کے سیلاب میں بہہ جائیں گے یا فاشزم ہمارا مقدر ہو جائے گا اور ہم نہ صرف اپنی اخلاقی اور روحانی قدروں سے محروم ہو جائیں گے بلکہ نہ معلوم کتنی صدیوں کے لئے ہم ذہنی اور سیاسی غلام بھی بن کر رہ جائیں گے۔

بہر حال اسلامی تعلیمات کا تجزیہ کیا جائے اور ان کی روح کے اندر جھانک کر دیکھا جائے تو ہمارے لئے ایک واضح معاشی نظام کی بنیاد نکھر کر امداد باہمی کے اصول کی شکل میں سامنے آ جاتی ہے۔ یہی امداد باہمی کا اصول تھا جس پر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں معاشی اور معاشرتی نظام قائم ہوا تھا۔ مکہ سے مہاجرین بے سروسامان آئے تھے، ان کے پاس کوئی سرمایہ نہیں تھا لیکن انصار مدینہ کے ساتھ ان کی شراکت ہو گئی تھی۔ سیرت النبی ﷺ میں علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ ضرورت کے وقت دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے دربار رسالت ﷺ کا یہ قطعی فیصلہ اور نمونہ ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر ہر دور کے تقاضوں کے مطابق معاشی نظام کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ اس غرض کے لئے ہمیں پورے نظام کو بدلنا ہوگا۔ اس کے بغیر موجودہ مسائل کا حل اور غربت و افلاس سے نجات ممکن ہی نہیں ہے۔

تا تہہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام!

(پس چہ باید کرد)

علم

اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ لیکن بعثت رسول ﷺ سے پہلے عام انسان کا اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ ایک طرف علم وادراک پر پابندیاں تھیں تو دوسری طرف توہمات، دیو مالا اور وسوسوں نے علم کی جگہ لے رکھی تھی۔ تمام مذاہب میں خدا اور بندے کے درمیان واسطے قائم کئے گئے تھے۔ بت خانوں میں کاہن اور پجاری اور کلیساؤں میں اسقف اور پادری اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان حائل تھے۔ ہندوستان میں آریوں کے نزدیک علم پر برہمن کی اجارہ داری تھی۔ ان کے شودر آج بھی نہ وید پڑھ سکتے ہیں اور نہ خدا کی ذات کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں، بلکہ وہ برہمن کے رحم و کرم پر ہیں اور وید کا یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شودر رر وید سن پائے تو پگھلا ہوا سیسہ اس کے کان میں انڈیل دو۔ اسی طرح یہودیوں میں بنی لاوی اور اس کی نسل کو علم کا اجارہ حاصل تھا اور عیسائیوں نے بعض حواریوں اور ان کے جانشینوں کو اس کا ٹھیکہ دے رکھا تھا لیکن مدینۃ العلم ﷺ نے علم وادراک پر ان اجارہ داریوں کو یک قلم منسوخ کر دیا اور فرمایا کہ خدا پجاریوں، پادریوں، پروہتوں، کاہنوں اور پیروں کی آڑ میں چھپا ہوا نہیں ہے بلکہ انسان کے بہت قریب ہے۔ انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے۔

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ (16 : 50)

"اور ہم شہ رگ سے بھی بہت زیادہ قریب ہیں"۔

اس طرح آپ ﷺ نے ہر رکاوٹ کو ہٹا دیا۔ علم کے سرچشمے اور انسان کے درمیان واسطہ کو مٹا دیا اور ہر حجاب کو چاک کر دیا۔ آپ ﷺ نے بندے کو اللہ تبارک تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا اور کہا کہ چشم تصور سے دیکھ کہ اللہ تیرے سامنے موجود ہے اور یکسو ہو کر اقرار کر کہ :-

اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ (انعام : 79)

"میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جو زمین اور آسمانوں کی پیدا کرنے والی ہے"۔

اور اللہ تعالیٰ نے آواز دی :-

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِیٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن : 60)

لوگو تم مجھے پکارو میں تمہیں جواب دوں گا

میرے اور تمہارے درمیان کوئی حائل نہیں ہے، تمہاری عبادت اور راز و نیاز میں کسی دوسرے کو دخل نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ آج تک دنیا نے کوئی نظام، کوئی مذہب، کوئی تہذیب، کوئی تمدن ایسا پیش نہیں کیا جس میں گوشت و پوست کے انسان کے علم وادراک کے سلسلے کو خدا کی ذات سے بلاواسطہ اور بالراست ملادیا گیا ہو۔ یہ سب سے بڑی آزادی ہے، یہ سب سے بڑی علمی خدمت ہے جو انسان کے ذہنی ارتقا کے لئے آقائے دو جہاں ﷺ نے انجام دی ہے---اس طرح اس رب ذوالجلال کو جو وہم و گمان کے محیط سے باہر اور ہر نقص سے پاک ہے رسول رحمت ﷺ کی حیرت انگیز نگاہِ حقیقت شناس نے ہر انسان کے روبرو عیاں کر دیا۔ پھر آنکھیں اس کے جلووں کو دیکھنے لگیں۔ کان اس کے نغموں کو سننے لگے، دل اس کی حرارت سے گداز ہونے لگے، ہاتھ اس کی طاقت کو چھونے لگے اور انسان جہالت کے اندھیروں سے نکل کر اس لامکاں ذات کو اپنے گھروں میں، میدانوں میں، حجروں میں، سجدوں میں دعاؤں میں بحر و بر میں بے حجاب محسوس کرنے لگے!

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے انسانی مسائل میں خوف، بھوک اور جہالت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ سب مسائل باہم مربوط اور ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہیں کیونکہ حقیقی علم ہی کی روشنی میں ان مسائل کا حل پوشیدہ ہے اور علم ہی کی روشنی میں انسان جہالت، خوف اور بھوک سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ علم کا آغاز پڑھنے لکھنے سے ہوتا ہے اور اسلام نے اپنی دعوت کا آغاز ہی "اقرا باسم ربك الذی خلق" سے کیا یعنی اے نبی ﷺ! پڑھیئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ لکھنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی دوسری بڑی نعمت ہے۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ (4-3:96)

"اور پڑھو کہ تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا!"

اسی "اقرا" کی برکت سے دنیا میں معجزات رونما ہوئے۔ اسی "اقرا" کے حکم سے علم و فن کے دروازے نوع انسانی کے لئے کھل گئے، اسی نے سائنس اور حکمت کو فروغ دیا، غلامی کی زنجیریں کاٹ دیں۔ حریت کا سبق دیا۔ توحید، وحدت، انسانی اخوت، مساوات، ہمدردی اور بین الاقوامیت کے تصورات کی تشکیل کی اور استبدادی حکومتوں کے دور کو ختم کر دیا!

در حقیقت قلم انسانی تہذیب و تمدن کا ضامن اور علم اسلامی ثقافت کا ترقی پذیر تقاضہ ہے۔ اسلام اجتماعی زندگی اور متمدن معاشرے پر زور دیتا ہے اور چونکہ زندگی کی تکمیل علم سے ہوتی ہے اس لئے اسلام نے اس کی ترقی و اشاعت کی تاکید فرمائی ہے۔

علم کی حوصلہ افزائی

قرآن کریم نے علم و حکمت کو خدا کی نعمت قرار دیا۔ اس کو انسانیت کا جوہر ٹھہرایا۔ اسی کی بدولت آدم مسجود ملائک ہوا، چنانچہ علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض قرار دیا گیا اور قوانین فطرت پر غور کو ایمان کی تقویت کا ذریعہ ٹھہرایا گیا۔ اس کے نتائج سے دانشوروں کو حیرت ہوئی کہ صحرا سے نکلنے والے دین نے ایک ان پڑھ اور جاہل قوم کو کس طرح چند ہی سالوں میں علوم اور فنون کا مالک اور اقوام عالم کا علمی رہبر بنایا۔ یہ تاریخی اعجاز اس پس منظر میں نمودار ہوا کہ پہلے علم آزاد نہ تھا حضور اکرم ﷺ نے اس کو ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا!

آپ ﷺ نے فرمایا کہ :-

"حکمت یعنی علم مومن کی گم شدہ میراث ہے، جہاں وہ اسے پالے، وہ اس کا دوسروں کی نسبت زیادہ حقدار ہے"۔ (ترمذی)

مزید فرمایا کہ :-

"علم حاصل کرو، خواہ اس کے لئے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے"۔[1]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم حاصل کرو۔ صحیح اور غلط میں امتیاز کرنا سکھاتا ہے۔ اس سے جنت کی راہ روشن ہوتی ہے۔ صحرا میں وہ ہمارا دوست ہے، تنہائی میں رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے۔ جب ہمارا کوئی دوست نہ ہو وہ مسرت اور خوشحالی کا راستہ دکھاتا ہے اور مصیبت میں حوصلہ

---

[1] بعض علماء اس حدیث کو درست نہیں مانتے۔ لیکن محترم ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کو تاریخی حوالوں سے مدلل کر دیا ہے (خطبات بہاولپور ص 295)

بخشتا ہے۔ وہ دوستوں کے درمیان وسیلہ ء محبت ہے اور دشمنوں کے مقابلے میں ہتھیار ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اس پر سایہ کرتے ہیں جو علم کا متلاشی ہوتا ہے۔ کسی عالم کی باتوں کو سننا اور ان کی اشاعت کرنا بے روح عبادت سے بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے اسلامی اقدار میں علم و حکمت کو "خیراً کثیراً" قرار دیا اور فرمایا کہ جس کو حکمت ملی اس کو "خیراً کثیراً" یعنی بہت بڑی نعمت ملی۔

اسلام میں اہل علم کا وصف یہ ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ کے بندوں میں علم کو پھیلاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سید المرسلین ﷺ کا تعارف بڑے باجبروت بادشاہ کی حیثیت سے نہیں کراتا بلکہ "معلم کتاب و حکمت" کی حیثیت سے کراتا ہے اور اس معلم کی بعثت کو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان بتاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

(آل عمران : 164)

"اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور خدا کی کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور پہلے تو یہ صریحاً گمراہ تھے"۔

علم کی نوعیت

عام زبان میں علم انسانی صفات کا سرتاج ہے۔ علم زندگی ہے۔ علم کی فضیلت سے آدمؑ اللہ کے خلیفہ بنائے گئے اور فرشتوں اور تمام مخلوقات پر افضل ٹھہرائے گئے۔ انسان کی بہترین دعا سورہ طٰہٰ میں درج ہے۔ رب زدنی علما کہ پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے اور سورہ مجادلہ میں اس کی اہمیت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جن کو علم ملا ان کو اللہ کے ہاں بلند درجہ نصیب ہوا۔

علم کے دو نظریات ہیں ایک یہ کہ علم صرف عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ علم عقل کے ذریعے بھی حاصل ہوتا ہے اور وجدان کی معرفت بھی۔ اسلام میں

دوسرا نظریہ درست ہے۔ ہمارے ہاں عقلی علوم اور باطنی علوم کے درمیان رابطہ قائم کیا جاتا ہے۔مادیت اور جوہریت میں، مادہ اور روح میں امتزاج پیدا کیا جاتا ہے تاکہ مادی زندگی کے فوائد کے ساتھ ساتھ انسان کی داخلی اور روحانی زندگی کی بھی اصلاح ہوتی چلی جائے۔ ہمارے ہاں علم کی کلیت کا تصور ہے۔ مادہ، سائنس، فطرت، تاریخ، قانون، معاشرت، معیشت، سیاست، روحانیت اور وجدان، سب کے سب ایک ہی کل کے اجزا ہیں۔اس لئے صحیح علم سے مراد اللہ کی معرفت اور اس معرفت کے پس منظر میں دنیوی اور سائنسی علوم کا حصول ہے، خودی کا ارتقا اور تسخیر فطرت ہے۔ تجسس، تمنا، عشق، ذوق طلب اور شوق انقلاب اس سے مراد ہے...... ان ہی اجزاء کے تانے بانے سے ایک رنگ ابھرتا ہے، ایک اخلاقی کیفیت پیدا ہوتی ہے کچھ قدریں تشکیل پاتی ہیں اور ان کے کیمیائی عمل سے کچھ روشنیاں پھیلتی ہیں، کچھ کلیاں چٹکتی ہیں، کچھ پھول کھلتے ہیں، روح کے نغمے ابلتے ہیں......ان ہی کا نام علم ہے،ان ہی کو ہم علمیت کہتے ہیں!!

علم بلاشبہ ایٹمی توانائی سے زیادہ طاقتور ہے۔ علم ہی کے صحت مند استعمال پر نوع انسانی کی فلاح کا انحصار ہے۔ایٹمی ہتھیاروں کی طرح وہ تباہ بھی کر سکتا ہے لیکن ایٹمی بجلی گھروں کی طرح دنیا کو روشن بھی کر سکتا ہے۔اس لئے تعلیم میں جسمانی تربیت کے ساتھ ساتھ ذہنی اور فکری تربیت کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی تربیت کے فقدان نے پاکیزہ مقصد اور پاکیزہ نصب العین کے عشق سے نوع انسانی کو محروم کر دیا ہے۔

عشق ناپید و خرد می گزرش صورت مار [1]

ایسی ہی تعلیم وحی کی تربیت کے بغیر انسان کو آرزو اور تمنا کے سوز سے محروم کر دیتی ہے جو ارتقا اور انقلاب کی سب سے بڑی محرک ہے..........!

ایسی ہی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حلال و حرام کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ انفرادی اور ملی مفادات کا تصور زائل ہو جاتا ہے۔انفرادی معاشرہ درہم برہم ہوتا ہے۔ ایسا ہی تعلیم یافتہ انجینئر سیمنٹ کی جگہ ریت استعمال کرتا ہے۔ تاجر تول میں ڈنڈی مارتا ہے۔سمگلنگ کرتا ہے، بلیو فلمیں اور ہیروئن بیچتا ہے۔ صنعت کار ملاوٹ کرتا ہے۔ ایسا ہی وکیل ضمیر بیچتا ہے۔ جج

[1] زبور عجم ص 130

انصاف کو نیلام کرتا ہے، میزان عدل کو توڑ دیتا ہے۔ڈاکٹر نوع انسانی کے لئے قصاب بن جاتا ہے۔حاکم فرعون کا اور سرمایہ دار قارون کا روپ دھار لیتا ہے۔ایسا ہی سیاستدان ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی بم پھینک دیتا ہے اور ایسا ہی شیخ حرم چادر زہراؑ کو چرا کر بیچ کھاتا ہے!۔

چنانچہ اسلام نے حقیقی علم کی ماہیت کو متعین کیا ہے۔اس کے اغراض و مقاصد کو واضح کیا ہے اور علم کو صحت مند رخ عطا فرمایا ہے.........! مسلمانوں کے نزدیک دین کا علم اور دنیا کا علم دونوں ضروری ہیں۔کائنات اور فطرت کے قانون کا علم، طبیعات، کیمیا، طب، فلکیات، تاریخ، ادب اور شاعری یہ سب ضروری ہیں۔ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، آواز سے تیز طیارے، مریخ اور کہکشاں سے آگے نکل جانے والے راکٹ کا علم بھی ضروری ہے۔ لیکن اسلام کے نزدیک علم حقیقی کے بغیر جو اللہ نے پیغمبروں کے ذریعے دیا ہے یہ علوم ناقص ہیں، نامکمل ہیں اور ڈائرکشن کے نہ ہونے سے دنیا اور انسانی معاشرہ میں فتنہ و فساد کے موجب ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں علم کی اصلی غرض اللہ کی معرفت اور بندے کی عبدیت ہے، مظاہر فطرت کی تسخیر ہے، انسانیت کی ترقی اور انسانیت کے دشمنوں کی شکست ہے!

ایسے پاکیزہ اور تعمیری نصب العین کے فقدان کے باعث یہ علوم تخریب اور تباہی پر منتج ہوتے ہیں اور ایسے ہی علوم کی بناء پر جو تہذیب پروان چڑھتی ہے، اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کر لیتی ہے.....!

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کریگی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا [1]

اس طرح ہمارے نزدیک علم وہی ہے [2] جو نوع انسانی کے لئے رحمت ہو، جس میں رحمٰن کی جھلک ہو۔الرحمن ○ علم القرآن ○ یعنی "رحمٰن" نے قرآن کا علم دیا ہے جو سارے علوم کا خزینہ ہے......! غور کیجئے کہ اللہ کی صفت "رحمٰن" کے ساتھ علم اور قرآن کا ذکر فرمایا گیا ہے یعنی رحمٰن کی رحمت اس بات کی طالب ہوئی کہ وہ انسان کو علم عطا فرمائے۔ایسا علم جس پر دنیا میں راست روی اور آخرت میں فلاح کا انحصار ہو۔پھر قرآن میں اللہ کی صفات شرح وبسط سے بیان کی گئیں کیونکہ اگر انسان اللہ کی صفات سے بے خبر ہوگا تو من مانی کرے گا۔ علم

---

[1] بانگ درا ص 15 [2] (الرحمٰن: 1-2)

کو اپنے نفس کے لئے استعمال کرے گا اور یہ علم اس کے لئے اور اس کے معاشرے کے لئے عذاب بن جائے گا۔ اس کے برعکس جس شخص کو اللہ کی قدرت، اس کی حکمت اس کی رحمت، قہاری و جباری کی معرفت ہو گی وہ اپنی طاقت کو، اپنے علم کو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے استعمال کرے گا اور اس کا علم اس کے لئے، اس کے معاشرے کے لئے، ساری نوع انسانی کے لئے الرحمٰن علم القرآن o کا آئینہ دار اور علمبردار ہو جائے گا۔

ایسا ہی علم انسانوں اور قوموں کی زندگی میں حیرت انگیز کردار ادا کرتا ہے۔ ایسے علم اور جہالت کا فرق تاریخ کے ہر باب سے ظاہر ہے۔ ابراہیمؑ اور نمرود، موسیٰؑ و فرعون، محمد ﷺ اور ابولہب، حسینؓ اور یزید اسی فرق کی علامتیں ہیں۔ جب یہی علم بادشاہوں کو عطا ہوتا ہے تو وہ بادشاہی میں بھی فقیری و قلندری کرنے لگتے ہیں!

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا (النمل : 15)

"ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا"۔

بادشاہی، دولت، حشمت، طاقت فرعون کو بھی حاصل تھی اور داؤدؑ سلیمانؑ کو بھی حاصل تھی۔ لیکن فرعون علم حقیقی سے محروم تھا اور اس جہالت اور علم کے فرق نے ان کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل کر دی تھی۔

دراصل علم کو روحانی ہدایت اور وحی کی تربیت نصیب ہونی چاہئے۔ اگر ایسی تربیت حاصل ہو تو علم انسان کا دوست اور اس کے لئے رحمت بن جاتا ہے، ورنہ علم ایک اندھی رو کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ایک اندھی قوت بن جاتا ہے اور نفس امارہ کے زیر اثر اولاد آدم کو سانپ کی طرح ڈسنے لگتا ہے۔

علم را بر تن زنی مارے بود علم را بر دل زنی یارے بود [1]

تسخیر فطرت

سرور کائنات ﷺ نے مسلمانوں کا اجتماعی ذہن ابتداء ہی سے ایک طرف رموز دین کی وضاحت کی جانب مبذول کیا تو دوسری طرف کائنات کے رموز کی گرہ کشائی پر مرکوز کر دیا۔ اس کی بدولت مسلمانوں نے افلاطون، ارسطو، اقلیدس سقراط و جالینوس کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے

[1] اسرار رموز ص 74 .

اصلاح کی اور اس طرح عہد جدید کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے لئے تمام راستے ہموار کر دیئے!

آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے عیسائیت رہبانیت کی تعلیم دے رہی تھی اور نو افلاطونیت نے انسان کی صلاحیتوں کو مجہول کر کے رکھ دیا تھا۔ اگر یہ دونوں رجحانات جاری رہتے تو علم عنقا ہو جاتا اور تحقیق و جستجو کی راہیں بند ہو جاتیں۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے ان رجحانات کا قلع قمع کیا اور حصول علم کے جذبے اور انسانی قوت مشاہدہ کو بروئے کار لانے پر زور دیا اور موجودہ تجرباتی سائنس کی بنیاد رکھ دی۔ قرآن مجید نے ہدایت کی :-

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (البقرہ : 164)

"بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں اور کشتیوں میں جو دریاؤں میں لوگوں کے فائدے کے لئے رواں ہیں اور بارش میں جس کو خدا آسمان سے برساتا ہے اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانوروں کو پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھری رہتی ہیں، عقلمندوں کے لئے خدا کی قدرت کی بہت نشانیاں ہیں"۔

روز اول ہی سے قرآن عقلیت پر زور دیتا ہے اور تدبر اور تفکر کا بار بار مطالبہ کرتا ہے :-

"أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" "أَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ" اور "أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا"

اس کی دعوت کا عام انداز ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی اس کو "علم اسما" کی دولت عطا کی۔ چیزوں کے نام اور خواص اس کو بتائے۔ یہ بات جو فرشتوں کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ قوانین فطرت کو سمجھنے اور ان پر حکمرانی حاصل کرنے کے لئے انسان کو عطا کر دی گئی تھی اور یہی بات علم سائنس کی آفرینش کا باعث ہوئی۔ چنانچہ مسلمانوں کے عروج کے دور میں مسلم سائنسدانوں نے گلیلیو اور آئین سٹائن اور نیوٹن کی تحقیق کے لئے اساس فراہم کر دی!

دراصل تسخیر فطرت اور تسخیر کائنات نوع انسانی کے عزم و حوصلے کے لئے

اسلام کا بہت بڑا چیلنج ہے۔ قرآن نے کہا کہ :-

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الحج : 65)

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے مسخر کر دیا تمہارے لئے جو زمین میں ہے"۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (الجاثیہ : 13)

"اللہ نے مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے"۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ

(النحل : 12)

"اور تمہارے لئے رات، دن، سورج، چاند ستاروں کو مسخر کر دیا ہے"۔

یہ ہے چیلنج کہ یہ زمین اور آسمان اور ساری چیزیں پوری طرح تمہارے لئے مسخر ہیں اور اگر تمہارے اندر ہمت ہے اور اگر تم ذہانت اور بصیرت اور محنت سے کام لینا چاہو تو تم اس کائنات کے مظاہر پر حکمران ہو سکتے ہو اور انسان اور اللہ کی مخلوق کے فائدے کے لئے ان کو استعمال کر سکتے ہو۔ ایسا کرو گے تو ایک ایک ذرہ سے بھی حیرت انگیز کام لے سکو گے۔ تمام عناصر پر تمہاری حکومت قائم ہو سکے گی، تمہارا علم تمہارے تحفظ اور ارتقا کا ضامن ہو جائے گا اور تم صحیح معنوں میں اس زمین پر اللہ کی خلافت کے حقدار ہو جاؤ گے!

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد عالمے از ذرۂ تعمیر کرد

نائب حق در جہاں آدم شود بر عناصر حکم او محکم شود

علم اسماء اعتبار آدم است حکمت اشیاء حصار آدم است [1]

مدینۃ العلم سرور کائنات ﷺ دراصل تمام سائنسی علوم کے بھی داعیٔ اول ہیں۔

آپ ﷺ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کو کچھ تو بنیادی تعلیم دی جائے جو لازمی ہو اور دیگر علوم کے بارے میں بھی اس کے پاس کچھ نہ کچھ معلومات ضرور ہوں۔ اس لئے آپ ﷺ نے قرآن مجید کے پڑھنے اور سمجھنے کی تاکید فرمائی کیونکہ اس میں تمام علوم کا ذکر ہے، سمندری طوفانوں کا بھی بیان ہے۔ موتی اور مرجان کا بھی اس میں ذکر ہے، علم ہیئت اور فلکیات کے فوائد بھی اس میں بیان کئے گئے ہیں اور ایسی بنیادی سائنسی معلومات فراہم کی گئی ہیں جو اس

---

[1] اسرار و رموز ص 165

وقت کے انسان کے حاشیہ ءخیال میں بھی نہیں آسکتی تھیں۔ قرآن مجید کی عطا کی ہوئی یہ بیش بہا معلومات بلاشبہ جدید سائنس کی تحقیقات کی بنیاد ثابت ہوئی ہیں۔

قرآن حکیم ہمیں سائنس کو ترقی دینے کی دعوت دیتا ہے۔ اس میں قدرتی حوادث کے متعلق بہت سے مشاہدات و شواہد اور ایسی تشریحی تفصیلات موجود ہیں جو جدید سائنس سے کلی طور پر مطابقت رکھتی ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ اکثر باتیں آج بھی سائنسی تحقیقات سے متصادم ہیں۔ قرآن مجید تخلیق، فلکیات، عناصر کی تشریح، عالم حیوانات و نباتات اور انسان کی تولید کے بارے میں ایسے واضح اور قطعی معلوم فراہم کرتا ہے جن کی صحت کو آج کی اعلیٰ ترین سائنسی تحقیقات نے تسلیم کرلیا ہے۔ انہی امور کے بارے میں بائبل اور تورات میں فاش غلطیاں صاف نظر آتی ہیں۔[۲]

قرآن کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان قوانین کی جو کائنات میں کارفرما ہیں تفصیلی وضاحت کرے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے اور سائنسی ایجادات کے لئے تمام فارمولے انسان کے حوالے کردے۔ بلاشبہ ایسا کرنا تبارک تعالیٰ کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اس سے زندگی آرزو کے سوز سے، تجسس اور کشمکش کی حرارت سے خالی ہو جاتی اور انسان کے ذہن و فکر کا ارتقا ٹھٹھر کر رہ جاتا اور تمدن جامد و ساکت ہو کر بے کیف ہو جاتا .... اسی لئے قرآن انسان کو ان قوانین کی دریافت اور فطرت کی طاقتوں کی تسخیر پر غور کرنے کے لئے ابھارتا ہے جن کی بدولت زندگی میں تپش، حوصلوں میں بلندی، آرزو میں چمک، تمدن میں رونق پیدا ہوتی ہے اور جس کے باعث انسان کے ذہن کے لئے، اس کی خودی اور اس کی روح کے ارتقا کے لئے راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں!

وجہ تخلیق

لوگوں میں یہ قول معروف ہے۔ كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ خَلْقًا ط

"یعنی میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا (جس کی قدر و قیمت کو سمجھنے والا کوئی متنفس نہ تھا) اور اگر یہی صورت

۲۔ مورس بکائی بائبل، قرآن اور سائنس ص 165

حال رہتی تو میری ہستی کو کون محسوس کرتا؟ مجھے کون جانتا؟ میں نے اس خموشی اور جمود کو باوجود کامل طور پر بے نیاز ہونے کے برداشت نہ کیا اور میں نے پسند کیا کہ پہچانا جاؤں۔ پھر میں نے مخلوق کو پیدا کیا"۔

اس روایت سے معاملہ کی حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تخلیق کائنات کا یہ عمل لاکھوں، کروڑوں برس سے کیوں جاری ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ انسان کے اندر اپنی روح پھونکنے کی مصلحت کیا ہے؟ اور اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے انسان کو اپنے تک واپس پہنچا کر ایک کر دینے کی حکمت کیا ہے؟ اور پھر مکاں کے اس طلسمی ہنگامے کو مٹا کر لامکاں میں ابد الاباد تک وحدہ لاشریک کے قیام کا راز کیا ہے؟

حضرت اقبالؒ نے اس روایت کی توجیہہ "زبور عجم" میں ایک دوسرے پہلو سے نہایت لطیف پیرایہ میں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ذات باری خود گہر زندگی کی تلاش میں ہے کیونکہ یہ گہر کل کا جزاور شعلہ اصلی کا ایک شرارہ ہے!

ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکئے نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بوست
در خاکدان ما گہر زندگی گم است ایں گوہرے کہ گمشدہء مائیم یا کہ اوست[1]

ہمارا عقیدہ یہ بھی ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی ذات اقدس وجہ تخلیق کائنات ہوئی ہے۔

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (روایت)

رسول اکرم ﷺ نہ ہوتے تو افلاک بھی نہ ہوتے کائنات بھی نہ ہوتی۔

اس طرح آپ ﷺ کائنات کے لئے سبب بنے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق سے پہلے اس کے لئے ایک آئیڈیل، ایک رہنما کی تشکیل فرمائی جو ساری کائنات کے لئے باعث برکت اور موجب رحمت ہے!

تخلیق کائنات [1]

جدید ترین سائنسی نظریہ کائنات کی تخلیق کے بارے میں یہ ہے کہ ابتداً صرف توانائی تھی۔ اس نے بعد میں مادہ کی شکل اختیار کر لی۔ یہ مادہ ابتداً گیس یا دخان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ بعد میں اس میں سے بادلوں کی طرح کے ٹکڑے علیحدہ ہو کر سدیم کی شکل اختیار

---

[1] زبور عجم ص 133   [1] بائبل قرآن اور سائنس ص ۱۷۲

کر گئے۔ ان سے کہکشاں کا وجود ہوا۔ اس عمل کے لئے بھی دو طریقے بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک کائناتی جوہر کا اور دوسرا حالت قائمہ کا۔ پہلے نظریہ کے مطابق شروع میں ایک بہت بڑا جوہر تھا جس میں الیکٹرون اور پروٹون منتشر حالت میں پیوست تھے۔ پھر ایک دھماکہ کے ساتھ یہ جوہر پھٹا اور مادہ پھیل گیا۔ الیکٹرون اور پروٹون کی ترتیب قائم ہوئی جس سے گیسی مادہ تیار ہوا۔ دوسرے نظریہ کے لحاظ سے توانائی نے رفتہ رفتہ مادہ کی شکل اختیار کی جس سے سدیم وجود میں آئے یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے اور کائنات میں وسعت پیدا ہوتی جارہی ہے۔ خلاق عظیم آسمان و زمین کی پیدائش کے بعد نئے مہمات امور میں مصروف ہے اور ہر لمحہ، ہر روز نئے عظیم الشان کام کر رہا ہے۔

يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (رحمٰن : 28-29)

لوگو! جو کچھ بھی آسمانوں اور زمیں میں ہے سب اسی کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔ اسی کا محتاج ہے وہ بیکار اور معطل خدا نہیں بلکہ آئے دن کسی نہ کسی عظیم الشان کام میں مصروف ہے!

یہ حقیقت نہایت واضح الفاظ میں قرآن نے اس زمانہ میں بتائی جب کہ اس کے بارے میں انسانی ذہن سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ فرمایا گیا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ (حم السجدہ : 11)

"پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا "وجود میں آجاؤ خواہ چاہو یا نہ چاہو" دونوں نے کہا۔ "ہم آگئے فرمانبرداروں کی طرح"۔

مزید فرمایا کہ :-

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (انبیاء : 30)

"کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی ﷺ کی بات ماننے سے) انکار کر دیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے ان کو جدا کیا اور

پانی سے ہر زندہ چیز کو پیدا کیا؟ کیا وہ ہماری اس خلاقی کو نہیں مانتے"۔
ان دونوں آیات سے ثابت ہوا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے ایک گیسی مرغولے کا وجود تھا اور یہ کہ ایک بنیادی مادہ کے پھٹنے سے کئی عالم وجود میں آئے نیز یہ حقیقت بھی ظاہر ہوئی کہ حیات کی ابتداء پانی سے ہوئی۔ [1]

آج سائنس کا یہ نظریہ ہے کہ ہماری زمین کی طرح کائنات میں اور بھی زمینیں ہو سکتی ہیں۔ یہ نظریہ بھی قرآن کی پیشن گوئی سے تطابق رکھتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ

(الطلاق : 12)

"اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی ان ہی کے مانند۔ ان کے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے"۔

قرآنی متن میں ہماری زمین کے علاوہ ایک سے زیادہ زمینوں کے وجود کی نشاندہی ہو رہی ہے اور یہ حیرت انگیز انکشاف ہو رہا ہے کہ ان کے درمیان رابطہ ہے جدید سائنس ایسے رابطہ کی دریافت کے کئی مرحلے طے کر چکی ہے اور اس کا قوی امکان موجود ہے کہ دوسری زمینوں کی دریافت بھی ہوگی اور ان کے درمیان رابطہ بھی قائم ہو جائے گا۔

نظامِ شمسی

زمین اور سیاروں کا ایک منظم اور وسیع جہان ہے جو سورج کے اطراف گردش کر رہا ہے۔ زمین اور سورج کا درمیانی فاصلہ نو کروڑ تیس لاکھ میل ہے۔ نظام شمسی کے بعید ترین سیارے پلوٹو کا فاصلہ تین ارب ستر سٹھ کروڑ چالیس لاکھ میل ہے۔ سورج کی روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔ [2]

کہکشائیں

ہمارا نظام شمسی ہماری کہکشاں کا ایک نہایت چھوٹا سا حصہ ہے۔ ہماری کہکشاں میں

---

[1] بائبل۔ قرآن اور سائنس ص 172 [2] بائبل۔ قرآن اور سائنس ص 177

ایک کھرب چھوٹے چھوٹے ارکان ہیں۔ سورج ان میں سے ایک ہے۔ نظام شمسی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے کے لئے روشنی کے نوے ہزار سال کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن ہماری کہکشاں خود سموات کا محض ایک ادنیٰ سا حصہ ہے۔ کائنات میں ایسی لاکھوں کہکشائیں ہیں ان میں سے کچھ ابھی تک گیسی حالت میں ہیں۔ ان میں سے کئی ایسی ہیں جن کی جسامت ہمارے نظام شمسی سے ایک کھرب گنا زیادہ ہے۔ ان کی دو انتہاؤں پر معلوم سیاروں کے مابین اربوں نوری سالوں کا فاصلہ ہے.......... اس طرح ماہرین فلکیات نے نظام شمسی کی تشکیل سے متعلق جو معلومات حاصل کی ہیں وہ بعینہ قرآنی معلومات کے مطابق ہیں۔

علم ہیئت

قرآن مجید نے آسمانوں اور زمین کا ذکر کیا ہے اور ان کے درمیان "بین السماء والارض" پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ سائنس نے عصر حاضر میں اس کی تائید کی ہے۔ قرآن نے خصوصیت سے اجرام فلکی کی تخلیق کا ذکر کیا ہے جو ایسے توازن کی حالت میں ہیں جس کو مشہور سائنس دان نیوٹن نے کشش باہمی (Gravitation) کا نام دیا ہے۔ یہ ایک غیر مرئی قوت ہے جو ساری کائنات کے اجرام کو تھامے ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں سہارا دینے والی اس غیر محسوس قوت کا ذکر موجود ہے۔ نیوٹن کی تحقیق تو بہت بعد کی بات ہے۔ معلوم نہیں ہمارے سائنسدانوں نے اس طرف توجہ کیوں نہیں کی۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (الرعد : 2)

"وہ اللہ ہی جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں"۔

نظام سماوی

قرآن نے بتایا کہ سورج اور چاند اپنے اپنے مداروں پر گھوم رہے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک ماہرین فلکیات کا فیصلہ تھا کہ سورج کا کوئی مدار نہیں ہے۔ ارسطو نے زمین کو مرکز عالم اور ساکن قرار دیا تھا اور شمس و قمر کو زمین کے گرد متحرک سمجھا تھا۔ اور ستاروں کے بارے میں فرض کیا گیا تھا کہ وہ آسمان کے کروں میں نصب شدہ ہیں۔ حکمائے مغرب

1530ء تک اسی نظریہ سے چمٹے رہے۔ یہاں تک کہ کاپر نیکس نے زمین اور تمام اجرام سماوی کو متحرک قرار دیا اور ارسطو کے نظریہ کا قلع قمع کر دیا............ لیکن کاپر نیکس سے کامل نو سو برس پیشتر جہل و وہم، ظن و گمان کے تاریک ماحول میں حقیقت شناس اور خدا شناس پیغمبر حکمت ﷺ نے اللہ کی طرف سے نازل ہونیوالی اس تعلیم کا اعلان کیا کہ :-

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝

(الزمر : 5)

لوگو! اللہ ہی نے آسمان کے بے شمار ستاروں اور زمین کے کرے کو پیدا کیا اور وہی خدا ہے جو اجرام سماوی کی حیرت انگیز ترتیب اور وقت طلوع و غروب کے متعین کرنے سے رات کی ظلمت کو دن کے روشن جسم پر لپیٹ دیتا ہے، یہ سب آسمانی کرے اور یہ زمین سب کے سب ایک وقت مقررہ تک حرکت کر رہے ہیں اور رب بے مثال کے منشاء کو پورا کر رہے ہیں جو بڑا غالب اور بڑا پردہ پوش ہے۔

اس طرح مغرب کے سائنس دان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سورج کا مدار موجود ہے اور وہ اس مدار پر ایک سو پچاس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے ساڑھے پچیس کروڑ سال میں اپنا سفر پورا کرتا ہے۔ ان مداروں کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے :-

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝

(الانبیاء : 33)

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ سب اپنے مداروں پر چل رہے ہیں"۔

اور

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝

(یٰسین : 40)

"نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار پر تیر رہا ہے"۔

جدید ترین انکشاف یہ ہے کہ سورج بھی کسی نا معلوم مرکز کی طرف اپنے نظام شمسی کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اس سمت میں اس کی رفتار بارہ میل فی سیکنڈ ہے۔ اس مرکز کو "سولر اپیکس" کہا گیا ہے۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو صدیوں پہلے بیان فرمایا ہے۔ [1]

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (یٰسین : 38)

"اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے، یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے"۔

قرآن کی بیان کردہ اس صداقت کو 1783ء میں ان الفاظ میں ہرشل نے تسلیم کیا ہے:۔

"سورج معہ اپنے تمام نظام شمسی کے خود ایک دور دراز مرکز کے گرد چل رہا ہے اور موجودہ اوقات میں اس کی سمت حرکت ایک مجمع النجوم کی طرف ہے"۔

زمین

بعثت رسول ﷺ سے پہلے زمین کے بارے میں ایسے عقائد موجود تھے جو سائنس کی جدید تحقیقات سے کسی طرح ہم آہنگ نہیں ہو سکتے تھے۔ قرآن مجید نے ان باطل عقائد کا کہیں ذکر نہیں کیا ہے۔ اس کے برعکس اس موضوع پر جن مضامین سے قرآن نے بحث کی ہے وہ سائنسدانوں کے لئے سبق آموز ہوئے ہیں۔ ان مضامین میں پانی کا دور اور سمندر، سطح زمین کے نشیب و فراز اور زمین کے کرہ باد کی حقیقتوں کا بیان شامل ہے۔

ارسطو کے نظریہ کے مطابق چشموں اور دریاؤں میں پانی زیر زمین واقع کسی جھیل سے آتا ہے لیکن عصر جدید کی تحقیق نے قرآن کے اس بیان کی تائید کی ہے کہ دریاؤں اور چشموں میں بارش کا پانی آتا ہے۔ [2]

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ یَنَابِیْعَ فِی الْاَرْضِ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ (الزمر : 21)

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کو سوتوں، چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا، پھر اس پانی کے ذریعے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے

---

[1] بائبل، قرآن اور سائنس ص 192

[2] بائبل، قرآن اور سائنس ص 216

جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں"۔

کشش ثقل

زمین کی کشش ثقل کی دریافت کا سہرا نیوٹن کے سر باندھا گیا ہے حالانکہ سینکڑوں سال پہلے قرآن نے اس کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ۝ أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا ۝ (المرسلت : 25-26)

"کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا۔ زندوں کے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی؟"

ہماری سائنس دانوں کی نظر اس حقیقت پر شاید آج تک نہیں پڑی ہے۔

آغاز حیات

قرآن مجید نے نہایت مختصر سی آیات میں اس اہم موضوع پر بات کی ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (الانبیاء : 30)

"اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی"۔

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ (النور : 45)

"اور اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے، ان آیات کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر زندہ چیز پانی سے بنائی گئی ہے، جو اس کا لازمی عنصر ہے یا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر جاندار شے کی ابتداء پانی میں ہوئی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ نباتات کی بالیدگی کا موجب بارش ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُم مِّنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝ يُنبِتُ لَكُم بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ
(النحل : 10-11)

"وہی (خدا) ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی برسایا جس سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے جانوروں کے لئے بھی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس پانی کے ذریعے کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے"۔

عالم نباتات میں افزائش نسل پر بھی قرآن حکیم نے روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ عالم نباتات میں افزائش نسل ایک ہی پودے پر نر اور مادہ کے ملاپ سے جنسی تشکیل کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔یا جداگانہ پودوں پر قائم ہوتی ہے۔

وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ (طٰہٰ : 53)

سائنس میں پھل، پودوں کی افزائش نسل کے عمل میں آخری حاصل ہے جس کا نظام انتہائی پیچیدہ ہے، پھل سے قبل کا درجہ پھول کا ہے۔ جس میں نر اور مادہ دونوں کے اعضا ہوتے ہیں اس طرح تمام پھل نر اور مادہ ہی کی بدولت وجود میں آتے ہیں۔

قرآن مجید عالم نباتات میں بھی ایک جوڑے کا تصور دیتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (یٰسین : 36)

"پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات میں سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس (نوع انسانی) میں سے یا ان اشیاء میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں ہیں"۔

اس آیت کریمہ کے حقائق اور مضمرات کو حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں لوگ نہیں جان سکتے تھی۔ لیکن جدید تحقیق ان حقیقتوں پر مہر تصدیق لگاتی ہے...... قرآن مجید نوع انسانی کو قیامت تک دعوت فکر دیتا رہے گا۔ جدید سائنسی دور کے لئے اوپر بیان کی ہوئی تمام باتیں قرآن کے اندر محفوظ ہیں۔

عالم حیوانی

قرآن مجید میں عالم حیوانی سے متعلق بھی کئی تشریحات موجود ہیں۔ جو جدید سائنسی معلومات سے پوری مطابقت رکھتی ہیں ان میں عالم حیوانی میں افزائش نسل، حیوانی برادریوں کے وجود، شہد کی مکھیوں، مکڑیوں اور پرندوں سے متعلق انکشافات شامل ہیں اور جانوروں کے دودھ کی تولید کے بارے میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔

افزائش نسل کے موضوع پر بڑے اختصار سے بات کی گئی ہے۔

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ (النجم : 45-46)

"اور اس نے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا ایک بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے"۔

جنسوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ افزائش نسل کے لئے نہایت قلیل مقدار میں رقیق مادہ (منی) کی ضرورت ہوتی ہے۔

پھر فرمایا گیا کہ تمام جانور اور پرندوں کی اپنی اپنی برادریاں ہوتی ہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

(الانعام : 38)

"زمین پر چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو۔ یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں۔ ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمٹے جاتے ہیں"۔

جدید تحقیق یہ ہے کہ حیوانی برادریاں حقیقی طور پر اپنا وجود رکھتی ہیں۔ بالخصوص شہد کی مکھیوں کا اپنا ایک خاص نظام ہدایات ہوتا ہے۔ جسے قرآن مجید میں رب کی ہموار کی ہوئی راہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عجیب و غریب نظام اعصاب بخشا ہے جو ان کو فاصلوں کا شعور دیتا ہے، اطلاعات بہم پہنچاتا ہے اور ان کے رویہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ مکڑی کو بھی باری تعالیٰ نے اسی طرح کا اعصابی نظام عطا کیا ہے جو اس کو ایک مکمل ہندسی نوعیت کا جالا تاننے میں مدد دیتا ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ

(النحل : 68-69)

"اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں پر اور ٹہنیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کے پھولوں

کار س چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ۔اس مکھی کے اندر سے ایک رنگ برنگ کا شربت نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے"۔

ان آیات سے واضح ہے کہ پرندے حکم ربی پر انحصار کرتے ہیں اور نہایت چھوٹے چھوٹے پرندے بھی بغیر کسی رہنما کے طویل سفر طے کرتے ہیں اور پھر ایک مقررہ تاریخ پر اسی جگہ لوٹ آتے ہیں جہاں سے سفر کا آغاز کیا تھا۔

حالیہ تحقیقات کی رو سے تمام نباتات اور حیوانات کے ہر خلیہ میں ایک کیمیائی مرکب "ڈی۔این۔اے" ہوتا ہے۔یہ خوردبینی کمپیوٹر کی طرح کام کرتا ہے جس میں احکام کے یاد کرائے ہوئے حافظہ کیلئے لاتعداد نقلیں ہوتی ہیں۔جن کو کوڈ (رمز) کہتے ہیں۔جب یہ خلیہ دو میں تقسیم ہوتا ہے تو ہر حصہ کو اپنے کام کے لحاظ سے یہ نقلیں بھی مل جاتی ہیں۔احکام کا یہ ٹیپ ریکارڈ ہر خلیہ میں صحیح وقت اور موقع پر احکام جاری کرتا رہتا ہے کہ خلیہ کو اب کیا کام کرنا ہے [1]...... ایک پرندہ مٹن برڈ بحر الکاہل کے علاقے میں رہتا ہے وہ اپنی صفوں کو انگریزی کے ہندسہ 8 میں ترتیب دے کر پندرہ ہزار پانچ سو میل اسی ترتیب سے چھ ماہ میں طے کرتا ہے اور تقریباً اسی مدت اور اسی ترتیب میں اس مقام پر واپس آجاتا ہے جہاں سے وہ چلا تھا ....! یہ ایسے رموز ہیں جن کو سائنس بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔یقیناً اس کا خالق اللہ تبارک تعالیٰ ہی ہے اور یہ ہدایت بلاشبہ اسی کی رہنمائی (وحی) کی ایک صورت ہے۔

جانوروں کا دودھ

عصر حاضر کے سائنسدان دودھ کے متعلق کیمیا اور علم الاعضا میں طویل تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جو مادے جسم کے تغذیہ کے لئے ضروری ہوتے ہیں وہ دائرۂ ہضم کے طویل کیمیائی عمل سے حاصل ہوتے ہیں۔یہ مادے آنتوں کے مشمولات سے فراہم ہوتے ہیں۔آنتوں میں کیمیائی عمل کے ایک مرحلے پر پہنچ کر پہلے وہ جگر میں پہنچتے ہیں جہاں ان میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔پھر خون کی نالیوں کے ذریعے نظام ہضم سے بننے والے غذائی جوہر میں شامل ہو کر پستان کے غدودوں تک پہنچ جاتے ہیں۔جہاں دودھ کی تولید ہوتی ہے۔رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں اس کا قطعاً کسی کو علم نہیں تھا۔یہ بات تو حال ہی

---

[1] بائیبل، قرآن اور سائنس ص 246

ہیں معلوم ہوئی ہے۔ لیکن انسانی عقل یہ معلوم کر کے دنگ رہ جاتی ہے کہ دودھ کی تولید کے اس طریقہ کار کا ذکر قرآن مجید میں نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں موجود ہے۔ [1]

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾ (النحل : 66)

"یقیناً جانوروں میں تمہارے لئے سبق ہے۔ ہم تمہیں ان کے جسموں کے اندر کی اس چیز سے جو آنتوں کے مادہ اور خون کے اختلاط سے پیدا ہوتی ہے ایسا دودھ دیتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خالص اور فرحت بخش ہوتا ہے"۔

انسان کی افزائش نسل [2]

عہد حاضر تک افزائش نسل انسانی کا موضوع بے بنیاد قیاسات اور توہمات میں گھرا ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل انتہائی پیچیدہ ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے خرد بین اور تشریح بدن کے علم سے واقفیت ضروری ہے۔

دراصل انسان کی افزائش نسل کئی مرحلوں میں مکمل ہوتی ہے۔

اولاً دوران حیض ایک بیضہ کیسہ ء تخم یا بیضہ دان سے الگ ہو جاتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں مرد کے نطفہ سے ایک جرثومہ (بعض اوقات ایک سے زائد) اس میں داخل ہو کر اسے بار آور کرتا ہے۔ یہ نطفہ یا مادۂ منویہ خصیوں میں پیدا ہوتا ہے اور نالیوں کے ایک نظام میں جمع رہتا ہے اور آخر میں پیشاب کی نالی میں پہنچ جاتا ہے اس نالی کے اردگرد کئی غدود ہوتے ہیں جن سے اضافی رطوبت اس میں شامل ہوتی رہتی ہے۔ مادہ منویہ میں ایک وقت میں کروڑوں خلئے یا جرثومے ہوتے ہیں۔ لیکن بار آوری کے لئے بہت ہی تھوڑے خلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تیسرے مرحلے میں بار آور شدہ بیضہ کا استقرار نسوانی نظام تولید میں ایک خاص مقام پر انجام پاتا ہے اور ایک نہایت باریک نالی کے ذریعے سے جس کو قنات المبیض کہا جاتا ہے رحم میں داخل ہو جاتا ہے۔ چوتھے مرحلے میں وہ رحم کے عضلہ اور جھلی کی دبازت سے چپک جاتا ہے اور وہیں قیام کرتا ہے جہاں اس کی پرورش شروع ہو جاتی ہے۔ جب یہ جنین ذرا بڑا ہوتا ہے اور بغیر خرد بین کے نظر آنے لگتا ہے تو ایک چھوٹی سے بوٹی کی

---

[1] بائبل، قرآن اور سائنس ص 247 [2] بائبل، قرآن اور سائنس ص 250 تا 260

طرح لگتا ہے تاہم انسانی شبیہہ ناقابل شناخت ہوتی ہے۔ یہ جنین ارتقائی مدارج طے کرتی جاتی ہے۔ پھر بڑھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بنتی ہے۔ اس پر عضلات چڑھتے ہیں۔ اعصابی نظام قائم ہوتا ہے اور دوران خون کے نظام کی تخلیق ہوتی ہے۔

سائنس کی ان تحقیقاتی معلومات کے پس منظر میں قرآن مجید کی فراہم کردہ معلومات پر ذرا غور فرمائیے۔ عمومی مشاہدات سے قطع نظر وہ افزائش نسل کے میکانکی نکات کو بیان کرتا ہے جن سے واضح ہوتا ہے کہ بار آوری کا عمل مادہ منویہ کی نہایت قلیل مقدار سے انجام پاتا ہے، اس مادہ کے متعدد اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں بار آور شدہ بیضہ کے استقرار کا خصوصی عمل ہوتا ہے اور جنین ارتقائی مراحل سے گزرتا ہے۔

مرحلہ اول

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ (النحل : 4)

"اس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا"۔

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (المومنون : 13)

"پھر (آدمی) کو ایک محفوظ جگہ ٹکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا"۔

مرحلہ دوم

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ (الطارق : 6-7)

"انسان کو اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے"۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ (السجدہ : 8)

"اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء گارے سے کی پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے"۔

لفظ "حقیر" استعمال کیا گیا ہے یہ اس حقیقت کے مدنظر ہے کہ یہ مادہ اس نالی کے ذریعے سے جو پیشاب کے لئے مخصوص ہے دائرہ بول کے راستے سے خارج ہوتا ہے۔

"ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے"۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٨﴾ (السجدہ : 8)

''پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے''۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ

لفظ ''سللۃ'' یعنی ست کسی ایسی چیز کو ظاہر کرتا ہے جو کشید کی گئی ہو، جو دوسری شکل میں سے نکلی ہوئی ہو اور کسی چیز کا جوہر ہو......... مادۂ منویہ بھی ست ہے جو مختلف قسم کی رطوبات سے حاصل ہوتا ہے۔ خلئے خصے میں پیدا ہوتے ہیں، منی کی تھیلی میں داخل ہو کر کچھ رطوبت حاصل کرتے ہیں، پھر غدۂ مثانہ سے رطوبت رستی ہے اور اس میں شامل ہوتی ہے اور آخر میں دائرہ بول سے ملحق غدود سے ایک لسدار رقیق مادہ رستا ہے اور اس میں شامل ہوتا ہے۔ اس طرح مخلوط مراکز سے مادہ منویہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

مرحلہ سوم

بچہ دانی یا رحم میں بیضہ ٹھہرتا ہے۔

وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (الحج : 5)

''ہم جس (نطفے) کو چاہتے ہیں۔ ایک وقت خاص تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں''۔

پھر اس کی پرورش شروع ہوتی ہے۔ وہ غذائیت حاصل کرتا ہے اور رحم کے ساتھ جم جاتا ہے۔ قرآن پاک نے اس کو خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے تعبیر کیا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿١﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿٢﴾ (العلق : 1-2)

''پڑھو (اے نبی ﷺ) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی''۔

مرحلہ چہارم......... جب اس مرحلے میں جنین گوشت کے لوتھڑے کی شکل سے ہو کر گزرتا ہے تو ہڈیوں کا ڈھانچہ معرض وجود میں آتا ہے پھر اس پر گوشت چڑھتا ہے۔

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا

(المومنون : 14)

"پھر ہم نے لو تھڑے کو بوٹی بنادیا۔ پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا"۔
بہر حال قرآن حکیم کے ان تمام بیانات کا مقابلہ عصر جدید کے مسلمہ تصورات سے کیا جائے تو ان کے درمیان مکمل مطابقت پائی جاتی ہے۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ضمیر سید المرسلین ﷺ کی سچائی پر گواہی دینے لگتا ہے اور روح قرآنی صداقتوں کے ترنم کی لے پر جھومنے لگتی ہے..........!!

فنون لطیفہ

ادب، شاعری، مصوری، موسیقی وغیرہ فنون لطیفہ میں شامل ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تخریبی اور دوسرے تعمیری--- تخریب اور تعمیر کی حد بندی کا انحصار جماعتوں اور ملتوں کی اپنی اپنی اخلاقی قدروں پر ہوتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فنون لطیفہ کے بارے میں چند بنیادی اصول دنیا کو دیئے ہیں۔ قرآن مجید کے سورۃ الشعراء کی آیات 224 تا 227 میں الوہی دانش کھل کر سامنے آگئی ہے۔ یہ آیات شاعری کے تعلق سے ہیں لیکن ان کی روح کا اطلاق تمام فنون لطیفہ پر یکساں ہوتا ہے۔ فرمایا گیا کہ :-

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (الشعراء : 227)

"رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کیا اور جب ان سے ظلم کیا گیا تو صرف بدلہ لے لیا"۔

پہلی تین آیات سے تخریبی شاعری اور تخریبی فنون لطیفہ کے متعلق ہم نتائج اخذ کر سکتے ہیں اور چوتھی آیت سے ان شاعروں اور فنون لطیفہ کے ماہروں کے استثنیٰ کا اصول اخذ کیا جا سکتا ہے جو چار خصوصیات کے حامل ہوں۔ اول یہ کہ ان کا فن اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور

اس کی کتاب سے متصادم نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ان کا فن فسق و فجور اور بدکاری کی طرف راغب نہ کرتا ہو۔ تیسرے یہ کہ ایسا فن اللہ کی یاد اور ہدایت سے غافل نہ کرتا ہو۔ اور چوتھے یہ کہ فن شخصی اغراض یا ہجو کے لئے استعمال نہ ہوتا ہو۔ ذاتی، نسلی، لسانی اور قبائل عصبیتوں کو نہ بھڑکاتا ہو بلکہ حق کی حمایت کے لئے ان تمام فنون سے وہی کام لیا جاتا ہو جو ایک مجاہد تیر و تفنگ سے لیتا ہے۔

ابن خلدون

قرآن مجید کی اس بصیرت کے پس منظر میں اور قوموں کی عروج وزوال کے اسباب کا منطقی تجزیہ کرنے کے بعد فلسفہء تاریخ کے بانی علامہ ابن خلدون اس نتیجے پر پہنچے کہ جب کسی ملت کا زوال شروع ہوتا ہے تو تخریبی فنون لطیفہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں اور زوال کی رفتار کو تیز تر کر دیتے ہیں۔ علامہ موصوف کے مقدمہء تاریخ سے فنون لطیفہ کی صحت کی تشخیص کے لئے چار اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں۔[1]

1- ہر وہ فن جو عیش و عشرت، نفس پرستی، کاہلی اور آرام طلبی کی طرف راغب کرتا ہے۔ معاشرہ کی قوت عمل اور فکری اتحاد کو ضائع کر دیتا ہے۔

2- ہر فن جو جسم اور روح کے توازن اور نظم اجتماعی میں خلل ڈالتا ہے، قوم کے تنزل کا سبب ہوتا ہے۔

3- وہ فن ایک نعمت ہے جو ان قوتوں کو بیدار کرتا ہے جو معاشرے کی طبعی اور نفسی اصلاح کرتی ہیں کیونکہ ان قوتوں کے معطل ہونے سے قوم کی ساری فضیلتیں زائل ہو جاتی ہیں۔

4- اس فن سے تنزل کا آغاز ہوتا ہے جو افراد میں انحطاط اور مایوسی اور اخلاق اور حوصلے میں پستی پیدا کرتا ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نوع انسانی کو ان فنون سے بچانا چاہتا ہے جو روحانی بالیدگی کی تمام راہیں بند کر کے آوارگی اور بے راہروی کی طرف لے جاتے ہیں اور انسان کو نفس پرستی میں غرق کر دیتے ہیں۔

---

[1] مقدمہ تاریخ جلد اول ص 376 جلد دوم ص 385، ص 433 ص 40

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار [1]

دراصل ایسا فنکار جو حوصلوں کو پست کرتا ہے، ملت کی رگوں میں خون کو منجمد کرتا ہے۔ اس کا ذہن بیمار اور اور ضمیر ناپاک ہوتا ہے۔

وہ نغمہ سردیٔ خون غزل سرا کی دلیل
کہ جس کو سن کے ترا چہرہ تابناک نہیں
نوا کو کرتا ہے موج نفس سے زہر آلود
وہ نے نواز کہ جس کا ضمیر پاک نہیں [2]

درحقیقت خیر اور شر کا تصادم ازل سے جاری ہے۔ ابد تک جاری رہے گا ادب میں بھی خیر وشر کا یہی حال ہے۔ کبھی تعمیر کا پلہ بھاری رہتا ہے اور کبھی تخریب کا۔ تخریب کا ہیرو انسانی معاشرے کے لئے ابلیس ہے۔ آدمؑ سے لے کر آج تک ادب میں بھی تخریبی رجحانات کا ماخذ ابلیس ہی رہا ہے۔ اس کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ جنس کی حفاظتی فصیل یعنی شرم وحیا کو توڑ دیتا ہے، شریعت میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔ نظام شرعی کو متزلزل کرتا ہے اور حرام وحلال کی تمیز کو اڑا دیتا ہے.......... ادب میں جب تخریبی رجحانات گھس آتے ہیں تو ان ہی حربوں کی کرشمہ سازی اور جلوہ نمائی ہوتی ہے۔

اس لئے اسلامی معاشرے میں ضروری ہے کہ تعمیری فن کی تخلیق کے لئے مناسب ماحول پیدا کیا جائے اور پاکیزہ فن سے عوام کے ذہن کی تطہیر اور کردار کی تعمیر کا بندوبست کیا جائے۔ ایسا فن وہی ہوتا ہے جس کی گرمی سے ستاروں کا وجود پگھل جاتا ہے اور جس کی بدولت انسان کو غم اور خوف سے نجات مل جاتی ہے۔

ہے ابھی سینۂ افلاک میں پیدا وہ نوا
جس کی گرمی سے پگھل جائے ستاروں کا وجود
جس کی تاثیر سے آدم ہو غم و خوف سے پاک
اور پیدا ہو ایازی سے مقام محمود [3]

---

[1] ضرب کلیم ص 128 [2] ضرب کلیم ص 128 [3] ضرب کلیم ص 124

اسلام کی روح کا تقاضہ یہ ہے کہ لطیف اور روشن ادب کی تخلیق ہو۔ایسا ادب جو اپنی تابانی میں مثل خورشید سحر ہو اور جس کی فکر اندھیروں میں چراغ منزل ثابت ہو!

مثل خورشید سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد، معانی میں دقیق ۲

ایسا ہی ادب اور ایسی ہی شاعری انسانی کردار کی تعمیر کرتی ہے اور اپنے منصب کے اعتبار سے پیغمبری کی وارث بن جاتی ہے!

شعر را مقصود گر آدم گری است
شاعری ہم وارث پیغمبری است ۳

اور ایسی ہی شاعری نغمہ جبریل اور بانگ سرافیل بن جاتی ہے۔

وہ شعر کہ پیغام حیات ابدی ہے
یا نغمہء جبریل ہے یا بانگ سرافیل ۴

ایسی ہی صحت مند شاعری انسان کے ارادہ میں استقلال اور تاریخ میں انقلاب پیدا کرتی ہے۔ اور ایک نئی دنیا کی تعمیر کر کے قلب انسانی کو حیات نو بخشتی ہے۔

آں ہنر مندے کہ ہر فطرت فزود
راز خود را بر نگاہ ما کشود
آفریند کائناتے دیگرے
قلب را بخشد حیاتے دیگرے! ۵

فواحش

ہر اسلامی معاشرہ ایک نظریاتی معاشرہ ہوتا ہے۔اس لئے کسی ایسے فن کی حوصلہ افزائی کا ایسے معاشرے میں کوئی جواز نہیں ہوتا جو بنیادی اسلامی قدروں سے متصادم ہو۔اس سلسلے میں فن کے تعلق سے جو بات سب سے زیادہ اہم ہے :: قرآن مجید کا یہ حکم ہے کہ :-

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف : 33)

---

۲ ضرب کلیم ص 129 ۳ جاوید نامہ ص 46
۴ ضرب کلیم ص 133 ۵ اقبال "

"(اے محمد ﷺ!) لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرے رب نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان میں بے شرمی، عریانی اور فحاشی کے کام بھی ہیں خواہ وہ چھپ چھپ کر کئے جائیں یا کھلم کھلا کئے جائیں"۔

لہو الحدیث

سورہ لقمان کی چھٹی آیت میں "لہو الحدیث" کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس سے مراد ایسی بات ہے جو آدمی کو اپنے اندر مشغول اور محو کر دے اور ہر دوسری چیز سے غافل کر دے۔ لیکن عام استعمال میں اس کا اطلاق بری، بیہودہ اور فضول باتوں پر ہوتا ہے جو شر میں کشش اور باطل میں رنگینی پیدا کر کے نفس امارہ کو بیدار کرتی ہیں اور روح کو مغلوب کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں حق و باطل کی یہ جنگ جاری رہی ہے اور بسا اوقات بظاہر حق کو پسپا ہوتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ اگرچہ کہ بالآخر حق ہی مظفر و منصور رہا ہے۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (بنی اسرائیل : 81)

"یعنی حق آیا ہی آیا اور باطل بھاگا ہی بھاگا۔ باطل ہوتا ہی ہے بھاگنے کے لئے"۔

نضر بن حارث [1]

پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت جب مکہ میں عام ہونے لگی اور لوگ اللہ کا کلام سننے لگے تو سرداران قریش کو سخت فکر لاحق ہوئی کہ کہیں اسلام کا مشن کامیاب نہ ہو جائے اور بت پرستانہ نظام کو درہم برہم نہ کر دے۔ اس "خطرہ" کے سدباب کے لئے انہوں نے کفار کے دانشوروں کی ایک کانفرنس طلب کی جن میں مختلف تجاویز پر غور ہوا۔ تجاویز یہ تھیں کہ پروپیگنڈا کیا جائے کہ حضور اکرم ﷺ (نعوذ باللہ) دیوانے ہیں یا جادوگر ہیں یا شاعر ہیں......... لیکن ہر تجویز کانفرنس میں مسترد ہو گئی کیونکہ دانشوروں کی رائے تھی کہ کوئی شخص ان باتوں کو باور نہیں کرے گا۔ اس پر ایک بہت ذہین اور عیار شخص نضر بن حارث اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ دوستو! میرے پاس اسلام کے مشن کا توڑ ہے......... میں لوگوں کے

---

[1] ابن ہشام جلد ۱ ص ۳۲۰، ۳۲۱۔ (ابن عباسؓ) تفہیم القرآن

لئے لہو و لعب اور رقص و سرور کا مفت انتظام کروں گا اور اسی میں ان کو مصروف اور مسحور رکھوں گا۔

چنانچہ نضر بن حارث عراق سے شاہان عجم کے افسانے اور رستم و اسفندیار کی داستانیں اونٹوں پر لاد کر لے آیا اور مکہ میں جگہ جگہ سنٹر کھول دیئے جہاں یہ افسانے اور داستانیں مفت سنائی جانے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سرداران قریش سے خوش لحن اور خوبرو لونڈیاں حاصل کیں اور شہر کے مختلف حصوں میں سٹیج بنا کر ان لونڈیوں کو ناچنے اور گانے پر لگادیا۔ صلائے عام تھی اور مفت تھی۔ انسان یوں بھی طبعیتاً برائی کی طرف آسانی سے مائل ہوتا ہے اور رقص و سرور اور لہو و لعب سے تو بہت جلد مسحور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مقامی لوگ بھی اور باہر سے حج کے لئے آنے والے زائرین بھی ان سنٹروں اور رقص و سرور کی محفلوں کی طرف راغب ہوتے گئے اور نیتجتاً تیرہ سال تک اسلام کے مشن کے بار آور ہونے کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ آقائے دو جہاں ﷺ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور ہونا پڑا۔

کچھ عرصہ بعد غزوہء بدر میں نضر بن حارث کئی اور کفار مکہ کے ساتھ گرفتار ہوا۔ اس عہد کے رواج کے خلاف سرکار مدینہ ﷺ نے اسیران جنگ کے ساتھ نیک سلوک کیا۔ ان میں سے اکثر کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ بعض کو محض آئندہ جنگ نہ کرنے کے وعدے پر اور باقی ماندہ کو مسلمان بچوں کی تعلیم کے معاوضے میں رہا فرمادیا.......... لیکن نضر بن حارث کو معاف نہیں فرمایا اور اس کو موت کی سزا دی۔ وجہ صاف ظاہر ہے۔ نضر بن حارث ہی کا "فن" بڑی بڑی امتوں کی گمراہی اور تباہی کا موجب ہوتا ہے۔

نضر بن حارث کے بعد اس کی روحانی اولاد مناسب ماحول میں وقتاً فوقتاً پھولتی اور پھلتی رہی ہے اور عصر حاضر میں جب کہ شیطان آزاد ہے۔ بظاہر فتح یاب نظر آتی ہے!

اہر من ارزاں ویزداں دیر یاب انقلاب !

انقلاب! اے انقلاب!! [1]

---

[1] زبور عجم ص ۱۳۵

ڈرامہ اور نقالی

عصر حاضر میں ڈرامہ اور نقالی کو فن اور فنکاری میں اعلیٰ ترین جگہ دی جا رہی ہے اور نقالوں کو سوسائٹی کے معزز ترین طبقے میں شمار کیا جا رہا ہے۔ نیز وہی فنکار کامیاب سمجھا جاتا ہے جو اپنے رول کو اپنے ذہن و فکر پر حاوی کر دے مثلاً اگر کوئی خاتون کسی کی محبوبہ یا بیوی کا کردار ادا کر رہی ہو تو وہ ایسی ہی صورت میں کامیاب اداکارہ تصور کی جائے گی جب کہ وہ خود کو سچ مچ کی محبوبہ یا بیوی سمجھے اور اس کردار کو اپنی نفسیاتی کیفیات میں حل کر لے اور یقین کر لے کہ واقعی وہ کسی کی محبوبہ یا بیوی ہے۔ اور اپنے اسی شوہر سے بچے جن رہی ہے .... بلاشبہ اسلام کی روح اس صورت حال کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ جہاں اسلام میں مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کی تاکید ہے وہاں ان تماشوں کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ مردوں کے لئے حکم ہے کہ :-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

(النور : 30)

"اے نبی (ﷺ)! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں"۔

اور عورتوں کیلئے حکم ہے کہ :

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ

(النور : 31)

"اور اے نبی (ﷺ)! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں"۔

آپ جانتے ہیں کہ انسانی زندگی میں اصل کردار ذہن، فکر اور شعور کا ہوتا ہے اور وہی سزا اور جزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضرت اقبالؒ ڈرامہ کو کاروبار لات و منات سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ :-

حریم تیرا خودی غیر کی معاذ اللہ
دوبارہ زندہ نہ کر کاروبار لات و منات
یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے

رہا نہ تو، تو نہ سوز خودی نہ ساز حیات [1]

اور سینمااورادا کاری کے متعلق فرماتے ہیں کہ :-

وہی بت فروشی وہی بت گری ہے
سینما ہے یا صنعت آذری ہے
وہ مذہب تھا اقوام عہد کہن کا
یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے
وہ دنیا کی مٹی، یہ دوزخ کی مٹی
وہ بت خانہ خاکی، یہ خاکستری ہے [2]

مارماڈیوک محمد پکھتال انگلستان کے ایک خوشحال عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ڈرامہ انگریزوں کی ثقافت کا بنیادی عنصر ہے اور ہر بچے کی گھٹی ہی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پکھتال اسی ماحول میں پلے اور بڑے ہوئے۔ بعد میں قرآن اور اسلام کا مطالعہ کیا اور مسلمان ہوگئے۔ قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا جو مستند سمجھا جاتا ہے ....اپنے ماحول اور پس منظر کے باوجود اپنی کتاب "اسلام کا ثقافتی پہلو" میں ڈرامہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

> "اسلامی کلچر میں ڈرامہ کو مسترد کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بات مسلمان کے شایان شان نہیں ہے کہ کسی اور لباس میں ملبوس ہو اور منافقانہ طور پر کسی اور شخص کا روپ دھارے۔ مسلمان عورت کے بارے میں تو یہ بات قطعی طور پر اس کی عزت اور عصمت کے خلاف ہے" [3]

قدروں کا تحفظ

فنون لطیفہ کے تعلق سے اسلام نے واضح قدریں انسان کے سامنے رکھ دی ہیں۔ ان قدروں کی حفاظت اسلامی معاشرہ کے ہر فرد اور ہر ادارہ کی مقدس ذمہ داری ہے۔ موسیقی اور نے نوازی میں بھی یہی روح کار فرما ہونی چاہیے۔ ہمارے نزدیک نے نوازی ہو تو

---

[1] ضرب کلیم ص ۱۰۴ [2] بال جبرائیل ص ۲۱۰

[3] Muhammad Pekthal. Cultural Side of Islam.

ایسی کہ حیات اور ماخذ حیات کا پیغام دے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
از جدائی ہا شکایت می کند [1]

اور اس کا سرور ہو تو ایسا کہ رموز حیات نے نواز کے دل سے نکل کر انسان کے دل میں اتر جائیں۔

آیا کہاں سے نالہ نے میں سرور مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوب نے
جس روز دل کی رمز مغنی سمجھ گیا
سمجھو تمام مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے! [2]

اور نغمہ ہو تو پروردۂ جنون ہو، ایک آگ ہو جو خون دل میں حل کر دی گئی ہو............!

نغمہ می باید جنوں پروردۂ
آتشے در خونِ دل حل کردۂ ! [3]

مسلمانوں کی علمی خدمات

ہماری علمی خدمات کے تین پہلو بہت اہم ہیں۔ اول یہ کہ حصول علم کے مسئلے میں انسانی فطرت کو ملحوظ رکھا گیا۔ دوسرے حصول علم کے لئے بے شمار محرکات فراہم کئے گئے۔ اور تیسرے علم کو رخ دیا گیا اور اس کے مقاصد کو متعین کیا گیا۔

آپ جانتے ہیں کہ انسان کی فطرت میں تجسس کو بھر دیا گیا ہے۔ علم کی پیاس اس کی تخلیق کا جزو ہے۔ انسان اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالتا ہے۔ چمکتے سورج، درخشاں تاروں، نیلگوں آسمانوں پر غور کرتا ہے۔ دامن کہسار میں جھومتی ہوئی مست گھٹاؤں کو دیکھتا ہے، سبزہ و گل کی رعنائیوں سے متاثرہ ہوتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے؟
(غالب)

---

[1] مثنوی مولانا روم ص دفتر اول   [2] ضرب کلیم ص ۱۱۳   [3] زبور عجم ص ۲۵۳

پھر کائنات کے مظاہر، ثریا کی بلندی، کہکشاں کی خوبصورتی علم کی پیاس میں شدت پیدا کرتی ہے اور گلہائے رنگ رنگ میں، پھولوں کی نازک پنکھڑیوں میں، ان کے کانٹوں کی چبھن میں، مرغان چمن کی ہنگامہ آرائیوں میں انسان حقیقت کی تلاش میں محو ہو جاتا ہے۔

گل گفت کہ ہنگامہء مرغان چمن چیست؟
ایں انجمن آراستہ بالائے شجر چیست؟
ایں زیر و زبر چیست؟
پایان نظر چیست؟
خار گل تر چیست؟ [1]

اور یہی تجسس کبھی اسے چاند اور مریخ کی تسخیر پر آمادہ کرتا ہے اور کبھی اسی کی بدولت وہ ہر پردے اور ہر حجاب سے گزر جاتا ہے!

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ (القیامہ : 23:22)

"اور بہت سے چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے"

اسلام نے نہ صرف انسانی فطرت کے اس بنیادی تقاضے کو تسلیم کیا ہے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے اور جیسا کہ پچھلے صفحات میں عرض کیا گیا اپنے مشن کا آغاز ہی علم اور تعلیم کے حصول کی دعوت سے کیا۔ دراصل اسلام نے انسانی عظمت اور شرف کی بنیاد ہی حقیقت اشیاء کے علم کو قرار دیا ہے اور اس مشن کی تکمیل کو محض اختیاری نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ لازمی کر دیا تاکہ انسان دشمن عناصر اللہ کی اس نعمت پر اجارہ داری قائم کر کے عام انسانوں کو اس سے محروم نہ کر سکیں۔ چنانچہ سرور کونین ﷺ نے فرمایا کہ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے اور خود آپ ﷺ کی ساری زندگی اسی سے تعبیر ہے۔ آپ ﷺ تمام عمر علم کی روشنی پھیلانے والوں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے، یہاں تک کہ کٹر دشمنوں کو بھی جو جنگوں میں قیدی بن کر آتے تھے، اس شرط پر رہا فرما دیتے تھے کہ وہ مسلمان بچوں کو پڑھاتے رہیں گے۔

اسلام نے حصول علم کے لئے بڑے محرکات بھی فراہم کئے ہیں۔ اس سلسلے میں

---

[1] پیام مشرق ص ۱۳۹

فرمایا گیا کہ انسان کو زمین پر اللہ کا خلیفہ بنایا گیا۔ انسان اس زمین پر اللہ کا نائب اور وائسرائے ہے تو زمین کی ساری ذمہ داریاں بھی اسے قبول کرنی ہوں گی۔ اس زمین کے خزانوں کا بھی پتہ چلانا ہو گا۔ ان کو باہر نکال کر استعمال بھی کرنا ہو گا۔ علم و ہنر میں تحقیق بھی کرنی ہو گی۔ ہواؤں میں اڑنا، دریاؤں کو مغلوب کرنا ہو گا۔ فضاؤں اور خلاؤں کو مسخر کرنا ہو گا۔ چاند اور ستاروں پر پرچم لہرانا ہو گا پھر اس زمین پر نظام حکومت، نظام عدل، نظام معیشت و معاشرت بھی قائم کرنا ہو گا اور دوسری طرف اللہ کے مزاج کو بھی سمجھنا ہو گا۔ اس کی عظمت و رفعت، جلال و جمال اور نظام کائنات کو بھی سمجھنا اللہ کے خلیفہ کے لئے لازم ہو گا کیونکہ اس کے بغیر منصب خلافت کی انجام دہی ممکن نہیں ہے۔ اس غرض کے لئے علم کا حاصل کرنا لازم ہو گا۔

لیکن اسلام سے پہلے انسان حقیقی علم سے محروم تھا جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا تھا۔ اسلام نے اس ظلمت کدہ سے اسے نجات دلائی اور حقیقی علم سے روشناس کیا۔ اسی علم کی اشاعت کے لئے مسلمان دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے اور وسوسوں اور توہمات سے اولاد آدم کو باہر نکالا اور تسخیر فطرت کی راہ پر، جستجو اور تلاش کے راستے پر اسے ڈال دیا اور واضح کیا کہ

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل او در آرزو پوشیدہ است![1]

مسلمان سات سو سال تک دنیا کو علوم و فنون دیتے رہے۔ ہم نے دنیا کو طبری، ابن الاثیر اور ابن خلدون جیسے مورخ دیئے، الخوارزمی، الکندی، موسیٰ بن شاکر، ابو موسیٰ جابر اور الکوہی جیسے سائنسدان، ابن سینا اور الفارابی جیسے فلسفی، ابونواس، ابو تمام فردوسی، سنائی، حافظ و سعدی جیسے شاعر، ام العلی، امتہ العزیز جیسی شاعرات، مدینہ، بغداد، دمشق نیشاپور یروشلم، قاہرہ، اندلس، قرطبہ اور غرناطہ کے دار العلوم دیئے، دنیا میں ام الکتاب کو پھیلایا۔ مدینتہ العلم ﷺ سے ایک عالم کو روشناس کرایا۔ علم کا شہر دیا۔ اس شہر کا دروازہ دیا اور اس باب العلم کو سارے انسانوں کے لئے کھول دیا! اور ہم نے مظہر کمالات رسول ﷺ یعنی حضرت صدیق اکبرؓ سے اور سیدنا فاروق اعظمؓ سے دنیا کو متعارف کرایا.........!

---

[1] اقبالؒ

مظہر کمالات رسول ﷺ [1]

سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی علمی خدمات بیش بہا ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کے منتشر اوراق کو بشکل کتاب یکجا کیا اور اس کا نام "مصحف" رکھا۔ یہ آپ کی سب سے بڑی علمی خدمت ہے۔ آپ نے معانی کلام کی مشکلات کو بھی حل کیا۔ حدیث کی روایت کی۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ معتبر روایات آپ ہی سے منسوب ہیں۔ بنیادی مسائل میں آپ کی روایتیں سند ہیں۔ فقہ میں آپ نے قاعدہء اجتہاد مقرر کیا اور تمام مجتہدین کے لئے دستور العمل وضع کیا اور بڑے مشکل مسائل فقہ کو حل کیا۔ تصوف میں بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ طریقۂ نقشبندیہ کا سلسلہ بھی آپ ہی سے شروع ہوا۔ آپ کی نسبت نسبت ابراہیمی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "جو کچھ اللہ نے میرے سینے میں ڈالا میں نے ابو بکر کے سینے میں ڈال دیا" یعنی آپ کے قلب پر شعاع غیبی کا ظہور لطیفہ قلبیہ سے ہوتا تھا اور آپ پر حقیقت حال بصورت عزیمت ظاہر ہوتی تھی نہ کہ بہ رنگ تخیل افشا ہوتی تھی۔

سیدنا فاروق اعظمؓ [2]

حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت مکہ میں صرف سترہ آدمی پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ ان میں سیدنا عمر فاروقؓ بھی شامل تھے۔ آپ عبرانی زبان سے بھی واقف تھے۔ آپ کے خطبات، تحریر و تقریر کی قوت اور بے پناہ برجستگی کے بے مثال نمونے ہیں۔ فصاحت اور بلاغت میں آپ یکتا تھے۔ آپ کے کئی مقولے ضرب المثل بن گئے ہیں، آپ کے کئی مشورے مذہبی احکام کا درجہ رکھتے ہیں۔ اذان کا طریقہ آپ ہی نے تجویز کیا تھا۔ اسیران بدر کے بارے میں آپ کی رائے کی تائید وحی الٰہی سے ہوئی۔ ازواج مطہرات کے پردے کے متعلق آپ نے نزول وحی سے پہلے ہی رائے قائم فرمائی تھی۔

آپ کی طبیعت نکتہ رس تھی۔ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں تقرب کی بدولت شریعت کی روح سے آپ آشنا ہو گئے تھے۔ اور اسی سبب سے اجتہاد اور استنباط میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے۔ ہر معاملہ میں قرآن مجید سے استدلال کرتے تھے۔ فقہ کا سلسلہ بھی

1۔ سیر صحابہؓ (مولانا شاہ معین الدین۔ مولانا عبدالشکور)

2۔ علامہ شبلی نعمانی، الفاروق ص ۴۹۱، ۵۰۵ اسوہ صحابہؓ (عبدالسلام ندوی)

آپ نے شروع کیا تھا۔ بے شمار فقہی مسائل آپ سے منسوب ہیں۔

علیؑ......... باب العلم

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ :-

أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

"میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں" [1]

حضور رسالت مآب ﷺ علم کا شہر ہیں تو اس شہر میں طور کے انوار کا منظر ہے۔ فرش فرش زمرد ہے۔ شہر کی روشنیاں ابدی ہیں۔ اس شہر کے گلستانوں میں دائمی کلیاں چٹکتی ہیں، لازوال پھول مہکتے ہیں۔ ہر پھول یاقوت کا ترشہ ہوا پیکر ہے۔ ہر قطرہء شبنم چمکتا ہوا استارہ ہے۔ روح کے لافانی نغمے فضاؤں میں کیف و مستی بکھیرتے چلے جاتے ہیں!

اور اس شہر کے لئے دروازے کی ضرورت بھی فطری ہے اور آپ جانتے ہیں کہ دروازہ شہر سے پیوست ہوتا ہے۔ اس کا اپنا جزو ہوتا ہے اپنا حصہ، اپنا جسم ہوتا ہے اور شہر کے شایان شان ہوتا ہے، شہر کا پورا تاثر دیتا ہے۔ شہر کی حفاظت کرتا ہے اور شہر کو اس پر پورا اعتماد ہوتا ہے!......... لہٰذا مدینۃ العلم کے لئے دروازے کی تشکیل بھی مدینۃ العلم ہی کے انداز کی ہونی چاہئے۔ اس دروازے سے پیغمبرانہ بصیرت کا انعکاس ہونا چاہئے۔ اس کو مظہر نگہت رسول ﷺ ہونا چاہئے۔ رسالت کی عظمتوں کا آئینہ دار ہونا چاہئے۔ روح کے نغموں کو ہر داخل ہونے والے کے استقبال کے لئے وہاں موجود ہونا چاہئے!

اس لئے اس باب کی تشکیل یعنی علیؑ کی سیرت اور شخصیت کی تعمیر قضا و قدر نے خود رسالت مآب ﷺ کے سپرد کر رکھی تھی تاکہ کوئی نقص نہ رہے، عمارت تا قیامت پائیدار رہے!

اس باب العلم کے میناروں کو عرش خدا تک پہنچنا تھا۔ اس لئے اسی نسبت سے فرش پر اس کی بنیادیں خانہ خدا میں رکھ دی گئیں اور بروز جمعہ 13 رجب 23 قبل ہجری کو خانہ کعبہ میں حضرت علیؑ کی ولادت ہوئی۔ اس کی تعمیر کے آخری مراحل بھی خانہء خدا ہی میں طے ہوئے۔ خانہ خدا ہی میں خون سے اس کی تکمیل ہوئی۔ جب کہ کوفہ کی ایک مسجد میں

---

[1] ترمذی میں اس کو "انا دار الحکمۃ" لکھا گیا ہے۔ مطلب دونوں کا ایک ہے۔

وشنبہ، 21 رمضان، 40ھ کو آپ شہید کر دیئے گئے اور مدینتہ العلم کا یہ عظیم باب زندۂ جاوید ہو گیا!!

علم کے شہر کا یہ دروازہ واقعی شہر سے پیوست ہے۔ اس کے جسم کا حصہ ہے۔ اس کے شفیق چچا کا بیٹا ہے ....! حضرت علیؓ پیدا ہوتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ فرط مسرت سے جھوم جاتے ہیں۔ خانہ کعبہ میں داخل ہوتے ہیں۔ نو مولود کو چومتے ہیں، سینے سے لگاتے ہیں اور چند ہی سالوں بعد ننھے علی کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیتے ہیں۔ پھر ان کی شخصیت اور ان کی سیرت کی تشکیل کا مرحلہ شروع ہوتا ہے، باب العلم کی تعمیر کا آغاز ہوتا ہے۔ دس گیارہ سال کی عمر ہی میں علیؓ توحید کا پیغام سنتے ہیں اور اسلام قبول کر لیتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ سے وفا کا اعلان کرتے ہیں .... اور زندگی بھر اپنے قول کو نبھاتے ہیں۔ سرور عالم ﷺ کی تمام زندگی میں علیؓ آپ ﷺ کے ساتھ رہتے ہیں۔ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، مسجد میں، میدان جنگ میں، گھر میں، محفل میں، ہر دم ساتھ رہتے ہیں۔ شانہ بشانہ چلتے ہیں اور ایسی تربیت پاتے ہیں کہ تمام علوم جو بارگاہ ایزدی سے رسالت مآب ﷺ تک پہنچتے ہیں علیؓ کے سینے میں محفوظ ہو جاتے ہیں! علیؓ آپ ﷺ کے سایہ عاطفت میں رہتے ہیں، پیغمبرانہ علم سے بھرپور فیض پاتے ہیں، آفتاب رسالت سے کسب نور کرتے ہیں۔ زبان نبوت سے قرآن کی ہر آیت کو سنتے ہیں اور حفظ کرتے ہیں اور اس کے معانی اور روح کو سمجھتے ہیں اور ارشاد نبوی ﷺ ہوتا ہے کہ "اے علیؓ! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اپنے سے قریب رکھوں اور تمہیں علوم سکھاؤں تاکہ تم یاد رکھو!"

علیؓ جوان ہوتے ہیں تو علم و فضل اور اصابت رائے کی بدولت آقائے نامدار ﷺ کے سیکرٹری اور کاتب وحی کا اعزاز حاصل کرتے ہیں اور قرآن ان کی پاکیزگی کی ضمانت دیتا ہے کہ :-

"اے پیغمبر کے اہل بیت! خدا تو یہی چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے۔ اور جو پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا ہی پاکیزہ رکھے"۔

لہٰذا علیؓ کے خون کا ہر قطرہ اطہر ہے، ذہن کا ہر گوشہ منور ہے اور فکر کا ہر زاویہ قرآن کا مظہر ہے۔

زندگی کے دن گزرتے چلے جاتے ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ جس رات ہجرت فرماتے ہیں علیؓ آپ ﷺ کے بستر پر ان کے بدل کی حیثیت سے لیٹ جاتے ہیں اور مدینہ پہنچنے کے بعد دامادی کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ پھر غزوات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور علیؓ ہر جنگ میں، بدر اور مکہ کی ظفر مندیوں میں، احد اور حنین کی ہزیمتوں میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ علم لشکر اٹھائے ہوئے سپر بنے رہتے ہیں! اور رسالت ﷺ پناہ دنیا پر واضح کر دیتے ہیں کہ :-

"علی مجھ سے ہے میں علی سے ہوں۔ علی کا دوست میرا دوست اور علی کا دشمن میرا دشمن ہے"

اور

"علی میرے لئے ایسا ہے جیسے میرا سر میرے بدن کے لئے ہے"۔

"علی میرے رازوں کا خزینہ دار ہے۔ میری امت میں علی کا علم سب سے زیادہ ہے"۔

اور سرور کائنات ﷺ پھر اس باب العلم کی بقا اور پائیداری کے لئے دعا مانگتے ہیں کہ

"اے خدا! علی کے سینے کو علم و فہم اور حکمت و نور سے بھر دے!"

دل سے دعا نکلتی ہے اور کنگرۂ عرش پر نقش ہو جاتی ہے اور اس طرح، اس انداز سے باب العلم کی تعمیر عمل میں آتی ہے۔ اس کی ہر اینٹ کا ہر ذرہ دین کی ماہیت کے شعور سے بنتا ہے ہر ذرہ نبی اکرم ﷺ کے بخشے ہوئے تمام علوم پر محیط ہوتا ہے اور ہر اینٹ نبوت کی آزمائش کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتی ہے اور اس تعمیر میں اللہ کی مشیت، علی کا پسینہ، فاطمہ کے آنسو اور محمد ﷺ کی آہ سحر گاہی شامل ہوتی ہے............!

دانندۂ حکمت و کتاب است علیؓ
پیغمبر ﷺ شہر علم و باب است علیؓ
اے خاک! بانتساب فرزندیٔ ناز
در موجودات بوتراب است علیؓ

ہم ذرا یہ بھی دیکھتے چلتے ہیں کہ اس باب العلم کی فضیلت اور خصوصیت کیا ہے۔ جیسا اوپر عرض کیا گیا ہے کسی گھر یا شہر کا دروازہ گھر یا شہر کا محافظ ہوتا ہے اس کی فضیلت اور صفت ہوتا ہے........ مدینتہ العلم ﷺ کے اس "باب" نے بھی یہ حق پوری طرح ادا کیا ہے۔

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے بعد جب لوگوں کی قدریں منقلب ہونے لگیں۔ دولت کی کثرت نے عیاشی اور تن آسانی کو جنم دیا اور مفاد پرست ملوکیت کی طرف مائل ہونے لگے تو اسلامی تعلیمات کی روح بھی متاثر ہونے لگی اور قرآن وسنت کی تاویلات مفادات کے تحفظ کے لئے کی جانے لگیں۔ مذاہب کی تاریخ میں یہ بڑا نازک مرحلہ ہوتا ہے۔ جس میں مذہب کی شکل، صورت اور روح کو مسخ کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور مذہب ساکت جامد اور بے جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن علیؓ قلندرانہ جلال کے ساتھ کھڑے ہوئے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات کی حفاظت کی۔ ان کی روح کو تحفظ دیا اور اپنی سیرت و کردار کے نمونے پیش کر کے لوگوں کو اندھیرے سے اجالے کی طرف لے آئے۔

علم کے اس "باب" کی عظمت اس کی جامعیت بھی ہے۔ اس کی کئی منزلیں، کئی مرحلے، کئی محراب ہیں۔ ہر منزل سہانی، ہر مرحلہ پر شکوہ، ہر محراب منقش ہے۔ علم سے لبریز، بصیرت سے روشن اور روح کے سکون کا آئینہ دار ہے۔ دانش کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں، علم کا نور موج در موج فضائے بسیط میں پھیلتا جا رہا ہے!۔

سیدنا حضرت علیؓ جامع الصفات ہیں۔ ان کا علم ہمہ گیر ہے وہ علم التفسیر کے بانی ہیں۔ علم السنہ کی بنیاد انہوں نے رکھی ہے اور پانچ سو چھیالیس احادیث نبوی ﷺ کے راوی ہیں جن کو انہوں نے الصحیفہ کے نام سے مرتب کیا ہے۔ فقہ اور اجتہاد پر وہ سند ہیں۔ مشکل سے مشکل قانونی مسائل کو ایک لمحہ کے اندر کمپیوٹر کی طرح حل کئے دیتے ہیں۔ وراثت، دیوانی اور فوجداری مقدمات کے فیصلے ایسی خوش اسلوبی سے کرتے ہیں کہ دنیا دنگ رہ جاتی ہے۔ عربی زبان کے علم نحو کی بنیاد انہوں نے رکھی ہے۔ خطاطی میں ان کو بڑا دخل ہے۔ عربی رسم الخط میں اعراب اور زیر وزبر کا اضافہ پہلی مرتبہ انہوں نے کیا ہے۔ ریاضی کے وہ ماہر ہیں۔ سائنس پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ زمین، آسمان، پہاڑ، پانی اور ہوا اور بجلی کی ماہیت کو بھی سمجھتے ہیں۔

آقائے دوجہاں علیہ السلام کے زمانہ میں یمن کے قاضی رہے ہیں اور تینوں خلفائے راشدین کے عہد میں ان کا مقام چیف جسٹس کا ہے۔ سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ اور سیدنا حضرت عثمانؓ ہر مشکل مرحلے میں انہی سے رجوع کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ بھی ان ہی کے نظائر سے استفادہ کرتے ہیں اور جب آپ شہید ہوتے ہیں تو حضرت معاویہؓ کہہ اٹھتے ہیں کہ :-

"آج علیؓ ہی دنیا سے نہیں اٹھے بلکہ علم اور فقہ بھی اٹھ گئے"۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم الکلام پر بھی سند ہیں۔ مسائل توحید و رسالت علیہ السلام نصفت اور عدل پر آپ کی توضیحات سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تصوف کے آپ بانی اور امام ہیں۔ تاریخ کے آپ فلسفی اور مفکر ہیں۔ قضاو قدر پر آپ کی تشریحات آپ کے ماہرانہ طرز استدلال کی روشن مثال ہیں۔

آپ ادب اور شاعری میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ بے مثال مقرر ہیں۔ تخیل کی وسعت، اظہار کی تاثیر حیرت انگیز ہے۔ شاعری میں نئے پاکیزہ مکتب خیال کی بنیاد رکھی ہے اور عوام کے ذوق کی تطہیر کر کے انسانیت اور اخلاقی قدروں کو اجاگر کیا ہے۔ آپ کے بے شمار خطوط جو بحیثیت خلیفہ آپ نے لکھے ہیں علم اور دانش کے بیش بہا خزانے ہیں۔ آپ کی کتاب نہج البلاغہ آپ کی شخصیت، علمیت، حکمت، فصاحت اور بلاغت کا حسین مرقع ہے۔ اس میں نفسیات، سیاست، معیشت، حق و صداقت، عدل اور انصاف، آزادی اور رواداری پر معجز نما خطبات شامل ہیں۔ فن جنگ کا علم تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فطری اور وجدانی علم ہے۔ غرض یہ کہ آپ علوم ظاہری اور باطنی کے زندہ انسائیکلوپیڈیا ہیں اور اس لحاظ سے آپ کی فضیلت ہی یہی ہے کہ آپ مسلمانوں کے معلم اول ہیں، تمام فرقوں کے افکار عالیہ کا سرچشمہ اور ان کی عقیدت و محبت کا محور ہیں! خاک نجف سب کی آنکھ کا سرمہ ہے، اہل دل کا ملجاو ماوی ہے!

اس باب العلم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مشیت ایزدی نے اس میں ساری نوع انسانی کے لئے بے پناہ کشش رکھ دی ہے۔ اس میں داخل ہوتے ہی مدینۃ العلم علیہ السلام کی عظمتیں سامنے آجاتی ہیں جلال و جمال بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ علم کی روشنیوں کے رنگین

برقی قمقمے تاحد نظر پھیل جاتے ہیں۔ یہ دلفریب کیفیت آپ کے فقر، علم اور عمل کے متزاج سے پیدا ہوتی ہے۔ آپ کی شجاعت، سخاوت، مروت، محبت، ذہانت اور مزاج کی شگفتگی کے کیمیائی عمل سے ایک سحر آفریں نغمہ پھوٹتا ہے۔ جس سے مسحور ہو کر نوع انسانی کے قافلے گریباں چاک کر کے خاک نجف کی طرف دیوانہ وار رواں ہو جاتے ہیں! صدیاں گزر جاتی ہیں، لیکن یہ قافلے موج در موج امڈتے ہی چلے جاتے ہیں!

مسلم اول شہ مرداں علیؓ
عشق را سرمایہء ایماں علیؓ
ذات او دروازہء شہر علوم
زیر فرمانش حجاز و چین وروم![1]

---

[1] اسرار ورموز ص ۵۲

حصہ پنجم

مقام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر!
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طاہا!

(اقبالؒ)

ایک وضاحت

کچھ احباب نے پوچھا کہ کتاب کے اس حصے کا کتاب کے موضوع سے کیا تعلق ہے؟............ میں نے عرض کیا کہ وہی تعلق ہے جو برقی توانائی کا کسی بلب سے، کسی الیکٹرک موٹر سے، کسی کمپیوٹر سے ہو سکتا ہے! برقی آلات کا سارا میکانزم برقی رو کی عدم موجودگی میں جامد ہو جاتا ہے .... بالکل اسی طرح مقام محمد عربی ﷺ کے عرفان کی حرارت کے بغیر سارا اسلامی نظام ساکت اور غیر متحرک ہو جاتا ہے............!!

پچھلے صفحات میں اس میکانزم کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو خوف، بھوک اور جہالت کے سدباب کے لئے اسلام نے تجویز کیا ہے۔ اس میکانزم کے لئے قوت محرکہ رسول اکرم ﷺ سے والہانہ وابستگی اور سچا عشق ہے!!

به مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر به او نہ رسیدی تمام بولہبی است!

مقام محمد عربیؐ

قرآن حکیم کے چند اصول اور سید المرسلین ﷺ کی چند حکمتیں جو پچھلے صفحات میں بیان ہوئی ہیں، ان پر خلوص دل سے عمل کئے بغیر نہ کوئی فرد کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ کوئی بین الاقوامی ادارہ سرخرو ہو سکتا ہے، نہ امن عالم کے خواب کی تعبیر ممکن ہے اور نہ انسانیت اطمینان کا سانس لے سکتی ہے۔ اس اہم ترین مشن کی تکمیل کا ایک ہی وسیلہ ہے اور وہ وسیلہ سید الثقلین ﷺ کی ذات اقدس سے والہانہ وابستگی ہے۔ آپ ﷺ کے مقام عالیہ کا اعتراف، آپ ﷺ کی عظمت کا گہرا احساس، آپ ﷺ کا ادب اور اتباع، آپ ﷺ کے فضائل کی معرفت، شمائل اور خصائل کا علم .... یہ عناصر آپ ﷺ کی ذات مطہر و منور سے عشق کی تعمیر کرتے ہیں اور عشق جب لا الہ کی وجدانی کیفیت میں داخل ہوتا ہے تو ایک ایسی بصیرت کی تخلیق کرتا ہے جو رموز کائنات کی عقدہ کشائی کرتی ہے، انسان کے مسائل کو سلجھاتی ہے، بھوک اور جہالت سے نجات دلاتی ہے اور خوف و غم کو تحلیل کر دیتی ہے!

فی الحقیقت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات اقدس کو ملت اسلامیہ کے لئے مرکز وفاداری قرار دیا گیا ہے جو بلاشبہ آپ ﷺ کی رسالت اور کائنات پر خدا کی حاکمیت کی مظہر اور خدا پرست معاشرے کی تعمیر کا ایک ہی وسیلہ ہے۔ آپ ﷺ ہمارے ہادی و رہنما ہیں۔ آپ ﷺ کا عمل اسوۂ حسنہ ہے۔ اللہ کا حکم ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ دیں وہ لے لو، جہاں آپ ﷺ روکیں، وہیں رک جاؤ۔ اس طرح جس نے آپ ﷺ کی پیروی میں بخل کیا، اس نے خدا سے بغاوت کی۔ آپ ﷺ کے فیصلے واجب التعمیل ہیں، جس نے ان کو قبول نہیں کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوا۔ اس کی نمازیں، اس کی عبادتیں اکارت گئیں۔ کیونکہ خدا کو ماننے کا اقرار لا حاصل، اگر محمد ﷺ کو اس کا رسول ماننے میں پس و پیش کیا۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب!

ضرورت اس بات کی ہے کہ عشق رسول ﷺ کو پھر سے تازہ کیا جائے عصر حاضر کی اندھیری راہوں پر یہی عشق ہماری رہبری کر سکتا ہے اور نوع انسانی کی پیچ در پیچ مشکلات کو

حل کر سکتا ہے اسی نقطہ نظر سے اگلے صفحات میں نور الہدیٰ ﷺ کی ذات اقدس کے چند پہلوؤں پر سرسری نظر ڈالنے کی سعی کی گئی ہے۔

عظمت

قدرت نے تخلیق انواع کے لئے ایک معیار مقرر کر دیا ہے۔ مخلوق کی ہر نوع کا ایک درجہء کمال ہے جس سے آگے اس کا ارتقا ممکن نہیں ہے۔ حیوانات، نباتات اور جمادات بھی اسی اصول کے پابند ہیں۔ اس درجہء کمال کو مقصود فطرت کہا جاتا ہے۔ اس مقصود فطرت کو نوع انسانی میں تلاش کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ ماقبل اور مابعد تاریخ میں ارتقائے دماغی کی اعلیٰ ترین سطح سرور کونین ﷺ کی ذات قدسی صفات ہے! جتنے بھی بڑے بڑے انسان اس دنیا میں پیدا ہوئے ہیں آپ ﷺ کی شخصیت کی محمل کی گرد میں بہت پیچھے دھندلائے ہوئے نظر آتے ہیں۔

بحیثیت بشر آپ ﷺ احمد ﷺ اور محمد ﷺ ہیں یعنی آپ ﷺ نے پروردگار عالم کی سب سے زیادہ تعریف کی ہے اور اس کے بعد اس کائنات میں سب سے بہتر اعلیٰ اور ارفع آپ ﷺ ہی ہیں اور سب سے زیادہ تعریف آپ ﷺ ہی کی گئی ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

"محمد ﷺ" یعنی اس کا جز جز قابل تعریف ہے۔ تاریخ عرب میں اس نام کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ اتفاقی طور پر اس نام کا عبدالمطلب کے ذہن میں آنا منشائے خداوندی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

رفعت

ایک طرف آپ ﷺ آقائے دوجہاں ہیں تو دوسری طرف بوریہ نشین مسکین ہیں، ایک طرف سپہ سالار ہیں تو دوسری طرف داعی امن و سکون ہیں، قانون ساز ہیں، ذہن اور روح کے طبیب ہیں، رازدان رموز کائنات ہیں اور انسانی مسائل کے حل کا نسخہ کیمیار کھتے ہیں۔

ایسا انسان صفحہ ہستی پر آج تک پیدا نہیں ہوا!!!

آپ ﷺ تشریف لائے۔ اپنا فرض رسالت ادا کیا۔ عام لوگوں میں پیدا ہوئے۔

آپ ﷺ کی ساری زندگی سب کے سامنے ہے۔ آپ ﷺ کی ہر حرکت لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ ہر شخص آپ ﷺ کی بے داغ زندگی کا شاہد ہے اور ہر ایک نے آپ ﷺ کی ایک ایک بات کی صداقت کو آزمایا ہے۔ پھر آپ ﷺ میں وہ خوبیاں موجود ہیں جو منصب رسالت کی انجام دہی کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہیں۔ آپ ﷺ سر تاپا شفقت و رحمت ہیں "رؤف ورحیم" اللہ تبارک تعالیٰ کی صفت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ صفت آپ ﷺ کو بھی عطا کی ہے قرآن مجید اس پر گواہ ہے کہ آپ ﷺ مومنوں کے لئے رؤف ورحیم ہیں۔

اسی شفقت و رحمت کی بدولت آپ ﷺ نے دنیا میں ایک عظیم انقلاب بپا کیا۔ دنیا کے اندر تبدیلی پیدا کرنا کچھ آسان نہیں ہے ایک چھوٹے سے مکان میں تبدیلی کے لئے کیا کیا سامان کرنے پڑتے ہیں تو پھر ان لوگوں کا مشن کس قدر عظیم اور مشکل ہوتا ہے جو انسان کی آبادیوں کو نہیں بلکہ ان کے اعمال واطوار کو بدلنا چاہتے ہیں۔ انسان اپنے نفس کے مطالبات اور اپنی خواہشات کے خلاف ذرا سی بھی تبدیلی گوارا نہیں کرتا حالانکہ ان پر وہ پوری طرح قادر ہوتا ہے تو ان کروڑوں دلوں کو بدلنا کس قدر مشکل ہے جن کے اعتقادات صدیوں کے پرورش یافتہ ہوں اور جن کے اعمال پر توہمات کا تسلط قائم ہو؟ پس یہ کام صرف خدائے ذوالجلال ہی کا ہو سکتا ہے کہ اس نے ایک یتیم، معصوم، بے سہارا، ایک سادہ امی کو صدیوں کے جہل و سرکشی پر فتح مندی عطا فرمائی۔ یہ قدرت کا عظیم ترین معجزہ ہے کہ اس سادہ و مسکین کے نام لیوا دنیا کے طول و عرض میں موجود ہیں!

آپ ﷺ کی زندگی کا ہر لمحہ تاریخ ساز ہے۔ آپ ﷺ انسانیت کی لاج ہیں، آدمیت کی پہچان ہیں، ایمان کی جان ہیں، باعث تخلیق کائنات ہیں، رحمت کی سراپا شان ہیں۔ آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت آپ ﷺ کی بات اللہ کی بات، آپ ﷺ کی ذات سید کائنات، آپ ﷺ کی شخصیت خلاصہء موجودات ہے۔ آپ ﷺ سرور بنی آدم ہیں، روح روان عالم ہیں۔ آپ ﷺ جامع الکمالات ہیں۔ افضل صلوٰت ہیں۔ مظہر الوہی صفات ہیں!...... آپ ﷺ کا عزم پختہ ہے۔ آپ ﷺ کا حوصلہ طوفانوں کا رخ پھیر دیتا ہے

آپ ﷺ کا صبر آندھیوں کا رخ موڑ دیتا ہے۔ آپ کا استقلال دشمنوں کے پنجہ ء آہنی کو توڑ دیتا ہے!

آپ ﷺ کا مقام سدرہ المنتہیٰ سے بھی ماوراء ہے یہ مقام انسانی فہم وادراک کی آخری حد ہے۔ اس پر ہر عالم کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ آگے جو کچھ ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس سے آگے صرف آپ ﷺ کا گزر ہوا ہے۔ کسی پیغمبر یا کسی فرشتے کو یہ سعادت نصیب نہیں ہے۔ اس سے آگے تو جبرئیل کے بھی پر جلنے لگتے ہیں!

اگر یک سر موئے برتر پرم

فروغ تجلی بسوزد پرم! [1]

جامعیت [2]

دنیا میں جب بھی انسانی معاشرہ میں کوئی فساد پھیلا تو کچھ نہ کچھ لوگ اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے اور کبھی کبھی اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن ان کی کوششیں چند مخصوص شعبوں تک محدود رہیں۔ ان کی نظریں ہمیشہ ایک مخصوص طبقے یا اپنی قوم پر مرکوز رہیں لیکن سرور کائنات ﷺ نے زندگی کے ایک نہیں بلکہ تمام شعبوں میں اصلاح فرمائی اور تمام نوع انسانی کو خطاب فرمایا اور ساری انسانیت کی اصلاح کو اپنا نصب العین بنایا۔ کیونکہ آپ ﷺ تمام نوع انسانی کے لئے رسول ہیں۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف : 158)

"یعنی اے محمد ﷺ! کہہ دیجئے کہ اے بنی نوع انسان! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں"۔

بعض رہنماؤں نے صرف فرمانروائی کی ہے۔ ان کی تعلیم محکوموں اور مظلوموں کی رہنمائی نہیں کر سکتی۔ وہ رہنما جس نے تجرد کی زندگی بسر کی ہو ازدواجی زندگی کے لئے نمونہ نہیں بن سکتا۔ وہ رہنما جس نے ترک دنیا کی تعلیم دی ہو عملی زندگی کے لئے کوئی مثال نہیں بن سکتا۔ جس رہنما نے محض فلسفیانہ نظریات پیش کئے ہوں، مثالی معاشرے کے خواب دیکھے ہوں، وہ ایک سپہ سالار ایک فاتح، ایک تاجر، ایک مزدور کے لئے کوئی ہدایت نہیں رکھتا!

---

[1] بال جبریل ص ۱۷۴ [2] خطبات مدراس ص ۸۸ تا ۱۱۰

انسانی معاشرے میں بیشتر انفرادی مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، رنج و غم، خوشی و شادمانی، تنگدستی و فاقہ کشی، خواہشات و جذبات، اہل و عیال اور ان کے بے شمار مسائل ہمیشہ پیش آتے رہتے ہیں۔ ان حالات میں تاریخ کے کسی ایک ہی رہنما سے روشنی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے لئے مختلف رہنما بلاشبہ نمونہ بن سکتے ہیں۔ لیکن ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جو انسان کی ساری زندگی کے لئے نمونۂ عمل بن سکے۔ یہ مقام صرف امام الحرمین حضرت محمد مصطفٰے ﷺ ہی کو حاصل ہے جن کی جامع شخصیت قیامت تک زندگی کے ہر شعبے کے لئے مکمل نمونہ بن سکتی ہے! اسی لئے خالق کائنات نے صراحتاً ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿٢١﴾ (الاحزاب : 21)

"در حقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے"۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے ایک جامع کتاب ہدایات بھیجی اور اس کے ساتھ اس کتاب کی عملی تعلیم دینے والا ایک معلم بھی بھیجا جس کی زندگی مجسم کتاب ہے اور قیامت تک دنیا کے سامنے موجود رہے گی۔ جو کچھ اس کتاب میں کہا گیا ہے وہ سب آپ ﷺ کی ذات میں دکھایا گیا ہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ قرآن ہی آپ ﷺ کا خلق تھا یعنی آپ ﷺ کے اقوال اور افعال سے قرآن ہی کا انعکاس ہوتا تھا .... حقیقت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو اہم واقعات انسانی تاریخ میں رونما ہوئے ہیں وہ سب آقائے دو جہاں ﷺ کی زندگی میں دہرائے گئے ہیں اور ان سب کے لئے اسوہ حسنہ سے روشنی فراہم کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ کی سیرت تمام انبیاء کرام کی سیرتوں کی جامع ہے اور تمام اقوام عالم کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری!

دن کی روشنی

تاریخ عالم میں بے شمار رہنماؤں اور مصلحوں کا ذکر ہے۔ لیکن ان کی تعلیمات اور حالات زندگی محفوظ نہیں ہیں۔ ان کے کارنامے اور نقوش افسانوی اور دیو مالائی اندھیروں میں گھرے ہوئے ہیں .... اس کے برعکس رحمت عالم ﷺ کا ظہور تاریخ کی پوری روشنی میں ہوا اور آپ ﷺ کی سیرت کے تمام ممکنہ مستند ماخذ آج بھی موجود ہیں۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کی احادیث بھی ہیں اور خدا کا کلام بھی ہے جو آپ ﷺ کی سیرت کا اولین اور سب سے زیادہ مستند ماخذ ہے، جس کا حرف حرف اپنی اصل شکل میں دنیا کے ہر خطے میں موجود ہے۔ تاریخ عالم میں آپ ﷺ کے سوا کوئی ہستی ایسی نظر نہیں آتی جس کی زندگی کے تمام شعبوں کی تمام تفصیلات پوری طرح محفوظ ہوں۔ آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی پہلو پردہ میں نہیں ہے ہر پہلو ہمارے سامنے ہے اور آپ ﷺ کی ہر تعلیم کے مطابق آپ ﷺ کی عملی شکل تاریخ کے صفحات پر جگمگا رہی ہے۔ جس میں ہر انسان کے لئے کشش اور پیروی کا سامان موجود ہے......!

خصائص ذاتی [1]

ذات قدسی صفات ﷺ نہایت امتیازی خصوصیات کی حامل ہے۔ نبوت آپ ﷺ کی سب سے پہلی خصوصیت ہے۔ آپ پر پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ نماز تہجد [2] اور نماز چاشت بھی فرض تھی۔ آپ ﷺ کو نماز عصر کے بعد نماز دوگانہ کی بھی اجازت تھی جس کی اجازت دوسرے مسلمانوں کو نہیں [3] کئی کئی دن کا روزہ افطار کئے بغیر امت کے لئے ممنوع ہے لیکن آپ ﷺ کو اس کی اجازت تھی۔ آپ ﷺ کو صدقہ زکوٰۃ لینے کی ممانعت تھی [4]

خصائص نبوی [5]

آپ ﷺ کو دس چیزیں ایسی دی گئیں جو آپ ﷺ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئی تھیں۔

1- آپ ﷺ کو رعب اور دھاک کے ساتھ فتح و نصرت دی گئی۔ آپ ﷺ سے پہلے دو

---

1. سیرت النبیؐ جلد سوم ص ۸۳۴ — 2. سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۰ — 3. سیوطی جلد دوم
4. صحیح بخاری کتاب والذکوۃ — 5. رحمت للعالمین جلد سوم ص ۱۱۵ تا ۱۲۳

طرح کے پیغمبر تشریف لائے تھے۔ ایک وہ جو بظاہر کمزور اور بے بس تھے۔ دوسرے وہ جن کو ظاہری طاقت بھی ملی تھی لیکن ایسے انبیاء کی تعداد کم تھی مثلاً حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی اپنے نام کا رعب عطا نہیں ہوا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا آغاز بے بسی اور بے چارگی سے ہوا لیکن بہت جلد موسیٰؑ کی طاقت، داؤدؑ کی سلطنت اور سلیمانؑ کی شان عطا ہوئی اور اس کے ساتھ ہی نام کی دھاک بھی بخشی گئی۔ آپ ﷺ کے رعب کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بہادر پہلوان، شمشیر زن، باجبروت قبیلوں کے سردار آپ ﷺ کا نام ہی سن کر سہم جاتے تھے اور اکثر ایسا ہوتا کہ بغیر لڑے بھڑے ہی آپ ﷺ کے سامنے آ کر اطاعت کی گردن خم کر دیتے تھے۔ خیبرؔ کے جری اور قلعہ بند یہودی جب آپ ﷺ کا لشکر پہنچا تو چیخ اٹھے کہ "محمد (ﷺ) کا لشکر آن پہنچا ہے"۔ ابو سفیان جو ہر معرکے میں آپ ﷺ کے مقابلے میں آتا تھا فتح مکہ کے روز کانپ رہا تھا۔

2- آپ ﷺ کے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔

تمام مذاہب عبادت کے لئے چار دیواریوں کے محتاج ہیں۔ ان کے باہر وہ خدا کو پکار نہیں سکتے اور نہ اس کی عبادت کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ جو مذہب لائے اس کی رو سے خدا چار دیواریوں میں محدود نہیں ہے بلکہ وہ ہر جگہ ہے .... بحر و بر میں، پہاڑوں اور میدانوں میں، آسمانوں کی بلندیوں میں، ستاروں اور کہکشاؤں کے ہر حصہ میں اس کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے۔ قرآن نے فرمایا "تم جدھر منہ پھیر دو، ادھر ہی خدا کا منہ ہے"۔

ہر جا کنیم سجدہ بآں آستاں رسد!

3- آپ ﷺ کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ سب سے پہلے جنگ بدر میں قبل اس کے کہ مال غنیمت یکجا کیا جاتا مجاہدین اسلام، لشکر قریش کو لوٹنے میں جبلی طور پر مصروف ہو گئے لیکن چونکہ غنیمت جہاد اسلام کی حقیقت میں شامل نہیں ہے اس لئے اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال : 68)

"اگر خدا کی طرف سے پہلے حکم نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا ہے اس پر عذاب نازل ہوتا"

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (الانفال : 1)

"لوگ تجھ سے غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہہ دے کہ غنیمت خدا اور رسول (ﷺ) کی ہے"۔

اس آیت نے اس بات کو صاف کر دیا کہ مال غنیمت کے لئے مجاہدین دعویٰ نہیں کر سکتے بلکہ اس کی تقسیم رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہے۔اس کے باوجود آپ ﷺ نے مال غنیمت کی حدود اور شرائط مقرر فرمائیں اور حصول غنائم کے شوق کو زائل کرنے کے لئے فرمایا کہ جو شخص غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرے گا۔اس کو جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی! [1]

4- آپ ﷺ کو شفاعت کا مرتبہ عطا ہوا۔

روز محشر اللہ کی اجازت سے آپ ﷺ گنہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے اور ان کی مغفرت کی درخواست کریں گے۔ قیامت کے وحشت زار میں لوگوں کو ایک شفیع کی ضرورت ہو گی۔لوگ پہلے حضرت آدمؑ کے پاس،اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے پھر باری باری حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس پہنچیں گے لیکن کوئی بھی اللہ کے حضور سفارش کے لئے آمادہ نہیں ہو گا۔بالاخر تمام مخلوق آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گی۔ آپ ﷺ بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوں گے اور آپ ﷺ کی سفارش قبول ہو گی۔

5- آپ ﷺ سے پہلے انبیاء اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوئے لیکن آپ ﷺ تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوئے۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنی جدوجہد کو بنی اسرائیل تک محدود رکھا اور حضرت عیسیٰؑ نے بھی خود کو اپنی قوم ہی تک محدود رکھا۔ لیکن آپ ﷺ ساری کائنات کیلئے، تمام بنی نوع انسان کے لئے مبعوث ہوئے۔

قرآن فرماتا ہے کہ:-

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا : 28)

"اے محمد (ﷺ)! ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بھیجا ہے"۔

---

[1] بال جبریل ص ۱۴۲

6- آپ ﷺ پر دین کی تکمیل ہوئی ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ : 3)

"آج کے دن ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو دین کی حیثیت سے ہم نے تمہارے لئے پسند کیا"۔

اس طرح اسلام آپ ﷺ کی ذات اقدس پر مکمل ہوا۔ یہ منصب صرف آپ ﷺ ہی کے لئے تبارک تعالیٰ نے مقدر کیا تھا۔

7- آپ ﷺ کا معجزہ وحی قیامت تک کیلئے ہے۔ اسلام سے پہلے مختلف انبیاء جو دین لائے وہ محدود زمانوں اور محدود لوگوں کیلئے تھا۔ اس لئے اس کے معجزات بھی محدود الوقت تھے خاص خاص اوقات میں نمودار ہوئے اور پھر مٹ گئے لیکن سید المرسلین ﷺ کا دین کامل ہے اور قیامت تک کے لئے آیا ہے۔

8- آپ ﷺ کے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیاء گزرے ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی تعداد بہت قلیل ہوتی تھی۔ صرف حضرت موسیٰؑ کے ماننے والے چند ہزار تھے۔ باقی سب کے پیرو محض گنتی کے ہوتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے جب دعوت حق دی تو مکہ کی گلیوں اور بازاروں میں کوئی جواب دینے والا نہیں تھا لیکن صرف تئیس سال کے مختصر عرصے میں ریگستان عرب کے گوشے گوشے میں صدائے لاالہ اللہ بلند ہو رہی تھی اور حجتہ الوداع میں کم از کم ایک لاکھ جاں نثار آپ ﷺ کے دائیں بائیں جمع تھے۔

9- آپ ﷺ جوامع الکلم ہیں۔

دنیا میں کئی آسمانی صحیفے نازل ہوئے لیکن سوائے قرآن حکیم کے کوئی بھی جامعیت حامل نہیں ہے اکثر صرف توبہ و ندامت کی تعلیم دیتے ہیں۔ انجیل حضرت عیسیٰ ؑ کی سر گزشت اور اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ تورات مسائل قربانی اور عبادات سے بحث کرتی ہے۔ سفر ایوبؑ میں رضائے الٰہی کے حصول کی تلقین ہے۔ امثال سلیمانؑ صرف وعظ نصیحت پر مشتمل ہیں۔ لیکن قرآن مجید نہ صرف تورات و زبور اور انجیل کا جامع ہے بلکہ مکمل ضابطہ حیات بھی ہے۔ تاریخ بھی ہے اخلاق، دعا و مناجات اور علوم کا مجموعہ بھی ہے۔

دین کامل کے تمام اجزا اس میں شامل ہیں احکام و قوانین بھی ہیں اور انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے مکمل ہدایات و ضوابط بھی ہیں۔

10- آپ ﷺ خاتم المرسلین ﷺ ہیں۔

انبیاء کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہوا۔ آپ ﷺ کے وجود پر تمام پیغمبرانہ ہدایات ختم ہو گئیں اور نبوت و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری منزل تک پہنچ گیا۔ "ختم" کے معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر باہر کی کوئی چیز آسکے اور نہ اس کے اندر کی چیز باہر جاسکے۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگادی جائے۔ اس لئے آپ ﷺ کی ذات تمام نبیوں کے سلسلے کو ختم کر دیتی ہے۔ قرآن گواہی دیتا ہے کہ :-

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب : 40)

"لیکن (محمد ﷺ) خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں"۔

اور خود آپ ﷺ نے فرمایا کہ :-

"انبیاء مجھ سے ختم کئے گئے"
(صحیح مسلم)

اور

"میں پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں"۔ (ترمذی)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ

میرے پانچ نام ہیں۔[1]

1- محمد ﷺ
2- احمد ﷺ
3- ماحی (کفر کو محو کرنے والا)
4- حاشر کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا۔
5- عاقب کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔

---

[1] صحیح مسلم باب اسماء النبیؐ سیرت جلد سوم ص ۸۵۹

آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ :-

"میں خدا کا بندہ اور خاتم الانبیاء تھا اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے"۔

(تاریخ امام بخاری بحوالہ فتح الباری جلد نمبر 6)

مقاصد نبوت [۱]

آپ ﷺ کی نبوت کے چار مقاصد تھے۔

1- اللہ کی وحدانیت، ربوبیت، کبریائی اور عظمت وجلال کو انسان کے ذہن نشین کرانا

2- نافرمانوں کو ان کی خطرناک حالت اور بدترین انجام سے آگاہ کرنا۔

3- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے لوگوں کے اعمال کی تطہیر کرنا۔

4- ان امور کی انجام دہی کے لئے مصائب برداشت کرنا۔

امتیازات [۲]

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا :-

1- معرفت میری پونجی ہے۔

2- میرے دین کی جڑ عقل ہے۔

3- محبت میری بنیاد ہے۔

4- شوق میری سواری ہے۔

5- اللہ کا ذکر میرا مونس ہے۔

6- اعتماد الٰہی میرا خزانہ ہے۔

7- اندوہ دل میرا رفیق ہے۔

8- علم میرا ہتھیار ہے۔

9- صبر میرا لباس ہے۔

10- رضائے الٰہی میری غنیمت ہے۔

11- عاجزی میرا فخر ہے۔

---

[۱] رحمتہ للعالمین جلد اول ص ۵۰

[۲] روایت از حضرت علی مرتضی۔ الشفا ص ۲۵ ۔ رحمت للعالمین ص ۳۳۹، ص ۳۴۰

12- زہد میرا پیشہ ہے۔
13- یقین میری روزی ہے۔
14- صدق میرا ساتھی ہے۔
15- طاعت میری عزت ہے۔
16- جہاد میری فضیلت ہے۔
17- نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

امتزاج

آپ ﷺ کی شخصیت میں چار شخصیتوں کا امتزاج ہے۔
ایک شخصیت بادشاہ عادل کی ہے۔ جو نہایت شفیق ہو اور جس کے پر تو سے لوگوں میں اتحاد و اتفاق روز افزوں ہو۔
دوسری شخصیت حکیم، مفکر اور مدبر کی جس سے حکمت، اخلاق اور سیاست مدن کے فیوض صادر ہوتے ہوں۔ تیسری شخصیت عارف کامل کی ہے جو روحانیت اور تزکیہ نفس اور تزکیہ قلب کے طریقے سکھاتا ہو۔
چوتھی شخصیت جبریلیت کی ہے جس میں روحانی اور الوہی علوم اخذ کر کے انسانیت کی طرف منتقل کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔
آپ ﷺ کی شخصیت میں ان چاروں شخصیتوں کا بیک وقت امتزاج تھا اور اسی کا فیض تھا کہ ایک ایسی جاہل اور بت پرست قوم کو جو اختلافات کی آگ کے کنارے کھڑی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک مہذب، موحد، متحد امت میں تبدیل کر دیا!

شان محمدی (ﷺ) [1]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ :-
1- قیامت میں میں پیغمبروں کا نمائندہ، امام اور ان کی شفاعت کا وکیل ہوں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں۔ (ترمذی)
2- میں قیامت کے روز تمام بنی آدم کا سردار ہوں گا اور اس پر مجھے فخر نہیں اور میرے

---
[1] ترمذی۔ مناقب نبویؐ سیرۃ النبیؐ۔ جلد سوم ص ۸۶۸

ہاتھ میں لوائے احمد ہو گا اور اس پر فخر نہیں اور قیامت کے روز آدمؑ اور تمام پیغمبر میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔ (ترمذی)

3- میں پیغمبروں کا خاتم ہوں اور اس پر فخر نہیں (ترمذی) نیز ارشاد فرمایا :-

جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے اٹھنے والا میں ہی ہوں گا۔ جب خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہی ہوں گا۔ جب وہ ناامید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا میں ہی ہوں گا۔ اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہو گا۔ (ترمذی)

نوادرات

رحمت للعلمین ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک اور روشن پہلو یہ ہے کہ جو جماعتیں آپ ﷺ کی مخالف تھیں ان کے تمام کام، ان کی تمام حرکتیں اول سے آخر سے تک ظلم و تشدد دغا و فریب اور وحشت اور بربریت پر مبنی تھیں اور آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا اس کا ایک ایک فعل صبر و تحمل، راستی و دیانت اور عفو و بخشش کا نہایت تابناک نمونہ تھا۔

مظلومی میں صبر، مشکلات میں حوصلہ مندی، مقابلہ میں عزم، معاملہ میں سچائی، طاقت و اختیار میں درگزر، انسانی کردار کے وہ جواہر ہیں جو ساری تاریخ میں کسی ایک زندگی میں اس طرح جمع نہیں ہوئے جس طرح سید الثقلین ﷺ کی ذات پاک میں جمع ہو گئے ہیں۔ در حقیقت پورا عہد نبوت ان نوادرات کی درخشانیوں سے جگمگا رہا ہے..........!

آپ ﷺ کی فتح

زمین کے گوشے گوشے میں رات دن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بے شمار آوازیں گونجتی ہیں اور آپ ﷺ کی ابدی فتح کا اعلان کرتی ہیں۔ یہ آوازیں چودہ صدیوں سے خاموش نہیں ہوئیں بلکہ ہر روز، ہر آن پھیلتی اور تیز تر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ بڑی باجبروت سلطنتیں الٹ گئیں بڑے قیامت خیز انقلابات آئے، حالات متغیر ہوئے لیکن یہ گونج متغیر نہیں ہوئی۔ کیونکہ

زمانہ کے دل میں پیوست ہو چکی ہے۔ یہ آوازیں حضور اکرم ﷺ کی فتح کی روشن دلیل ہیں۔ آپ ﷺ کی یہ فتح حربی کامیابی نہیں۔ یہ بدر و حنین کی فتح نہیں، شہر مکہ یا عرب کی فتح نہیں بلکہ یہ وہ فتح ہے جو انسانی زندگی میں جذب ہو گئی ہے، یہ تاریخ کا دھارا موڑنے والی ہے اور زمانہ کی تقدیر بن گئی ہے!

مسلمان کمزور پڑ گئے، روبزوال ہو گئے لیکن یہ فتح اپنی جگہ قائم ہے۔ نئے نئے فلسفیانہ نظریات کے سیلاب اس پر اثر انداز نہ ہو سکے، بڑی بڑی طاقتیں تاریخ میں ابھرتی رہیں لیکن کوئی بھی اس کی حریف نہیں بن سکی، کوئی آندھی اس فتح کے نور کو بجھا نہیں سکی کیونکہ اس فتح کی بنیادیں کائنات کی حقیقت کے اندر رکھی گئی ہیں، اس کی جڑیں انسانی ضمیر کے اندر موجود ہیں!

بے انتہا قربانیوں کی بدولت یہ فتح حاصل ہوئی ہے۔ اعلیٰ وارفع نصب العین کی خاطر قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ یہ آئین فطرت ہے، قانون قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ آقائے نامدار ﷺ کی کامیابی کو ایک گزر جانے والا معجزہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہتا تھا، ایسا معجزہ کہ کوئی انسانی کوشش اسے حاصل نہ کر سکے.......... اللہ تعالیٰ تو آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی کاوش کو بطور مثال انسان کے سامنے رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اس فتح کے لئے آپ ﷺ سے قربانیاں طلب کیں جو انسانی کامرانی کے لئے آئین فطرت کا جزو ہیں۔ اس اعتبار سے یہ قربانیاں طلب کیں جو انسانی کامرانی کے لئے آئین فطرت کا جزو ہیں۔ اس اعتبار سے یہ قربانیاں بھی سیرت طیبہ کا ایک حصہ ہیں اور ایسے شخص کے لئے چراغ راہ ہیں جو کسی بھی زمانہ میں کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کا آرزومند ہو اور اس کے لئے حوصلہ رکھتا ہو......!

اس فتح کے تین مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ تھا جب آپ ﷺ نے سرداران قریش سے کہا کہ

> "اگر تم لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دو تاکہ میں رسالت کے مشن کو ترک کر دوں تو بھی مجھے تمہاری یہ بات ہرگز ہرگز منظور نہیں ہو گی، یہاں تک کہ مجھے موت آجائے"۔

اسی روز آپ ﷺ کی فتح کی بنیاد رکھ دی گئی۔ یہ آپ ﷺ کا یقین محکم تھا، عزم مصمم تھا۔ یہی وہ قوت ہوتی ہے جو انسان کے شعور میں جاگزیں ہو کر اسے ہر میدان میں مظفر و منصور کر دیتی

ہے!

دوسرا مرحلہ وہ تھا جب آپ ﷺ نے انسانیت کی تعمیر کی اور صحیح "انسان" تیار کر لئے اور اپنے اصحاب کو مجسم ایمان اور یقین بنا لیا۔ آپ ﷺ نے قرآن کو، اپنے نظریات کو ان کے قالب میں ڈھال دیا اور ایسی زندہ حقیقت بنا دیا جسے آنکھیں دیکھ سکتی تھیں اور ہاتھ چھو سکتے تھے یہ آپ ﷺ کی فتح کا دوسرا مرحلہ تھا کہ اپنی تعلیمات کو نور کے ذریعے انسانوں کے دلوں پر تحریر کر دیا!

تیسرے مرحلے میں آپ ﷺ نے شریعت کو ضابطہ حیات بنا دیا۔ اسلام کے عقیدہ کو شریعت کا قالب عطا کیا اور اس قالب کی بنیاد پر ایک عالی شان نظام قائم فرمایا جو بہت دلفریب اور دلکش تھا!

یہ مراحل فطری اور حقیقی ہیں، سرور کونین ﷺ کی زندگی کا یہ پہلو بھی ان لوگوں کے لئے بہترین نمونہ ہے جو اندھیروں میں چراغ روشن کرنے کا عزم رکھتے ہیں!

صوفیائے کرام کی نگاہ میں

اہل تصوف کی نظر میں سرور کائنات ﷺ اس لئے بھی رحمتہ اللعالمین ہیں کہ بہ قاعدہ امکان اشرف نبی ﷺ آخر الزمان کی تخلیق سب سے پہلے ہوئی یعنی حقیقت محمد ﷺ نور اول ہے جس کو عقل اول بھی کہتے ہیں۔ اسی نور سے انوار خلقت نے اور اسی عقل سے عقول عالم نے استفادہ کیا۔ اس لئے سید المرسلین ﷺ تمام عالم کے لئے باعث رحمت ہیں! دوسرے وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں آپ ﷺ کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا

یعنی برکت والا ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فیصلہ والی کتاب اتاری تاکہ وہ دنیا کو ہوشیار کرنے والا ہو اس طرح جو نذیر للعالمین ہو گا عالمین کو خواب غفلت سے جگانے والا ہو گا وہی رحمت للعالمین کے لقب کا بھی مستحق ہو گا۔ تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ آقائے دو جہاں کو خدا نے سراجاً منیراً یعنی "روشن چراغ" کہا ہے اور چونکہ مقصود ذات معرفت ذات ہے اور چونکہ حقیقت محمدیہ ﷺ چراغ معرفت حق ہے جس کے اجالے میں دنیا نے خدا کو پہچانا ہے اس لئے یہ چراغ عالمین کے لئے باعث رحمت ہے!

ان بزرگوں کی ایک اور دلچسپ توجیہہ یہ ہے کہ خلقت اگر دائرہ ہے تو اس کے دو بریکٹ، دو قوسین ہیں۔ ایک نزولی یعنی اوپر سے نیچے کی طرف، لطافت سے کثافت کی طرف آنیوالی اور دوسری صعودی یعنی نیچے سے اوپر کی طرف، کثافت سے لطافت کی طرف جانے والی۔ پھر لطیف ترین چیز عقل ہے اور رسول اللہ ﷺ عقل اول ہیں، اس لئے آپ ﷺ نزولی قوس کے سب سے اوپر آتے ہیں۔ عقل اول کے بعد عقول کا نمبر آتا ہے عقول کے بعد نفوس، پھر مرکبات اور سب سے نیچے عناصر آتے ہیں۔ پھر نیچے سے اوپر کی طرف جانے والی قوس کو لیجئے تو سب سے نیچے عناصر ہی آتے ہیں اور جب ان کا ارتقائی عمل شروع ہوتا ہے تو ان کے اوپر جمادات نظر آتے ہیں اور جیسے جیسے ترقی ہوتی ہے تو نباتات نظر آتے ہیں، پھر حیوانات، حیوانات سے اعلیٰ تر انسان، ان سے اعلیٰ انبیاء اور اعلیٰ ترین مقام پر ختم نبوت نظر آتی ہے .... اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ قوس نزولی کا نقطہ آغاز بھی نور محمدی ﷺ اور قوس صعودی کا انجام بھی نور محمدی ﷺ خلقت کی ابتداء بھی نور محمد ﷺ سے اور خلقت کی انتہا بھی نور محمدی ﷺ پہ ہوتی ہے۔ اس لئے یہ نور محمدی ﷺ خلقت کے لئے باعث برکت اور عالمین کے لئے باعث رحمت ہے!![1]

قرآن کی نظر میں

آقائے دوجہاں ﷺ کے اوصاف کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی شخصیت کی رفعت اور آپ ﷺ کے مقام کی عظمت کو متعین کرنا کسی کے اختیار مین نہیں ہے۔ کوئی بھی شناور سیرۃ طیبہ کے بحر بے کنار کی تہہ کو نہ پاسکا۔ جس کے ہاتھ جو موتی بھی آ گیا اس کو اپنی کاوش کا ثمرہ سمجھ لیا، جس کی نظر سیرت کے کسی پہلو پر پڑی اس کی توجہ اسی پر مرکوز ہو گئی اور دوسرے بے شمار پہلو اس کی نظر سے اوجھل رہ گئے۔ آج تک کوئی ادیب، کوئی شاعر، کوئی فلسفی، کوئی عالم، کوئی مورخ، کوئی صوفی آپ ﷺ کے مقام کا ادراک نہ کر سکا۔ بلاشبہ آپ ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں طول طویل مقالے تحریر کئے گئے ہیں۔ لیکن جب سفر ختم ہوا تو ہر ایک کو معلوم ہوا کہ تحقیق کی راہیں تو اب کھلی

---

[1] بیاض حضرت علامہ رشید ترابی

ہیں!

جب ہر لحہ نئے انداز سے سرور کائنات ﷺ کی سیرت کے نئے نئے گوشے ابھرتے چلے آرہے ہوں اور ہر لحظ آپ ﷺ نئی شان نئی آن سے دنیا کی نگاہوں کو چکاچوند کر رہے ہوں تو ایک فانی انسان کے لئے یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی اور کردار کی ایک مکمل تصویر کھینچ کر دنیا کے سامنے پیش کر سکے؟! یہ کام تو صرف قادر مطلق اور خالق عالم ہی کر سکتا ہے جو آپ ﷺ کا بھی خالق ہے اور آپ ﷺ کی ذات اور صفات کا بھی خالق ہے! اسی لئے غالب نے کہا تھا کہ ثنائے خواجہ ﷺ کو سپرد یزداں کیا جائے کہ وہی حقیقی معنوں میں آپ ﷺ کا مرتبہ داں ہے!

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد ﷺ است!

اللہ تبارک تعالیٰ کو سید البشر ﷺ سے انس ہے۔ بے انتہا محبت ہے سارا قرآن اسی شیفتگی کا آئینہ دار ہے، اس کا ہر باب اس وارفتگی کا راز دار ہے، اس کے ہر پیغام میں اسی عشق کی حرارت کار فرما ہے! محبوب ﷺ کی دلجوئی اور پذیرائی کی نئی نئی ادائیں ہیں، اس کے اظہار صفات و کمالات کے نئے نئے انداز ہیں جو قرآن کے صفحات سے منعکس ہوتے چلے جاتے ہیں!

ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ (جامی)

کہیں عشق کی کیفیت انجذاب ہے کہ:

اے حبیبؐ! تمہارا ذکر میرا ذکر ہے، میں نے تمہیں اپنا ذکر بنادیا ہے، جو تمہارا ذکر کرے گا وہ میرا ذکر کرے گا..........!

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا ○

"تحقیق اللہ نے تمہاری طرف ذکر بھیجا جو رسول ہے۔ جو رسالت کے ساتھ تمہارا ذکر کرے گا اور ربوبیت کے ساتھ میرا ذکر کرے گا"۔

اور اے حبیب ﷺ! تمہارا ہاتھ میرا ہاتھ ہے جو تم سے بیعت کرے وہ مجھ سے بیعت کرتا ہے!

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (الفتح : 10)

"جو لوگ تم سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا"۔

اے حبیبؐ! تمہاری بات میری بات ہوتی ہے جو تم کہتے ہو وہ میرے ہی دل کی بات ہوتی ہے اور میری ہی طرف سے ہوتی ہے۔

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم : 4,3)

"وہ اپنی خواہش نفس سے، اپنی طرف سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے"۔

اور اے حبیبؐ! مجھے تم سے لگن ہے بہت پیار ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگ صرف میری ہی اطاعت کریں بلکہ میری اطاعت کے ساتھ ہی ساتھ تمہاری بھی اطاعت کریں۔ میں نے اپنی اطاعت کے ساتھ تمہاری اطاعت کو متصل کر دیا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (النساء : 59)

"اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی"

اور اے میرے محبوب ﷺ! تم میرے نزدیک ہو میں چاہتا ہوں کہ لوگ صرف مجھ ہی پر ایمان لانے پر اکتفا نہ کریں بلکہ تم پر بھی ایمان لائیں۔ میں نے اپنے نام کے ساتھ تمہارے نام کو جوڑ دیا ہے۔

آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور اے حبیب ﷺ! میں نے تمہیں اپنی صفات رحمانی سے بھی متصف کر دیا ہے میں رؤف اور رحیم ہوں۔ میں نے تم کو بھی یہ لقب دیا ہے اور اس کی برکات عطا کر دی ہیں کہ اس کی بدولت تمہاری رحمت بھی لوگوں کی تکلیف کو دیکھ کر جوش میں آتی ہے لوگوں کی مصیبت تم پر شاق گزرتی ہے، تم نوع انسانی کی بھلائی کے لئے بے چین ہو جاتے ہو!

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (التوبہ : 128)

"تمہارے پاس اللہ کا رسول آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا بڑا خواہشمند ہے وہ مومنوں کے لئے شفقت اور رحمت رکھنے والا ہے"۔

اور اے حبیب ﷺ! رحمت میری نہایت اہم صفت ہے میری رحمت ساری کائنات پر حاوی ہے میں نے تمہیں اس صفت کا لقب عطا کر دیا ہے۔ تم مجسم رحمت ہو ساری کائنات کے لئے رحمتوں کا پیام لے کر تم مبعوث ہوئے ہو!

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (الانبیاء)

"اے نبی!" ہم نے نہیں بھیجا تمہیں بجز اس کے کہ تم عالمین کے لئے رحمت ہو!

تم کو اس دنیا میں صرف حکمت دے کر ہی نہیں بھیجا گیا بلکہ میری رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ ربوبیت کا پیغمبر بنا کر روانہ کیا گیا۔ حق و باطل کا فرق سمجھانے کے لئے بھیجا گیا۔ انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی کو سنوارنے کے لئے تم کو مبعوث کیا گیا! تم کو تمام عالمین سے پیار کرنے کے لئے ہمدردی، غمگساری، محبت اور ترس کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ صرف انسانوں ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام مخلوق کے لئے، عالم جمادات، عالم نباتات، عالم حیوانات، عالم علوی، عالم سفلی، کیفیات، جذبات اور نفسیات کے لئے بھی رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے! اور اس مقام اور اس درجے تک جس پر تم فائز ہو، اے حبیب ﷺ! کوئی دوسرا آج تک نہیں پہنچا ہے اور نہ قیامت تک پہنچ سکتا ہے!!

کہیں پیار ہی پیار ہے اور حبیب ﷺ کو صرف پیار کے ناموں ہی سے پکارا جا رہا ہے کبھی یا ایھا المزمل کہا جا رہا ہے کہیں یا ایھا المدثر سے یاد کیا جا رہا ہے اور کہیں طٰہٰ اور یٰسین کہہ کر پکارا جا رہا ہے!

کہیں دلجوئی کی باتیں ہو رہی ہیں کہ:

اے میرے محبوب! میں تمہیں ہمیشہ یاد کرتا ہوں۔ میرے ملائکہ بھی تم کو یاد کرتے رہتے ہیں میں بھی تم پر درود بھیجتا رہتا ہوں اور ملائکہ بھی درود بھیجتے چلے جاتے ہیں اور میں نے لوگوں کو بتا دیا ہے کہ میرے حبیب ﷺ کے صدقے میں تمہیں روشنی نصیب ہوئی ہے۔

تہذیب کی نعمت میسر ہوئی ہے اس لئے تم بھی میرے محبوب ﷺ کے لئے وہی دعا کرو جو میں اور میرے فرشتے شب و روز کر رہے ہیں اور کہو کہ رب دو جہاں! جس طرح تیرے نبی ﷺ نے ہم پر احسانات فرمائے ہیں، تو بھی ان پر بے حد و حساب رحمت فرما! اس طرح تمہارے صدقے میں، تم پر درود بھیجنے کی بدولت لوگ بھی میرے اور میرے ملائکہ کے ہم زبان ہو جاتے ہیں اور انسانی رفعت کی آخری منزل تک پہنچ جاتے ہیں!

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ (احزاب : 56)

"اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے رہتے ہیں اور اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم بھی ان پر درود و سلام بھیجتے رہو!"۔

اور اے حبیب! تم تو پہلے سخت ذہنی خلجان میں مبتلا تھے۔ لیکن جب میں نے اظہار محبت کر دیا اور تمہاری نبوت کا اعلان کر دیا تو یہ خلجان بھی دور ہو گیا اپنی محبت اور اپنے وسیع علم کے لئے میں نے تمہارا سینہ کھول دیا..........!

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾ الَّذِىٓ أَنقَضَ ظَهْرَكَ ﴿٣﴾

(الانشراح : 3-1)

"(اے نبیؐ) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لئے کھول نہیں دیا اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار نہیں دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا"۔

میں نے تم کو تین بڑی نعمتیں عطا کی ہیں۔ شرح صدر کی نعمت، بوجھ کے اتارے جانے کی نعمت اور رفع ذکر کی نعمت! تو تم دل شکستہ کیوں ہو میرے محبوب ﷺ؟! اور میرے محبوب ﷺ! میں نے اپنے ذکر کے ساتھ تمہارے ذکر کا آوازہ بھی بلند کر دیا تاکہ میرے نام کے ساتھ تمہارے نام کی صدائیں بھی اس گنبد نیلو فری میں گونجتی رہیں!

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿٤﴾ (4 : 94)

"اور تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آوازہ بلند کر دیا"۔

میں نے ابتداً خود کفار مکہ سے یہ کام لیا اور ہجرت کے بعد دس سال کے اندر اندر ملک کا چپہ چپہ، گوشہ گوشہ اشهد ان لا اله الا الله کے ساتھ ساتھ و اشهد ان محمد رسول الله

کی صدا سے گونج اٹھا اور آج دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں دن میں پانچ مرتبہ تمہاری رسالت کا اعلان باآواز بلند نہ ہوتا ہو! سال کے بارہ مہینوں میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جب کہ زمین کے گوشے گوشے میں **واشهد ان محمد رسول الله** کی گونج سنائی نہ دیتی ہو!

دشت میں، دامن کہسار میں، میدان میں ہے بحر میں، موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیاباں میں ہے اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان **ورفعنالك ذكرك** دیکھے[1]

اور میرے محبوبؐ! تم کفار کی باتوں سے رنجیدہ تھے وہ تو سمجھ رہے تھے کہ تم تباہ ہوگئے، مال بھی نہ رہا، دولت بھی ختم ہوگئی اولاد نرینہ بھی وفات پاگئی اور سارے ملک میں صرف گنتی کے ساتھی رہ گئے .... لیکن اے حبیب ﷺ! وہ تو غلط سوچ رہے تھے۔ میں نے تمہیں کوثر عطا کر دیا ہے! بے انتہا خیر اور بے انتہا نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان میں کردار اور اخلاق کی بے نظیر دولت ہے، نبوت، قرآن اور حکمت کی عظیم نعمت بھی ہے۔ اس میں توحید اور نظریہ توحید کی بنیاد پر قائم ہونے والے ایک نظام کی برکت بھی ہے۔ رفع ذکر کی اور عالمگیر امت کی نعمت بھی ہے۔ تمہارے مشن کی کامیابی بھی ہے۔ قیامت تک زندہ رہنے والی روحانی اولاد بھی ہے اور ایک ہی صاحبزادی کے بطن سے ہونے والی جسمانی اولاد بھی ہے جو ساری دنیا میں پھیل جانے والی ہے .... اور ان باتوں کے علاوہ ان نعمتوں کا کوئی احاطہ کر سکتا ہے جو آخرت میں تمہارے لئے مخصوص ہیں؟!

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝١ (الکوثر : 1)

"ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا"۔

اس میں وہ حوض کوثر بھی شامل ہے جو قیامت کے روز تم کو ملے گا اور اس سے اس سخت وقت میں جب ہر ایک العطش العطش کر رہا ہوگا تمہاری امت پوری طرح سیراب ہوگی! اور اے حبیب ﷺ! تم تسلی رکھو۔ پریشان نہ ہو میں روز روشن اور سکون شب کی قسم کھا کر آپ ﷺ

---

[1] بانگ درا ص ۲۰۷

لو اطمینان دلاتا ہوں کہ میں آپ ﷺ کو نہیں چھوڑ سکتا اور نہ آپ ﷺ سے ناراض ہو سکتا ہوں!

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى ﴿۳﴾ (الضحیٰ : 3)

"(اے نبی ﷺ) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا"۔

اور اے حبیب ﷺ! شاید مشکلات سے تم کو سابقہ پیش آرہا ہے۔ مجھے اس بات کا احساس ہے لیکن یہ تھوڑے دنوں کی بات ہے تمہارے لئے ہر بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہوتا چلا جائے گا......! تمہاری قوت، عزت و شوکت اور قدر و منزلت برابر بڑھتی ہی چلی جائے گی اور آخرت میں جو مرتبہ ملے گا وہ دنیا کے مرتبے سے بدرجہا بہتر ہوگا۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ (الضحیٰ : 4)

"اور یقیناً تمہارے لئے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے"۔

اور اے حبیب ﷺ! تم کوئی فکر نہ کرو۔ کچھ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ میں تم پر عطا اور بخشش کی ایسی بارش کروں گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے اور تمہیں حیرت انگیز کامیابیوں سے ہمکنار کر دوں گا!

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ (الضحیٰ : 5)

"اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے"۔

اور میرے محبوبؐ! تم کو یہ پریشانی کیسے لاحق ہوئی کہ میں تم سے علیحدہ ہو گیا ہوں میرا تعلق خاطر تمہارے روز پیدائش سے تمہارے لئے ہے تم یتیم پیدا ہوئے تھے میں نے تمہاری پرورش اور خبر گیری کا بہترین انتظام کیا، ناواقف راہ تھے میں نے تمہیں اپنا راستہ بتایا، تم نادار تھے میں نے تمہیں مال و دولت دی۔ کیا یہ باتیں اس کا ثبوت نہیں کہ تم ابتداء ہی سے میرے منظور نظر اور میرے محبوب ہو؟

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿۸﴾
(الضحیٰ : 8-7-6)

"کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟ اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔ اور تمہیں بے سروسامان پایا اور پھر مالدار کر دیا"۔

اور اے حبیب ﷺ! میں نے تمہیں کبھی بھی تنہا نہیں چھوڑا۔ مشکل سے مشکل وقت میں بھی تمہارے ساتھ رہا۔ جنگ بدر میں بھی ساتھ ہی تھا جب کہ بہت بڑا لشکر قریش، اسلحہ سے لیس، فخر و غرور میں چور چور تمہاری چھوٹی سی، بے سر و سامان جماعت کے سامنے نمودار ہوا اور حق و باطل کا ایک عجیب معرکہ شروع ہوا۔ اس وقت جبریل نے تم سے کہا کہ مشت خاک قریش کی طرف پھینک دیجئے .... یہ خاک ہر دشمن کی آنکھ میں پہنچی اور ان کو بے بصر کر گئی .... یہ کیسے ممکن ہوا؟ کیا تم نے، اے حبیب ﷺ سوچا کہ یہ کیونکر ہوا؟ در حقیقت یہ خاک تم نے نہیں پھینکی بلکہ میں نے تمہارے دشمنوں کی طرف پھینکی تھی، تمہارا ہاتھ میرا ہاتھ تھا.........!

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (الانفال : 17)

"جب تو نے پھینکا تھا تب تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا"۔

اور میرے محبوب ﷺ! میری نظر میں تمہارا مقام بہت بلند ہے میں نے تمہیں نبیوں کا سردار بنایا ہے تم پر نبوت اور رسالت کو ختم کر دیا ہے۔

وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب : 40)

"مگر وہ (محمد ﷺ) اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں"۔

اور اے حبیب ﷺ! تمہارے ہی ہاتھوں میں نے دین کو مکمل کیا ہے اور ساری کائنات میں تمہاری انفرادیت اور عظمت کو قائم کر دیا ہے۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

(المائدہ : 3)

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر لیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے"

اور اے دوست! تم تو امی تھے لیکن میں نے خود تم کو تعلیم دی اور ان ساری چیزوں کا علم سکھایا جن کا علم تمہیں نہیں تھا۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ (النساء : 113)

"تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا"۔

اور اے محبوب! میں نے تمہیں اس طرح پڑھایا کہ تم اس کو بھول نہیں سکے تمہارے علم کو

نسیاں سے بالاتر کر دیا اور ایسی خصوصیت عطا کی جو دنیا کے کسی معلم یا متعلم میں نہیں پائی جاتی۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى (الاعلی : 6)

"ہم تمہیں پڑھائیں گے اور تم نہیں بھولو گے"۔

میں نے قرآن معجزے کے طور پر تم پر نازل کیا ہے اور معجزے کے طور پر ہی اس کا لفظ لفظ تمہارے حافظے میں محفوظ کر دیا!

اور اے میرے پیارے رسول ﷺ! تمہاری وجہ سے تمہارے جان نثاروں کو بھی عام لوگوں سے ممیز اور ممتاز کر دیا انہیں ایسی طاقت دی کہ ان میں سے بیس دو سو پر اور سو ایک ہزار پر غالب ہو جاتے ہیں۔

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الانفال : 65)

اور اے حبیبؐ! تمہاری شخصیت اور تمہاری سیرت میں ایسی کشش اور خوبصورتی، ایسا جلال و جمال ہے کہ میں نے تمہارے اسوہ حسنہ کو دنیا کے لئے نمونہ بنا دیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب : 21)

"در حقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے"۔

اور اے محبوب ﷺ! تم میرے ہو میں تمہارا ہوں۔ تم کائنات میں میرے رسول اور نمائندہ ہو، کائنات کے لئے رحمت ہو، میری طرف سے راہ راست کی ہدایت کرتے ہو، نیکیوں کے لئے خوشخبری دیتے ہو۔ بس تم ایک روشن چراغ ہو کہ جس کی بدولت دنیا میں اجالے پھیلتے چلے جا رہے ہیں!

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

"اے نبی (ﷺ) ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور روشن چراغ بنا کر"۔

میں نے تمہیں یہ مرتبہ اور شان دی ہے کہ تمہاری ساری زندگی میں تمہارے مسلک کا

مظاہرہ ہو رہا ہے، تمہارا مشن آگے بڑھتا جا رہا ہے اور تمہاری ذات اور صداقت تمہارے مشن کی ضمانت بن گئی ہے!

اور اے حبیب ﷺ! میری خدائی میں جو کچھ ہے سب تمہارے لئے ہے ساری کائنات کی تخلیق ہی تمہارے سبب سے ہوئی ہے اور تمہارے لئے بے حساب اور لا یزال اجر ہے۔

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ (القلم : 3)

"آپ (ﷺ) کے لئے بے حساب اور لازوال اجر ہے"۔

کیونکہ تم لوگوں کی اذیت ناک باتیں سنتے ہو لیکن انتہائی خندہ پیشانی سے اپنے مشن کو آگے بڑھاتے چلے جاتے ہو۔ تمہارے قلب کی وسعت بدستور قائم ہے اور تمہاری رحمت موجیں بدستور بلند ہوتی چلی جاتی ہیں..........!

اے میرے حبیب ﷺ! تم آزردہ خاطر نہ ہو کہ آج تمہارے مخالفین تمہیں ملامت کرتے ہیں تمہیں بدنام کرنے کے لئے جھوٹے الزامات کا ایک طوفان برپا کر رکھا ہے...... لیکن میں تمہیں دنیا اور آخرت میں مرتبۂ محمودیت پر بہت جلد پہنچا دوں گا کہ تم محمود خلائق ہو جاؤ گے، تمہاری مدح و ستائش ہو گی، تمہاری ہستی عظیم اور ارفع ہو گی، دنیا تمہاری تعریف سے گونج اٹھے گی اور آخرت میں بھی ساری خلق تمہاری مداح و ثناخواں ہو جائے گی!

عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا (بنی اسرائیل : 79)

"بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر فائز کر دے"۔

اور میرے پیارے نبیؐ! مجھے اس شہر مکہ سے محبت ہے کیونکہ تم اس میں بستے ہو، اس کی گلیاں مجھے پسند ہیں کہ تم ان میں گھومتے پھرتے ہو، اس کی خاک کا ہر ذرہ عزیز ہے جو تمہارے قدموں کو چومتا ہے۔ اس شہر کی ہوائیں تمہارے رخ انور کو چھو کر معطر ہو جاتی ہیں فضائیں حسن و جمال کے انعکاس سے دلکش اور دلفریب ہو جاتی ہیں.........! اس لئے میرے حبیب ﷺ! میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں!

لَا أُقْسِمُ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَأَنتَ حِلٌّ بِهَٰذَا الْبَلَدِ ۝ (البلد : 1-2)

"نہیں میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اور حال یہ ہے کہ (اے نبی ﷺ) اس شہر میں تم رہتے سہتے ہو"۔

کبھی محبوبؐ کے احترام کے آداب لوگوں کو سکھائے جاتے ہیں

اور کبھی اس کے احسانات نوع انسانی پر گنائے جاتے ہیں کہ اے لوگو! میرے حبیبؐ کو سارے انسانوں کی خوشی منظور ہے وہ سب کو خیر و شر سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ تم کو احساس ہونا چاہئے کہ کیسی عظیم ہستی کی بعثت سے تم کو سرفراز کیا گیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا : 28)

"اور آپ ﷺ کو ہم نے بھیجا تو سارے لوگوں کی خوشی اور آگاہی کے لئے"۔

اور اے لوگو! میرا حبیبؐ جو تمہاری طرف خوشی اور آگاہی لے کر آیا ہے وہ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہے تم اس کا خیال رکھو۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم : 4)

اور اے لوگو! میری خوشنودی چاہتے ہو تو میرے حبیب ﷺ کا ادب کرو اس سے آگے مت بڑھو اپنی رائے پر اس کے سامنے اصرار نہ کرو۔

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الحجرات : 1)

"اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو، اپنی رائے کو رسول کے فیصلے پر مقدم مت رکھو"۔

لوگو! سمجھ لو کہ اگر تم ایسی گستاخی کرو گے تو تمہارے سب اچھے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور تم گھاٹے میں رہو گے۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات : 2)

"ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو"۔

اور اے لوگو! میرا حبیب ﷺ ساری دنیا کو ان علوم کی تعلیم دیتا ہے جن سے وہ ناواقف اور بے بہرہ ہے۔ میرا حبیب ﷺ سریز آرائے علوم ہے، فرش خاکی پر بیٹھا ہے اور خاکی و نوری، انسی و جانی کو ایسے ایسے علوم سے مستفیض کرتا ہے کہ خاک کے ادنیٰ ذرے بھی آفتاب اور ماہتاب بن کر ایک عالم کو منور کر دیتے ہیں!

وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ : 151)

"نبی تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے"۔

اور اے بنی نوع انسان! میرا حبیبؐ تمہیں بالخصوص کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، ایسی کتاب جو ام الکتاب ہے، جو مکمل ضابطہء حیات ہے، کاشف رموز کائنات ہے، تمہارے لئے باعث نجات ہے، جو زندہ ہے اور تمہیں زندگی بخشتی ہے۔ ایسی کتاب کی تمہیں وہ تعلیم دیتا ہے.........اور میرا حبیب ﷺ تمہیں حکمت بھی سکھاتا ہے، ایسی حکمت جو خیر کثیر ہے جو تمہیں اس دنیا میں بھی آداب حکمرانی سکھاتی ہے اور آخرت میں بھی سرخرو رکھتی ہے!

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران : 164)

"ہمارا نبی لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے"۔

اور اے اولاد آدم! میرے حبیب ﷺ کا احترام کرو جب اس کی محفل میں جاؤ، تو احتیاط سے داخل ہو، نفس گم کردہ داخل ہو، بیٹھو تو زانوئے ادب تہہ کرو، اپنی آواز کو اس کی آواز سے نیچے رکھو، اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے تابع کردو، اپنی انا کو اس کی شخصیت میں جذب کردو!

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

(الحجرات : 2)

"اپنی آواز نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔ نبی کے ساتھ اونچی آواز میں بات نہ کرو"۔

اور اے مومنو! میرے حبیب ﷺ کے تقدس اور بزرگی کو اپنا ایمان بناؤ۔ اس کی ذات کو اپنی ذات پر مقدم رکھو۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (الاحزاب : 6)

"بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لئے ان کی اپنی ذات پر مقدم ہے"۔

اور اے مومنو! نہ صرف میرے حبیب ﷺ کا احترام کرو۔ بلکہ اس کے اہل بیت کی بھی عزت کرو اس کی بیویوں کی تعظیم کرو کہ بلاشبہ وہ تمہاری مائیں ہیں۔

وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب : 6)

"اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں"۔

اور اے لوگو! میں نے تم پر احسان کیا ہے۔ میں نے اپنے حبیب ﷺ کو تم میں سے بھیجا ہے۔ کسی غیر اور اجنبی کو نہیں بھیجا اور اس طرح تم کو شرف بخشا ہے تم پر احسان کیا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ : 128)

"تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے"۔

اے لوگو! تم میں سے اپنے حبیب ﷺ کو بھجوا کر درجہ بشریت کو برتر اور اعلیٰ کر دیا ہے!

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل : 93)

"نہیں ہوں میں بجز بشر اور رسول"۔

لوگو! میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے۔ تم میرے حبیب ﷺ کی قدر و منزلت کرو!

اور اے نوع انسانی! میرا حبیب ﷺ جو تمہاری طرف آیا ہے۔ اس کے سینے میں ایک درد مند دل ہے۔ تمہارے درد کو وہ اپنا درد سمجھتا ہے۔ تمہاری تکلیف سے اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ جو چیز تمہیں مصیبت میں ڈالنے والی ہوتی ہے۔ وہ اس پر نہایت شاق گزرتی ہے!

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ (التوبہ : 128)

اور اے لوگو! میرا یہ حبیب ﷺ ہی تمہاری بھلائی کا حد درجہ شائق ہے۔

تمہاری فلاح اور اصلاح کا آرزو مند ہے۔ تمہاری سلامتی اور حفاظت کا، تمہاری بلندی و رفعت کا، تمہاری ہدایت و توفیق کا، تمہاری امداد و اعانت کا خواہشمند ہے اور ہر شر، ہر بلا اور ہر مصیبت سے تمہاری حفاظت کا طالب ہے!

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ (التوبہ : 128)

اور اے لوگو! تم سخت الجھے ہوئے پھندوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ مسائل میں جکڑے ہوئے تھے جہالت کی تاریکیوں میں محصور تھے۔ تمہارے اعصاب پر، تمہارے ذہن پر ایسے بوجھ تھے کہ تم جھکے جا رہے تھے لیکن میرا حبیب ﷺ تم کو ان ساری مصیبتوں سے نجات دلاتا ہے سارے بوجھ اتارتا ہے بندشیں کھول دیتا ہے زنجیریں کاٹ دیتا ہے!

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف:157)

"اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا

ہے جن میں وہ جھگڑے ہوئے تھے"۔

اور کہیں نافرمانوں کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ :-

اے لوگو! میرے حبیب ﷺ کی بات مانو، کفر نہ کرو، ورنہ تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ تم خلائق میں بدترین شمار ہو گے، جانوروں سے بھی گئے گزرے ہو جاؤ گے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝

(البینۃ : 6)

"اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا (اور آنحضرت ﷺ کو ماننے سے انکار کیا) وہ یقیناً جہنم کی آگ میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے یہ لوگ بدترین خلائق ہیں"۔

اے لوگو! میرے حبیب ﷺ کی نصیحت قبول کرو۔ اس میں تمہاری فلاح ہے اور جو نصیحت قبول نہیں کرے گا وہ سخت عذاب میں ہو گا۔ نہ اسے موت ہی آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے اور نہ زندگی کا کوئی لطف اسے نصیب ہو گا۔

وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ۝ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ۝ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۝

(الاعلیٰ : 13-12-11)

"اور جو اس سے گریز کرے گا وہ انتہائی بدبخت ہو گا جو آگ میں جائے گا، پھر نہ اس میں مرے گا نہ جیئے گا"

اے زمین کے بے خبر بسنے والو! آسمان کی بلندیوں پر ٹوٹنے والا ستارہ بھی اس بات کا شاہد ہے کہ میرا حبیب ﷺ نہ تو غلط چل رہا ہے اور نہ بہک گیا ہے وہ زمین و آسمان کے جو حقائق بیان کر رہا ہے، کچھ اپنے وہم اور خواہش نفسانی سے نہیں بیان کر رہا ہے بلکہ وہ سب کے سب آسمانی انکشافات ہیں جو اس پر کیے جا رہے ہیں۔ وہ خدائی آواز ہے جو اوج آسمان سے بول رہی ہے۔ اپنے حبیب ﷺ کو یہ سب علمی اور حکمی معارف میں نے خود سکھائے ہیں۔ اسی علم کی

بدولت میرا حبیب ﷺ اوج کمال پر پہنچ کر افق اعلیٰ پر متمکن ہے۔ ساری خدائی کو دیکھ رہا ہے بلکہ اس سے بھی بلند تر ہو کر عرش کے نزدیک پہنچ گیا ہے اور بقدر دو کمان بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا ہے۔ پھر جب وہ علم اور عجز اور مشاہدہ اور ارادت کے اس مقام تک پہنچ گیا، تب کہیں ہم نے اس کو وہ بات وحی کی جو تمہارے سامنے ہے.........! لہٰذا اے بے خبرو! میرے حبیب ﷺ کے ذہن اور قلب سلیم نے جو حقیقت دیکھی اس میں اس کو کچھ دھوکہ نہیں ہوا، تو کیا تم لوگ قرآن کے ان نتائج کے متعلق جن کی حقیقت میرے حبیب ﷺ نے بچشم خود دیکھی ہے، اس سے جھگڑا کر رہے ہو۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿٢﴾ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ﴿٥﴾ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ﴿٦﴾ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ﴿٧﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿٩﴾ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴿١٠﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ﴿١١﴾ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ﴿١٢﴾

(النجم : 12-1)

قسم ہے تارے کی جبکہ وہ ٹوٹتا ہے۔ تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے، نہ بہکا ہے، وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔ اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے جو بڑا صاحب حکمت ہے۔ وہ سامنے آ کھڑا ہوا جب کہ وہ بالائی افق پر تھا۔ پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ تب اس نے اپنے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی۔ نظر نے جو کچھ دیکھا، دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا، اب کیا تم اس سے اس چیز پر جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے؟"

اور کہیں کافروں اور دشمنوں کی چیرہ دستیوں کو رد کیا جارہا ہے

حبیب ﷺ کو دلاسہ دیا جارہا.......... ہے کہ: اے محبوب ﷺ! کفر کی حرکتوں پر آزردہ نہ ہوں۔ وہ تمہاری دعوت حق کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کبھی تم کو (نعوذ باللہ) دیوانہ، کبھی ساحر اور کبھی شاعر کہتے ہیں اور تمہاری رسالت سے انکار کرتے ہیں۔ تم اس پر رنجیدہ نہ ہو کیونکہ میں اپنی قہاری اور جباری کے ساتھ ان کی مذمت کرتا ہوں اور اپنی خلاقی اور جلال و جبروت کے ساتھ تمہاری عظمت اور رسالت کی گواہی دیتا ہوں!

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ (الفتح: 29)

"(رسول کی عظمت و رسالت) اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں"۔

در حدیث دیگراں

مغرب کے اکثر دانشوروں اور مؤرخوں نے تعصب کی عینک لگا کر سرکار دو عالم ﷺ کو دیکھنے کی سعی کی ہے اور وہی کچھ لکھا ہے جو اسلام سے اندھی دشمنی کا تقاضہ ہو سکتا تھا۔ لیکن انسانی ضمیر کی چمک خواہ وہ کتنا ہی زنگ آلود کیوں نہ ہو بسا اوقات اندھیروں میں بھی خیر و شر کو بے نقاب کر دیتی ہے اور انسان حق و باطل میں تمیز کرنے پر مائل ہو جاتا ہے۔ ضمیر کی یہی روشنی ہے جس کے اندر ہارٹ میخائل، لامارٹن، ڈریپر، باسورتھ، لینڈ سے، گبن، ڈیون پورٹ، واٹ، ایچ جی ویلز، برنارڈ شا اور کارلائل جیسے عظیم مفکروں نے رسول اکرم ﷺ کے مقام بلند کو دیکھا، آپ ﷺ کی عظمت کا اقرار کیا اور نوع انسانی کے لئے آپ ﷺ کی خدمات کو سراہا۔ ان صفحات میں ہم ایسے ہی لوگوں کے اعترافات کا ذکر کریں گے اور ان کے دلوں میں جھانکنے کی سعی کریں گے۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں!

انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کی شہادت ہے کہ تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں محمدؐ

سب سے زیادہ کامیاب ہیں!

پروفیسر کارلائل کہتا ہے کہ محمد ﷺ کے حسین چہرے سے ذکاوت اور دیانت ٹپکتی ہے اور آپ ﷺ کی نگاہوں کے سامنے رازِ ہستی اپنے بیم و رجا کے ساتھ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ وہ آپ ﷺ کے متعلق کہتا ہے کہ :-

"وہ زندگی کا جلوۂ تاباں تھا جو خاص سینۂ فطرت سے ہویدا ہوا اور جسے خالق عالم نے کائنات کو منور کرنے کے لئے بھیجا تھا"۔[۲]

باسورتھ رقم طراز ہے کہ :-

"بہر حال مختصراً عرب کے یہ معاشرتی اور مذہبی حالات تھے۔ جن میں محمد (ﷺ) کی تعلیمات سے عرب کا رخ بدل گیا۔ انقلاب آگیا۔ انقلاب بھی کیسا؟ ایسا انقلاب کہ آج تک کسی سرزمین پر نہیں آیا.......... مکمل ترین، اچانک ترین اور سر تا سر غیر معمولی انقلاب"[۳]

باسورتھ مزید کہتا ہے کہ :-

"محمد (ﷺ) کی کتاب کی جوہری صداقت میں کوئی شک نہیں! آپ (ﷺ) کا ضمیر اس روحانیت اور حقانیت سے لبریز ہے جو اس کتاب میں بند ہے!"[۴]

ٹالسٹائی اقرار کرتا ہے کہ محمد (ﷺ) ان عظیم الشان مصلحین میں ہیں جنہوں نے اتحادِ امم کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ ان کے فخر کے لئے یہ کافی ہے کہ انہوں نے وحشی انسانوں کو نورِ حق کی طرف راغب کیا اور ان میں اتحاد، صلح جوئی اور امن پسندی کی روح پھونک دی۔ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ اتنا بڑا کام انہوں نے تن تنہا کیا۔

لامارٹن تحریر کرتا ہے کہ :-

"اگر مقصد کی عظمت، وسائل کی قلت اور حیرت انگیز نتائج............ ان تین باتوں کو انسانی تعقل اور تفکر کا معیار مانا جائے تو کون ہے جو تاریخ کی کسی قدیم یا جدید شخصیت کو محمد (ﷺ) کے مقابلے میں لانے کی جرات کر سکے؟!"

---

۱ مثنوی مولانا رومؒ دفتر اول ۲ ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ۔ دوسرا لیکچر
۳ محمد اینڈ محمڈنیزم ۴ محمد اینڈ محمڈنیزم

اور

"کسی انسان نے اتنے قلیل ترین وسائل کے ساتھ اتنا جلیل ترین کارنامہ انجام نہیں دیا جو انسانی ہمت و طاقت سے ماوراء تھا............ مٹھی بھر صحرائیوں کے سوا اس کا کوئی معاون نہیں تھا اور آخر کار اتنے بڑے مگر دیرپا انقلاب کو برپا کر دیا جو اس دنیا میں کسی انسان سے ممکن نہ ہو سکا!"۔

اور

"عالم الہیات، فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار، رسول، آئین و قانون ساز، سپہ سالار، فاتح اصول و نظریات، معقول، عقائد کو جلا بخشنے والا، بلا تصویر مذہب کا مبلغ، بیسیوں علاقائی سلطنتوں کا معمار، دینی و روحانی حکومت کا موسس............ یہ ہے محمد (ﷺ)............! اور انسانی عظمت کے ہر پیمانے کو سامنے رکھ کر ہم پوچھ سکتے ہیں............ ہے کوئی جو اس سے زیادہ بڑا، اس سے بڑھ کر عظیم ہو؟!"۔

لنڈسے اپنی کتاب "مقدس پیغمبر اور غیر مسلم دنیا" میں اعتراف کرتا ہے کہ :۔

"محمد ایک روحانی قوت کے مالک اور ایک سچے رسول تھے۔ مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ خدا سے ہم کلام ہوتے تھے اور سرچشمۂ روحانی سے ان پر وحی اترتی تھی"۔

"پھر آسمانوں کی بادشاہت کو انہوں نے (محمد ﷺ نے) عملاً اس زمین پر قائم کر دیا جس کی بشارت بڑے ذوق و شوق سے جناب مسیح نے دی تھی"۔

ڈیون پورٹ اپنے ضمیر کی آواز کو اس طرح ریکارڈ کرتا ہے کہ :۔

"کیا ہم یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اس کا خدائی مشن محض اس کے ذہن کی اختراع تھی؟ کیا وہ جھوٹ کو جانتے بوجھتے نبھاتا رہا؟ نہیں! ہر گز نہیں! محمد (ﷺ) کو در حقیقت سچے مذہبی ادراکات اور روحانی احساسات حاصل تھے جس کے سبب سے انہوں نے اپنے مشن کو انتہائی مستقل مزاجی اور پامردی سے آگے بڑھایا اور نہ اس کے جھٹلائے جانے کی پرواکی، نہ اس کی راہ میں مصائب و مشکلات کی۔ یہ سچائی، یہ حق کی معرفت ان کو ابتداء سے انتہا تک حاصل رہی یعنی حضرت خدیجہ کے وقت پہلی وحی کے

نزول سے لے کر حضرت عائشہ کی باہوں میں آخری سانس تک"۔

ایچ جی ویلز رسول اکرم ﷺ کی صلاحیت پر گواہی دیتا ہے کہ :-

"یہ محمد (ﷺ) کے صدق کی دلیل قاطع ہے کہ آپ سے قربت رکھنے والے لوگ آپ پر ایمان لائے حالانکہ وہ لوگ آپ کے اسرار و رموز سے پوری طرح واقف تھے اور اگر ان کو لوگوں کو آپ کی صداقت پر ذرہ برابر بھی شبہ ہوتا تو آپ پر ہرگز ایمان نہ لاتے!!" [1]

باباگورونانک صاحب فرماتے ہیں کہ :- [2]

"ان حالات میں ہم یہ مان لینے پر مجبور ہیں کہ حضرت محمد (ﷺ) صاحب ضرور بندگان خدا کی ہدایت کے لئے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں......... پوجا پاٹ کام نہیں دے سکتی۔ ماتھے پر تلک لگانا کچھ کام نہیں آئے گا۔ اگر کوئی کتاب کام آئے گی تو وہ قرآن ہے جس کے آگے پوتھی پران کچھ نہیں ہے"۔

گاندھی جی کہتے ہیں :-

"محمد (ﷺ) روحانی پیشوا تھے بلکہ ان کی تعلیمات میں سمجھتا ہوں کہ سب سے بہتر ہیں۔ کسی روحانی پیشوا نے خدا کی بادشاہت کا پیغام ایسا جامع نہیں سنایا جیسا کہ پیغمبر اسلام نے! قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے" (ینگ انڈیا۔ اگست 1936ء)

اور

جب مغرب قعر جہالت میں پڑا تھا تو مشرق کے آسمان سے ایک درخشاں ستارہ طلوع ہوا اور تمام مضطرب دنیا کو راحت اور روشنی بخشی" (الامان دہلی 17 جنوری 1932ء)

بمبئی کی مشہور سماجی کارکن اور دانشور شریمیتی کملا دیوی کہتی ہیں کہ :-

"اے عرب کے مہاپرش! آپ وہ ہیں جس کی شکتا سے مورتی پوجا مٹ گئی اور ایشور کی بھگتی کا دھیان پیدا ہوا۔ بے شک آپ نے دھرم سیوکوں میں وہ بات پیدا کر دی

---

[1] آؤٹ لائن آف ہسٹری   [2] غازیان ہند صفحہ ۱۱۷

ہے کہ ایک ہی سمے کے اندر وہ جرنیل، کمانڈر اور چیف جسٹس بھی تھے اور اتما (روح) کی سدھار کا کام بھی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے عورت کی مٹی ہوئی عزت کو بچایا اور اس کے حقوق مقرر کئے۔ آپ نے اس دکھ بھری دنیا میں شانتی اور امن کا پرچار کیا اور امیر و غریب کو ایک سبھا میں جمع کیا"۔ (الامان دہلی 17 جولائی 1932ء)

ہارٹ میخائل نے تاریخ کے تمام مشاہیر، فلسفی، سائنسدان، قانون دان، مصلحین اور پیغمبران دین کی زندگی، تعلیم اور پیغام کا مطالعہ کیا اور نوع انسانی پر ان کے اثرات کی تشخیص کی اور ان میں سے ایک سو بہترین انسانوں کا تذکرہ اہمیت کے اعتبار سے ترتیب وار اپنی کتاب "ایک سو" (THE HUNDRED) میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان سو انسانوں میں عظیم ترین ہستی صرف محمد (ﷺ) کی ہے۔ دوسرے درجہ پر نیوٹن اور تیسرے پر حضرت عیسیٰؑ کو دکھایا ہے..........اس کتاب پر عیسائی دنیا میں بڑی لے دے ہوئی۔ چنانچہ ہارٹ میخائل لکھتا ہے کہ :-

"قارئین میں سے ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو تعجب ہو کہ میں نے دنیا جہان کی موثر ترین شخصیتوں میں محمد (ﷺ) کو سرفہرست کیوں رکھا ہے۔ وہ مجھ سے توجیہہ چاہیں گے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں وہی ایک انسان ایسے تھے جو دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب، کامران اور سرفراز ٹھہرے"۔

برنارڈ شا ذات محمد (ﷺ) عربی پر اپنے اعتماد کا اعلان کرتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ :-

"آج نوع انسانی کو ایک محمد (ﷺ) کی سیادت نصیب ہوتی تو خوف و ہراس اور خونریزی و استحصال کا دنیا سے خاتمہ ہو جاتا اور سارا عالم امن و چین کی زندگی بسر کر سکتا!" [1]

صدقت یا رسول اللہ !!

---

[1] دی مسلم ورلڈ آف ٹوڈے

باباگرونانک کافار مولا

ہر بات کا نتیجہ محمد (ﷺ)! کسی لفظ کے اعداد، ابجد کے لحاظ سے جمع کر لیجئے۔ اس مجموعے کو 4 سے ضرب دیجئے حاصل میں 2 جمع کیجئے حاصل کو پھر 5 سے ضرب دیجئے حاصل کو 20 سے تقسیم کیجئے جو باقی بچے اس کو 9 سے ضرب دیجئے۔ حاصل میں 2 جمع کیجئے نتیجہ 92 ہوگا۔ یعنی محمد (ﷺ) [1]

دوہا یہ ہے :-

نام لو جس اچھر کا کر لو چوگنتا دو ملا کر پنچ گن کر لو بیس کا بھاگ لگا
باقی بچے کو نوگن کر لو، دو پھر اور ملا تا معنی لولاک لما کے جھٹ پٹ سمجھا جا...!

لو لاك لما خلقت الا فلاك

یعنی آپ نے ہوتے تو افلاک بھی نہ ہوتے

مثال :-

پہلے ابجد کے اعداد کو سمجھ لیجئے۔

ز	و	ھ	د	ج	ب	ا
7	6	5	4	3	2	1

ص	ف	ع	س	ن	م	ل	ک	ی	ط	ح
90	80	70	60	50	40	30	20	10	9	8

غ	ظ	ض	ذ	خ	ث	ت	ش	ر	ق
1000	900	800	700	600	500	400	300	200	100

پھر حساب کیجئے۔

ا۔ مثلاً لفظ (دنیا) کو لیجئے۔

---

[1] نام لو جس اچھر کا کر لو چوگنتا دو ملا کر پنچ گن کر لو بیس کا بھاگ لگا
باقی ۔بچے کو نوگن کر لو، دو پھر اور ملا تا معنی لولاک لما کے جھٹ پٹ سمجھا جا...!

د ن ی ا

65 = 1 + 10 + 50 + 4

65 کو 4 سے ضرب دیجئے = 260

260 میں 2 جمع کیجئے = 262

262 کو 5 سے ضرب دیجئے = 1310

1310 کو 20 سے تقسیم کیجئے۔ نیچے بچے گا = 10

10 کو 9 سے ضرب دیجئے = 90

90 میں 2 جمع کیجئے = 92 =(محمد ﷺ)

2- مثلاً لفظ (انوار) کو لیجئے۔

ا ن و ا ر

258 = 2 +1 + 6 + 50 + 1

258 کو 4 سے ضرب دیجئے = 1032

1032 میں 2 جمع کیجئے = 1034

1034 کو 5 سے ضرب دیجئے = 5170

5170 کو 20 سے تقسیم کیجئے نیچے بچے گا = 10

10 کو 9 سے ضرب دیجئے = 90

90 میں 2 جمع کیجئے = 92 = (محمد ﷺ)

صدقت یارسول اللہ!

غیر مسلم شعراء کی نگاہ میں [1]

بلاامتیاز رنگ و نسل و مذہب و ملت اکثر غیر مسلم شعراء کو بھی رسول مقبول ﷺ سے عقیدت رہی ہے۔ یہ عقیدت ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی رفعت، آپؐ کا جمال آپؐ کا کمال، نوع انسانی پر آپؐ کے احسانات.......... یہ ایسے محرکات ہیں جو شاعروں اور ادیبوں کو جذب دروں بخشتے رہے ہیں اور یہی حقیقتیں ان کی محبتوں اور مستعیوں

[1] پروفیسر سید یونس شاہ ۔ تذکرہ، نعت گویاں اردو

میں ڈھلتی چلی گئی ہیں!

ذرا چشم تصور سے کام لیجئے اور دیکھئے کہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں کئی غیر مسلم شعراء بھی موجود ہیں۔ ان میں بابو رگھو نندن شوق بھی ہیں۔ وہ اس دربار میں اپنی پلکوں سے جاروب کشی کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے جوتے اٹھانے کا شرف مجھے نصیب ہو تو ملائکہ کو بھی خاطر میں نہیں لاؤں گا!

بہ یثرب چوں رسم مژگان خودرا
کنم جاروب گلزار محمدؐ
ملائک را نیارم در نگاہے
شوم گر کفش بردار محمدؐ

یہاں مہندر سنگھ بیدی بھی ہیں وفور شوق میں کہنے لگتے ہیں:-

وفور شوق میں پھر والہانہ
کروں عرض سلام عاشقانہ
سلام اے رہبر عالم پناہے
بہ دنیا و بہ عقبیٰ پادشاہے!

پنڈت بالمکند عرش بھی عالم محویت میں ہیں۔ آستانہء رسالتؐ پر سر رکھ دیتے ہیں اور گنگنانے لگتے ہیں کہ:-

مرے دل میں کیف جمال رسالتؐ
خوشا یہہ شراب اور یہ آبگینہ
یہی ماحصل عرش ہے زندگی کا
مرا سر ہے اور آستان مدینہ!

اور کشن پرشاد عرض کرتے ہیں کہ :-

کان عرب سے لعل نکل کر سرتاج بنا سرداروں کا
نام محمدؐ اپنا رکھا، سلطان بنا سرکاروں کا

تیرا چرچا گھر گھر ہے، جلوہ دل کے اندر ہے
ذکر ہے تیرا لب پر جاری، دلدار بنا دلداروں کا
روپ ہے تیرا رتی رتی، نور ہے تیرا بتی بتی
مہر و ماہ کو تجھ سے رونق، نور بنا سیاروں کا!

اور یہاں دلورام کوثری کے احساسات ملاحظہ کیجئے۔

کرے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمدؐ کا
مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغ مہند کا
جدا کب میم دلو رام ہے میم محمدؐ سے
تعلق سو طرح کا ہے مشدد سے مشد دکا!

اور

عظیم الشان ہے شان محمدؐ
خدا ہے مرتبہ دان محمدؐ
کتب خانے کیے منسوخ سارےؒ
کتاب حق ہے قرآن محمدؐ
نبیؐ کا نطق ہے نطق الٰہی
کلام حق ہے فرمان محمدؐ
بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا
میں ہوں ہر دم ثنا خوان محمدؐ!

اس دربار میں منشی بشیشور پرشاد اعتراف حقیقت کرتے ہیں :-

آپؐ پر نازل خدائے پاک نے قرآں کیا
سرمہء توحید سے وا دیدہ عرفاں کیا
آشکارا زندگی کا جوہر پنہاں کیا
پیکر اقدس کو رشک کعبہء ایماں کیا

جو نہ سمجھے آپؐ کا رتبہ وہ اہل دل نہیں
اور کوئی جادہء تسلیم کی منزل نہیں!

اور

صنم کدوں میں بھی ہے اعتراف عظمت خاص
کہ سروری سر لات و منات آپؐ کی ہے
ہے کون شیخ معظم کی جو کرے تردید
خدا کے بعد اگر ہے تو ذات آپؐ کی ہے!

اس محفل میں سیتہ پال اختر رضوانی کے جذبات ملاحظہ کیجئے:-

جمہور و مساوات کا پیغمبرؐ ہے
آئینہء حالات کا پیغمبرؐ ہے
اے خطہء بطحا و عرب کے باسی
تو کشف و کرامات کا پیغمبرؐ ہے!

دل کو تھام کر مہر لال سونی ضیا کہتے ہیں کہ:-

لکھی گئی دنیا میں ضیا نور یقیں سے
انسان کی تاریخ بعنوان محمدؐ

ہری چند اختر بھی اس دربار میں موجود ہیں کہتے ہیں کہ:-

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اس کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا در یتیم!
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولٰی کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

حضورؐ اقدس کے سامنے لالہ امر چند قیس جالندھری نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں کہ:-

نعت احمدؐ ہے زبان خامہء تحریر پر

ناز کرتا ہے مصور آپؐ کی تصویر پر
سر بہ سر گنج معانی آپؐ کا ایک ایک حرف
سر بہ سر مبنی ہے قرآں آپ کی تقریر پر
بزم عالم ہے ضیا بار آپؐ کی تنویر سے
صد چراغ طور قرباں آپؐ کی تنویر سے
قیس! ہم کو یاد آتی ہیں وہ اطہر ہستیاں
جب نظر پڑتی ہے اپنی آیہء تطہیر پر!

اور

چہ پرسی زمرگ و حیا تم چہ پرسی
فراق محمدؐ وصال محمدؐ
مثال محمدؐ چہ جوئی چہ جوئی
نہ یابی نہ یابی مثال محمدؐ!
اگر پرسی از قیس من با تو گویم
یکے از غلامان آل محمدؐ!

اور یہاں منشی پیارے لال رونق دہلوی اظہار محبت کرتے ہیں:-

دل چھین لیا ایک جوان عربیؐ نے
مختار دو عالم شہ امی لقبی نے
فریاد کہ مل جاؤں شہیدوں میں الٰہی
مارا ہے مجھے عشق رسول عربی نے!

کسی کونے میں کچھمی نرائن سخاز یرلب گنگنانے لگتے ہیں کہ:-

دل میں گر عشق نبی ہو تو ہے انساں انساں
ورنہ کیا خاک پھر اس خاک کی تصویر میں ہے
ہم نے وہ شمس میں دیکھی نہ قمر میں دیکھی
بات جو روضہء پر نور کی تنویر میں ہے!

دربار رسالت میں رام پرتاب اکمل کے جذبات اس طرح ابلنے لگتے ہیں کہ:-

کیا شان ہے جناب رسالت مآبؐ کی
نظریں جھکی ہوئی ہیں مہ و آفتاب کی
قرآن پاک اس کی صداقت پہ ہے گواہ
تھی کن بلندیوں پہ رسائی جناب کی
اکمل کہیں مقام ادب ہاتھ سے نہ جائے
توصیف لکھ رہے ہیں رسالت مآبؐ کی!

ادیب لکھنوی اس دربار میں عرض پرداز ہوتے ہیں کہ:-

ہر قدم تیرا دلیل راہ دوست
تذکرہ تیرا حدیث دل نشیں
ہے وہ دل آئینہء صدق و صفا
جس میں ہو تیرا تصور جاگزیں
تیرے نقش پا کے ذرے دیکھ کر
ہیں ستارے چرخ پر روشن جبیں!

اس بارگاہ رسالت پناہ میں جرمنی کا مشہور شاعر اور فلسفی گوئٹے بھی ہے۔ اس نے ساری عمر صداقت کی تلاش میں گزاری ہے۔ وہ اپنی نظم "موہمٹن سانگ" یا "نغمہء محمدؐ" اس مقدس بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔ اس میں گوئٹے زندگی کے اسلامی تصور کو نہایت موثر طریقے سے بیان کرتا ہے اور سید المرسلین ﷺ کی شخصیت کو ایک شفاف، بے داغ ندی سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور پاک ﷺ کی ذات، آپ ﷺ کی شخصیت ایک ایسی صاف شفاف ندی ہے جو ہر رکاوٹ کو دور کرتے ہوئے وادیء کوہ و دمن سے گزر جاتی ہے۔ نشیب و فراز کو ہموار کرتی ہے۔ بلا امتیاز بادشاہوں کے محل اور غریبوں کی جھونپڑیوں سے یکساں گزرتی ہے۔ بیتاب ہے۔ تند و تیز ہے، جگر سوز ہے، بیقرار ہے کیونکہ زمانہ کو، ہر عصر کو ایک نئی زندگی بخشتی چلی جاتی ہے۔ جہاں جہاں سے گزرتی ہے، بہار ان راستوں پر پھولوں کی ایک دنیا آباد کردیتی ہے! گوئٹے اس طرح زمزمہ سرا ہوتا ہے۔

دریائے پرخروش! زبند و شکن گزشت
از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گزشت
یکساں چوسیل کردہ نشیب و فراز را
از کاخ شاہ و بارہ وکشت و چمن گزشت
بیتاب و تند و تیز، جگر سوز و بے قرار
درہر زماں بتازہ رسید، از کہن گزشت
زی بحر بیکرانہ چہ مستانہ می ردد
درخود یگانہ از ہمہ بیگانہ می رود!

(ترجمہ علامہ اقبال) پیام مشرق ص152

راہ نجات

آقائے دو جہاں ﷺ کی شخصیت کی معرفت اور آپ ﷺ کے مقام کا حقیقی ادراک ہی ہمارے لئے راہ نجات ہے۔ مصائب اور مشکلات سے، خوف و غم سے چھٹکارا حاصل کرنے کا بس یہی ایک راستہ ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی آواز دنیا کے ہر گوشے میں پہنچی۔ خدا کا یہ نور قوم و ملک کی حدوں کو توڑ کر دنیا کے طول و عرض میں یکساں طور پر چمکا اور خدا کی یہ رحمت جو فاران کی چوٹیوں پر نمودار ہوئی صرف عرب کے جلتے ہوئے ریگستانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں رہی بلکہ قطب شمالی کی یخ بستہ زمین پر بسنے والے سکیمو، بھارت کے مظلوم شودر، امریکہ کے ریڈ انڈین بھی اس نعمت میں برابر برابر کے شریک ہوگئے اور سینکڑوں اعتراضات اور ہزاروں مخالفتوں کے باوجود رحمت للعالمین کی صداقت جریدہ عالم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثبت ہو!.......... ہمیں آپ ﷺ کی اس عظمت کا احساس ہونا چاہئے!! اور ہمیں اس حقیقت کا ایقان ہونا چاہئے کہ آپ ﷺ کی شخصیت کے سمندر میں یہ زمین، یہ آسمان، یہ گنبد نیلو فری محض ایک بلبلے کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی رحمت ساری کائنات پر محیط ہے جس میں لاکھوں کہکشاں ہیں، ہر کہکشاں میں لاکھوں آفتاب ہیں جو ہمارے آفتاب سے اربوں گنا بڑے ہیں، ان کہکشاؤں کے درمیان اربوں نوری سال کے فاصلے ہیں اور نہ جانے ایسی کتنی کائناتیں

ہیں..........ان سب پر، خالق کائنات کے غیر محدود تخلیقی پروگرام پر، اس کے لوح و قلم پر بلاشبہ سرورِ کونین ﷺ کی رحمت پوری پوری طرح محیط ہے!

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرہء ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
شوق ترا اگر نہ ہو، میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب!

(بال جبریل154)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم

کتابیات

نام کتاب	مصنف، مفسر، مترجم
قرآن مجید	تفاسیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مارماڈیوک محمدؒ پکھتالؒ عبداللہ یوسف علیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مولانا مفتی محمد شفیع
احادیث نبویﷺ	
صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل البخاری
صحیح مسلم	مسلم ابن الحجاج القشیری
مسند احمد	الامام احمد بن حنبلؒ
جامع الترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی
سنن ابی داؤد	ابوداؤد سلیمان الاشعث
سیرت نبویﷺ	
السیرۃ النبویہ	ابو محمد عبدالملک بن ہشام (ترجمہ نقوش)
سیرۃ النبی ﷺ	مولانا سید سلیمان ندوی
رحمتہ للعالمین ﷺ	محمدؒ سلیمان سلمان منصورپوری
حیات محمد ﷺ	محمد حسین ہیکل
بسلسلہ سیرت نبوی ﷺ	سیرت محمدیؐ سر سید احمد خان
تذکرہ نعت گویاں اردو	پروفیسر سید یونس شاہ
HEROES & HEROWORSHIP	THOMASCARLYLE
خطبات بہاول پور	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
خطبات سیرت	کرنل ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن
MOHAMMED&MOHAMMADANISM	BOSWORTHSMITH
تاریخ	
رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
تاریخ طبری	ترجمہ سید ابراہیم
تمدن عرب	ڈاکٹر گستاؤلی ترجمہ سید علی بلگرامی
THE SPIRIT OF ISLAM	AMEER ALI
انقلابات عالم	ادارہ تالیف و تصنیف

نام کتاب	مصنف، مفسر، مترجم
EARLY DAYS OF CHRISTIANITY	FERRAR
خطبات مدراس	مولانا سید سلیمان ندوی
Decline & fall of Roman Empire	GIBBON
مقدمۂ تاریخ	ابن خلدون
دیگر مذاہب عالم	
مذاہب عالم	احمد عبداللہ المسدوسی
Glimpses of World Religions	JAICO
RELIGIONS	PUBLISHING HOUSE
THE RAMAYANA & MAHABHARATA	EVERY MAN LIBRARY
RIGVEDA	BLOOMFIELD
REPETITIONS	
ATHRAVEDA	WILLIAM DWIGHT
SAMHITA	WHITNEY
THE GEETA	TRIDANDI
قانون بین الاقوام	
قانون بین الممالک	ڈاکٹر محمد حمید اللہ
الجہاد فی الاسلام	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
منشور متحدہ اقوام	احمد عبداللہ المدوسی
(بسلسلہ قانون بین الاقوام	
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں	سید واجد رضوی
معاشیات	
المحلی	امام ابن حزمؒ
اشتراکیت اور نظام اسلام	محمد مظہر الدین صدیقی
موسیٰ سے مارکس تک	سبط حسن
ابوذر غفاریؓ	علامہ مناظر احسن گیلانیؒ
سود	مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
DASCAPITAL	KARL. MARXENCYCLOPIDIA
	BRITANICA

نام کتاب	مصنف، مفسر، مترجم
پاکستان کے لئے معاشی نظام	سید واجد رضوی
دیگر کتابیں	
الفاروق	مولانا شبلی نعمانی
THE HUNDRED	MICHAEL H. HART
بسلسلہ دیگر کتابیں	
اسوۂ صحابہؓ	عبدالسلام ندوی
سیرۃ خلفاء راشدین	مولانا شاہ معین الدین
قرآن اور علم جدید	ڈاکٹر محمد رفیع الدینؒ
شان علی کرم اللہ وجہہ،	پروفیسر شوکت علی عابد
اقبالیات	اقبالؒ
بائیبل قرآن اور سائنس	مارس بکائی
اسلام کا نظام حیات	ڈاکٹر قاری فیوض الرحمٰن
خلفائے راشدین	مولانا عبدالشکور لکھنوی
Culturalside of Islam	Muhammad Perkhtal
Hindu Philosophy	Radha Krishnan
The Great Religions of Modern World	J. Jurgy
India & China	Pannikar
Redstar Over China	Edgarsnow
China Shakes The World	Jackbeldon
Encyclopedia Britanica	
Encyclopedia Americana	
Encyclopedia of Religions And Ethics	

اشاریہ

پیغمبرِ رحمت

صلی اللہ علیہ وسلم

اور انسان کے بنیادی مسائل
خوف، بھوک، جہالت

سید واجد رضوی

مقبول اکیڈمی
۱۹۹۔ سرکلر روڈ۔ چوک انارکلی لاہور